قال اللہ تبارک تعالیٰ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

الحمد للہ کہ امام ہمام حجۃ الاسلام غزالی رحمہ اللہ کے مصنفہ نسخہ مقبولہ اربعین کے حصہ ثلاثین منتخبہ حضرت مولٰنا المولوی قاری صوفی اشرفعلیصاحب تھانوی مدت فیوضہم کا ترجمہ مسمےٰ بہ

تبلیغِ دین

ترجمہ

الثلاثین من الاربعین

جو بندۂ ضعیف عاشق الٰہی عفی عنہ نے

سنہ ۱۳۲۴ ہجری مین سلیس و عام فہم اُردو زبان مین کیا تھا عامۂ مسلمین

خصوصاً طلبہ مدارس فوقانیہ عثمانیہ دکن کیلئے بار چہارم در سنہ ۱۳۴۷ھ

(در مطبع خیریہ مصریہ شہر میرٹھ طبع گردید)

بار چہارم یکہزار قیمت ۱۲ ار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خداوند تعالیٰ جلّت عظمتہ کے انعامات جلیلہ کا احصاء محال ہے اور نبی الطجی احمد مجتبےٰ احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات عظیمہ کی شمار ناممکن ہے مگر چونکہ حکم ہے کہ محسن کا شکر ادا کیا جائے اسلئے امتثال امر و تعمیل ارشاد کیلئے دل جو کہ ان نعمت سے مالامال ہونیکی مسرت میں لبریز ہے اُس محسن حقیقی عم نوالہٗ کا شکریہ ادا کرتا ہے جسنے اپنے ہاشمی النسل حجازی پیغمبر کے طفیل مجکو ایمان بخشا اور اسپر استقامت دی۔ علم مرحمت فرمایا اور توفیق کو دستگیر بنایا ہمت بخشی اور شیخ ابوحامد معروف بامام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مفید کتاب اربعین کے منتخب یعنی ثلاثین کا مترجم بناکر ترجمہ کو ذریعہ تبلیغ بنایا۔ یہ ترجمہ ۱۳۲۲ ہجری مین مرتب و طبع ہوا تھا۔ اور پھر نظر ثانی و اصلاح کے بعد ۱۳۳۲ھ مین دوبارہ طبع ہوا۔ پھر چونکہ بلا تحریک و سفارش سرکار نظام دکن خلداللہ ملکہٗ کے مدارس فوقانیہ عثمانیہ مین داخل نصاب ہوا اور وہان سے طلب زیادہ ہوئی تو ۱۳۳۵ھ بارہ طبع ہونیکی نوبت آئی اور اسکے ختم ہوجانے پر اب چوتھی مرتبہ طبع ہوا حق تعالےٰ اسکو قبولیت بخشے اور عامہ مسلمین کو منتفع فرماکر میری نجات اُخرویہ کا ذریعہ بنائے۔

اسکے ساتھ ۱۳۳۶ھ مین حضرت امام ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے ۶۲ وعظ کا مجموعہ جو آپکے شاگرد و خلیفہ شیخ عفیف الدین نے قلمبند کیا تھا یعنی الفتح الربانی کو سلیس اُردو ترجمہ کے ساتھ بنام فیوض یزدانی بندہ نے شائع کیا تھا جو ہاتھوں ہاتھ ہوگیا۔ چونکہ حضرت پیران پیر کا کمال علمی و عملی اور درجہ محبوبیت و قطبیت ایسا مشہور ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہین جو آپ کی مجلس وعظ مین شرکت کا عاشق و شیدا نہو۔ اسلئے اسمرتبہ باستثناء ۶۲ وعظ کا ترجمہ نہایت مفید و واضح شرح کیساتھ بجد دلچسپ بناکر بندہ نے طبع کرایا اور قیمت صرف ۱۲؍ رکھی ہے۔ اسکے مطالعہ سے توکل و تفویض اور قوت قلبیہ و سکون الی اللہ کے جو انمول جواہرات حاصل ہوتے ہین۔ اور قطب الاقطاب کی مجلس وعظ مین شرکت کے انوار و برکات کا جو عکس و پرتوہ پڑتا ہے۔ خدا کرے کہ ایکدفعہ اس سے ہر مسلمان متمتع ہوجاوے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ؕ

تقریظ حضرت حکیم الأمة مولانا اشرفعلی صاحب دام مجدہم

حامدًا و مصلیًا۔ کہتا ہے عاجز اشرفعلی عفی عنہ اس جزو زمان مین اجزاء دین مین سے جزو اخلاقی و تہذیب نفس کو عوام نے اعتقادًا اور خواص نے عملًا کالمحذوف والمطروح کر دیا اس سے جو مفاسد دینیہ و تمدنیہ پیدا ہورہے ہین ہویدا ہین علاج اسکا یہی ہے کہ اسکی تعلیم اور اسپر تنبیہ کیجائے چنانچہ سلف نے اسیواسطے اسمین مختلف و متعدد کتابین لکھین۔ ان سب مین زیادہ سہل المأخذ اور جامع تصانیف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ہین پھر انمین رسالہ اربعین اخصر والیسر ہے لیکن عربی مین ہونیکی وجہ سے محتاج تھا ترجمہ اردو کا جو کہ ہمارے ملک کی عام زبان ہے۔ اسلئے میری تمنا تھی کہ اسکا ترجمہ ہوجاوے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے مولانا عاشق الٰہی صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ کو کہ اس کام کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا مین نے بھی بعض مقامات اسکے دیکھے ترجمہ بہت ہی پسند آیا مطلب خیز اور نشاط انگیز۔ اگر زیادہ فرصت ہوتی تو مین حرفًا حرفًا اسکے دیکھنے کا مشتاق تھا۔ اللہ تعالیٰ اسکو نافع اور مقبول بناوے آمین

اشرفعلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعمالِ ظاہری کے اُصول دس ہین

پہلی اصل نماز کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میری یاد کیلیے نماز قائم کرو" اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "نماز دین کا ستون ہے" خوب سمجھلو کہ تم نماز مین اپنے پروردگار سے باتین کرتے ہو لہذا دیکھ لیا کرو کہ نماز کیسی پڑھ رہے ہو" اور چونکہ اللہ پاک نے نماز کی اقامت کا حکم فرمایا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ نماز کے متعلق تمامی ضرورتون کی پوری رعایت کرو لہذا نماز مین ان تین باتون کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے اوّل نماز سے پہلے وضو کی نگہداشت کرو اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ وضو مین جسقدر سُنتین اور مستحبات ہین انکو بجا لاؤ اور ہر عضو کے دھونیکے وقت وہ دُعا[1] پڑھو جو حدیث مین آئی ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی کپڑون کا اور وضو کے پانی کا خیال رکھو کہ دونون پاک ہون لیکن اسمین اتنا مبالغہ نکرو کہ وہم و وسواس تک نوبت پہونچ جائے کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے۔ اور شیطان اکثر عبادت گذار نیک بندون کے اوقات اِسی شش و پنج مین ضائع کیا کرتا ہے۔

[1] یعنی وضو سے پہلے اللّٰھم انی اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضرون پڑھکر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے پھر ہاتھ دھونے پر اللّٰھم انی اسئلک الیمن والبرکۃ واعوذ بک من الشوم والھلکۃ اور کلی کرتے وقت اللّٰھم اعنی علی تلاوۃ کتابک وکثرۃ الذکر لک والشکر لک ناک مین پانی ڈالنے کے وقت اللّٰھم ارحنی رائحۃ الجنۃ وانت عنی راض ناک سنکنے کیوقت اللّٰھم انی اعوذ بک من روائح النار ومن سوء الدار منہ دھوتے وقت اللّٰھم بیض وجھی یوم تبیض وجوہ اولیائک ولا تسود وجھی یوم تسود وجوہ اعدائک داہنا ہاتھ کہنی تک دھوتے وقت اللّٰھم اعطنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرا بایان ہاتھ دھوتے وقت اللّٰھم انی اعوذ بک ان تعطینی کتابی بشمالی او من وراء ظھری سر کا مسح کرتے وقت اللّٰھم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اللّٰھم اسمعنی منادی الجنۃ مع الابرار گردن کا مسح کرتے وقت اللّٰھم فک رقبتی من النار واعوذ بک من السلاسل والاغلال داہنا پاون دھوتے وقت اللّٰھم ثبت قدمی علی الصراط المستقیم بایان پانون دھوتے وقت اللّٰھم انی اعوذ بک ان تزل قدمی علی الصراط یوم تزل اقدام المنافقین فی النار اور وضو کے بعد کھڑا ہوکر یہ دُعا پڑھے اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ سبحانک اللّٰھم وبحمدک لا الہ الا انت عملت سوءا وظلمت نفسی استغفرک واتوب الیک فاغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحیم اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین واجعلنی من عبادک الصالحین واجعلنی عبدا صبورا شکورا اذکرک ذکرا کثیرا واسبحک بکرۃ واصیلا اسکے بعد تین بار سورۃ انا انزلناہ پڑھے ۱۲ مترجم

جاننا چاہئے کہ نمازی کے کپڑون کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پھل کے اوپر کا چھلکا اور بدن کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کا چھلکا اور قلب کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کی گری اور مغز۔ اور ظاہر ہے کہ مقصود مغز ہوا کرتا ہے۔ اسیطرح ان ظاہری پاکی سے بھی مقصود قلب کا پاک ہونا اور نورانی بنانا ہے۔ شاید تمکو یہ شبہ ہو کہ کپڑے کے دھونیسے قلب کسطرح پاک ہوسکتا ہی؟ لہذا سمجھلو کہ حق تعالی نے ظاہر اور باطن مین ایک ایسا خاص تعلق رکھا ہے جسکی وجہ سے ظاہری طہارت کا اثر باطنی طہارت تک ضرور پہونچتا ہے۔ دیکھو جب تم وضو کرکے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے قلب مین ایسی صفائی اور انشراح پاتے ہو جو وضو سے پہلے نہ تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وضو ہی کا اثر ہے جو بدن سے آگے بڑھکر دل تک پہونچا ہے۔ **دوم** نماز کے جملہ ارکان خواہ سنتین ہون یا مستحبات اور ذکر ہو یا تسبیح سبکو اپنے اپنے قاعدہ پر ادا کرو اور یاد رکھو کہ جسطرح بدن کی ظاہری طہارت نے قلب کی باطنی صفائی مین اثر دکھایا تھا اسیطرح بلکہ اس سے بھی زیادہ نماز کے ارکان کا اثر قلب مین ہوتا اور نورانیت پیدا کیا کرتا ہے۔ اور جسطرح مریض کو دوا پینے سے ضرور نفع ہوتا ہے اگرچہ وہ دوا کے اجزا کی تاثیرون سے واقف نہو اسیطرح تمکو نماز کے ارکان ادا کرنیسے ضرور نفع پہونچیگا اگرچہ تمہین انکے اسرار اور رموز سے واقفیت نہو۔

جاننا چاہئے کہ جاندار مخلوق کیطرح حقتعالی نے نماز کو بھی ایک صورت اور روح مرحمت فرمائی ہے کہ نماز کی روح نیت اور حضور قلب ہے اور قیام وقعود۔ نماز کا بدن ہے اور رکوع وسجدہ نماز کا سر اور ہاتھ پاؤن ہین۔ اور جسقدر اذکار وتسبیحات نماز مین ہین وہ نماز کے آنکھ کان وغیرہ ہین اور اذکار وتسبیحات کے معنی کا سمجھنا گویا آنکھ کی بینائی اور کانون کی قوت سماعت وغیرہ ہے اور نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا نماز کا حسن یعنی بدن کا سڈول اور رنگ وروغن کا درست ہونا ہے اسطرح پر نماز کے اجزا اور ارکان کو بحضور قلب پورا کرنیسے نماز کی ایک حسین اور پیاری صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور نماز مین جو تقرب نمازی کو حق تعالی سے حاصل ہوتا ہے اسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کوئی خدمتگار اپنے بادشاہ کی خدمت مین کوئی خوبصورت کنیز ہدیہ پیش کرے اور اس وقت اسکو بادشاہ سے تقرب حاصل ہو۔ پس اگر تمہاری نماز مین خلوص نہین ہے تو گویا مردہ اور بیجان کنیز بادشاہ کے نذر کررہے ہو۔ اور یہ ایسی گستاخی ہے کہ ایسا شخص اگر قتل کردیا جائے تو عجب نہین۔ اور اگر نماز مین رکوع وسجدہ نہین ہے تو گویا لنگڑی لولی اور اپاہج لونڈی نذر کرتے ہو اور اگر ذکر وتسبیح اسمین نہین ہے تو گویا لونڈی کے آنکھ کان نہین اور اگر سب کچھ موجود ہے مگر ذکر وتسبیح کے معنی نہین سمجھے اور نہ دل متوجہ ہوا تو ایسا ہے جیسے کنیز کے اعضا تو سب موجود ہین لیکن انمین حس وحرکت بالکل نہین۔ یعنی حلقہ چشم موجود ہے مگر بینائی نہین ہے اور کان موجود ہین مگر بہری ہے کہ سنائی نہین دیتا۔ ہاتھ پاؤن ہین مگر شل اور بیحس ہین۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اندھی بہری کنیز شاہی نذرانہ مین قبول ہوسکتی ہے یا نہین؟ شاید تمہین یہ شبہ ہو کہ جب نماز کے فرض اور واجب ادا کردیئے جاتے ہین تو علماء شریعت اس نماز کے صحیح ہوجانیکا فتوے دیدیتے

ہین خواہ معنی سمجھے ہون یا نہ سمجھے ہون۔ اور جب نماز صحیح ہو گئی تو جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا اس سے معلوم ہوا کہ معنی کا
سمجھنا نماز مین ضروری نہین ہے" لہذا سمجھلو کہ علماء کی مثال طبیب کی سی ہے پس کوئی لونڈی اپاہج اور کیسی ہی عیب دار
کیون نہو اگر اُسمین روح موجود ہے تو طبیب اسکو دیکھکر ضرور یہی کریگا کہ یہ زندہ ہے مُردہ نہین ہے۔ اسیطرح نماز کی روح
اور اعضاء رئیسہ کے موجود ہونیسے علماء فتوے دیدینگے کہ نماز صحیح ہے اور فاسد نہین ہے۔ ایسی صورت مین طبیب نے اور
عالم نے اپنے منصب کے موافق جو کچھ کہا وہ صحیح کہا ہے۔ مگر نماز تو شاہی نذرانہ اور سلطانی تقرب حاصل ہونیکی حالت ہے اور اتنا
تم خود سمجھ سکتے ہو کہ عیب دار کنیز اگرچہ زندہ ہے مگر سلطانی نذرانہ مین پیش کرنیکے قابل نہین ہے۔ بلکہ ایسی کنیز کا تحفہ پیش
کرنا گستاخی اور شاہی عتاب کا موجب ہے۔ اسیطرح اگر ناقص نماز کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب چاہو گے تو کچھ عجب نہین
کہ پھٹے پرانے کپڑے کیطرح لوٹا دیجائے اور مُنہ پر پھینک مار دیجائے۔ الغرض نماز سے مقصود چونکہ حق تعالیٰ کی تعظیم
ہے لہذا نماز کے سُنن اور مستحبات و آداب مین جسقدر بھی کمی ہو گی اُسیقدر احترام و تعظیم مین کوتاہی سمجھی جائیگی
سوم۔ نماز کی روح کا زیادہ لحاظ رکھو یعنی نماز مین شروع سے آخر تک اخلاص اور حضورِ قلب قائم رکھو اور جو الفاظ
زبان سے کہتے ہو یا جو کام اعضا سے کرتے ہو انکا اثر دلمین بھی پیدا کرو۔ اسکا یہ مطلب ہے کہ جب رکوع مین بدن جھکے
تو دل بھی عاجزی کیساتھ جھک جانا چاہیئے۔ اور جب زبان سے اَللّٰہُ اَکْبَر کہو تو دل مین بھی یہی ہو کہ بیشک اللہ سے
بڑی کوئی چیز نہین۔ اور جب اَلْحَمْدُ پڑھو تو قلب بھی اللہ کی نعمتون کے شکریہ سے لبریز ہو اور جسوقت زبان سے
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ نکلے تو دل بھی اپنے ذلیل و ضعیف اور محتاج ہونیکا اقرار کرے یعنی قلب مین بھی
یہی ہو کہ بیشک بجز خدا کے کسی چیز کا نہ مجھے اختیار ہے نہ کسی دوسرے کو۔ غرض تمام اذکار و تسبیحات اور جملہ ارکان و
حالات مین ظاہر و باطن یکسان اور ایکدوسرے کے موافق ہونا چاہیئے۔ اور سمجھلو کہ نامۂ اعمال مین نماز وہی لکھی جاتی
ہے جو سوچ سمجھکر پڑھی گئی ہو پس جتنا حصہ بغیر سمجھے ادا ہو گا وہ درج نہو گا۔ ہان یہ ضرور ہے کہ شروع شروع
پوری طرح حضورِ قلب قائم رکھنے مین تمکو بہت دشواری معلوم ہو گی۔ لیکن اگر عادت ڈالو گے تو رفتہ رفتہ ضرور
عادت ہو جائیگی۔ اسلئے اسکی طرف توجہ کرو اور اس توجہ کو آہستہ آہستہ بڑھاؤ۔ مثلاً اگر تمہین چار فرض پڑھنے
ہین تو دیکھو کہ اسمین حضورِ قلب کسقدر حاصل ہوا؟ فرض کرو کہ ساری نماز مین دو رکعت کے برابر تو دل کو توجہ
رہی اور دو رکعت کی برابر غفلت رہی تو ان دو رکعتون کو نماز مین شمار ہی نہ کرو اور اتنی نفلین پڑھو کہ
جنمین دو رکعت کی برابر حضورِ قلب حاصل ہو جاوے۔ غرض جتنی غفلت زیادہ ہو اُسیقدر نفلون مین زیادتی
کرو۔ حتیٰ کہ اگر دس نفلون مین چار فرض رکعتون کا حضورِ قلب پورا ہو جائے تو اُمید کرو کہ حق تعالیٰ
اپنے فضل و کرم سے فرائض کا نقصان ان نفلون سے پورا فرما دیگا اور اس کمی کا تدارک نوافل
سے منظور فرما لیگا۔

نماز مین قلب اور زبان کی موافقت

حضورِ قلب حاصل کرنیکی تدبیر

دوسری اصل زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات کا بیان

حق تعالیٰ شانہٗ فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ مین خرچ کرتے ہین اُنکی مثال اُس دانہ کی طرح ہے جسمین سات بالین ہون کہ ہر بال مین سَو دانے" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جنھون نے اپنا مال دونون ہاتھ بھر بھر کر راہِ خدا مین لُٹایا وہی ہلاکت سے نجات پائینگے" چونکہ صدقات وخیرات مین مخلوق کی ضرورتین اور محتاجون کے فاقے رفع ہوتے ہین اسلئے یہ بھی دین کا ایک ستون ہے۔ اور اسمین حکمت یہ ہے کہ چونکہ مخلوق کو اللہ کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم ہے اور مسلمان بندے محبتِ خدا کا دعویٰ بھی کرتے ہین۔ لہذا اللہ پاک نے مال خرچ کرنیکو اپنی محبت کا معیار اور آزمایش کی کسوٹی بنا دیا ہے تاکہ مدعیان ایمان کے دعوے کا جھوٹ سچ کھلجائے۔ کیونکہ عام قاعدہ ہے کہ انسان اپنے اُس محبوب کے نام پر جسکی محبت قلب مین زیادہ ہوتی ہے اپنی تمام مرغوب اور پیاری چیزین لُٹا دیا کرتا ہے پس مال جیسی پیاری چیز کا حق تعالیٰ کے نام پر خرچ کر ڈالنا خدا کے ساتھ محبت کے بڑھے ہوئے ہونیکی علامت ہے۔ اور بخل کرنا خدا کی محبت نہونیکی دلیل ہے۔ صدقہ وخیرات دینے والے مسلمان تین طرح کے ہین ایک وہ جنھون نے جو کچھ بھی پایا سب راہِ خدا مین دیدیا اور خدا کے ساتھ محبت کا دعوےٰ سچ کر دکھایا۔ مثلاً حضرت صدیق عتیق رضی اللہ عنہ کہ جو کچھ بھی گھر مین تھا سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مین لا رکھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے ابوبکر اپنے لئے کیا رکھا؟ تو عرض کیا کہ "اللہ اور اللہ کا رسول"۔ اسی موقع پر حضرت فاروق رضؓ بھی بغرض خیرات مال لائے تھے اور ان سے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سوال کیا تھا کہ اے عمر تمنے اپنے لئے کیا رکھا؟ انہون نے جواب دیا کہ جسقدر لایا ہون اسیقدر چھوڑ آیا ہون"۔ اُسوقت جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونون کے مرتبون کا فرق تم دونون کے جواب سے ظاہر ہے۔ دوسرے درجہ مین وہ متوسط لوگ ہین جو سارا مال تو خدا کے نام پر نہین لُٹاتے مگر اسکے ساتھ ہی اپنے نفس پر بھی ضرورت سے زیادہ نہین خرچ کرتے۔ بلکہ محتاج بندونکی حاجتین ظاہر ہونیکے منتظر رہتے ہین۔ اور جسوقت کوئی مصرفِ خیر پاتے یا کسیکو محتاج دیکھتے ہین تو بیدریغ مال خرچ کر دیتے ہین۔ یہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ یعنی مقدار فرض ہی پر اکتفا نہین کرتے بلکہ سارے مال کو خدا ہی کیلئے خرچ کرنیکی نیت رکھتے ہین کہ مال پاس رکھنے سے انکی غرض اسکو راہِ خدا ہی مین خرچ کرنیکی ہے البتہ محل اور موقع کا انتظار ہے۔ تیسرے درجہ مین وہ کمزور مسلمان ہین جو زکوٰۃ واجبہ ہی کے ادا ہونیکو غنیمت سمجھتے ہین کہ اگر اس سے زیادہ خیرات نہین کرتے تو مقدار واجب مین حبہ برابر کمی بھی نہین کرتے۔ ان تینون گروہ کے مرتبون کا فرق اور حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کی مقدار انکے خرچ کی حالت سے خود ہی سمجھلو۔ پس اگر تم پہلے اور دوسرے درجہ تک نہ پہونچ سکو تو کم سے کم تیسرے درجہ سے بڑھکر متوسط لوگونکے ادنیٰ طبقہ تک پہونچنے کی کوشش ضرور کرو کہ مقدار واجب کے علاوہ روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ کر دیا کرو اگرچہ روٹی کا ذرا سا ٹکڑہ ہی کیون نہو۔ ایسا کروگے تو

فرضیت زکوٰۃ کی مصلحت

خیرات دینے والوں کا اعلیٰ درجہ

خیرات دینے والوں کا متوسط درجہ

خیرات دینے والوں کا ادنیٰ درجہ

بخیلوں کے طبقہ سے اوپر چڑھجاؤ گے۔ اور اگر تم مُفلس و تہیدست ہو تو یہ نہ سمجھو کہ صدقہ مال ہی میں منحصر ہے اور ہم اس سے معذور ہیں نہیں بلکہ اپنی عزت وجاہ آرام و آسایش قول وفعل غرض جس چیز بھی تمکو قدرت ہو اُسکو اللہ کے نام پر خرچ کرو مثلاً بیمار کا پوچھنا جنازہ کے ساتھ جانا اور حاجت کیوقت محتاج کی مدد کر دینا مثلاً کسی مزدور کا بوجھ بٹا لینا یا سہارا لگا دینا یا سعی و سفارش سے کسیکا کام نکلوا دینا اور نیک بات کہنا یعنی ہمت بندھانا۔ ڈھارس دلانا وغیرہ یہ سب کام صدقہ ہی میں شمار ہیں۔ اور یہ ایسے صدقات ہیں جنکے لئے مالدار ہونیکی ضرورت نہیں۔ زکوٰۃ و صدقات میں پانچ باتوں کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

مُفلس مسلمانوں کی خیرات

اوّل۔ جو کچھ بھی دیا کرو وہ لوگوں سے چھپا کر دیا کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ چھپا کر خیرات دینا پروردگار کے غصہ کو بجھاتا ہے اور جو مسلمان اپنے داہنے ہاتھ سے اس طرح خیرات کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہو تو وہ اُن سات بندوں کے ساتھ محشور ہوگا جنپر حقتعالیٰ قیامت کے دن سایہ فرمائیگا جبکہ اُسکے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہوگا۔" اور اسمیں حکمت یہ ہے کہ صدقہ سے مقصود بخل کی بدخصلت کا دور کرنا ہے مگر اسمیں ریا کے خطرناک مرض کا اندیشہ ہے اسلئے چھپا کر دینے کے سبب ریا سے نجات ملجائیگی کیونکہ مسلمان جب قبر میں رکھدیا جاتا ہے تو ریا سانپ کی صورت اور بخل بچھو کی شکل بنکر اُسکو تکلیف پہنچاتا ہے پس جسنے خیرات کر کے جی چرایا اور بخل اختیار کیا تو اُسنے اپنی قبر میں کاٹنے کیلئے بچھو بھیجدیئے۔ اور اگر کسینے خیرات تو کی مگر دکھاوے اور نمود کی غرض سے کی ہے تو بچھو کو سانپ کی گویا غذا بنا دیا۔ اس صورت میں بچھو سے تو نجات ملگئی مگر سانپ کی زہریلی قوت اور زیادہ ہوگئی کیونکہ بخل کا منشا پورا ہوا تو بچھو کا زور بڑھیگا اور ریا کا منشا پورا ہوا تو سانپ کا زور زیادہ ہوگا

صدقہ کو چھپانیکی مصلحت

دوم جب خیرات دیا کرو تو اسپر احسان نہ سمجھو اور اسکی شناخت یہ ہے کہ مثلاً تمنے کسی محتاج کو خیرات کے طور پر کچھ دیا اور اُس سے شکر گذاری کی توقع رکھی مثلاً وہ تمھارے ساتھ کچھ بدسلوکی سے پیش آیا یا تمھارے دشمن کیساتھ محبت کرنے لگا تو تمکو اسقدر ناگوار گذرا کہ اگر صدقہ دینے سے پہلے یہی صورت پیش آتی تو یقیناً اتنا ناگوار نہ گذرتا تو اس سے صاف سمجھ میں آگیا کہ تمنے اُس محتاج پر اپنا احسان سمجھا جب ہی تو اُسکی بدسلوکی پر اتنا طیش آیا۔

احسان جتانے کا امتحان

لہٰذا اسکا علاج یہ ہے کہ تم اُس محتاج کو اپنا محسن سمجھو کہ جسنے تمسے صدقہ کا مال لیکر تمکو حق خداوندی سے سبکدوش کر دیا اور تمھارے مرض بخل کا طبیب بنگیا۔ کیونکہ تمھیں معلوم ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ و خیرات سے مقصود بخل کا دور کرنا ہے پس مالِ زکوٰۃ گویا بخل کا دھوون ہوا یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ و صدقہ کا مال اپنے خرچ میں نہ لاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ "یہ مال کا میل ہے" تو جس محتاج مسلمان نے تمھارے بخل کا دھوون اور تمھارے مال کا میل لیکر تمھیں اور تمھارے مال کو پاک صاف بنا دیا تو بھلا تمھیں بتاؤ کہ اُسکا تمپر احسان ہوا یا تمھارا اُسپر احسان ہوا؟ بھلا اگر کوئی جراح مفت فصد کھولکر تمھارا وہ ناقص خون نکالدے جو تمھاری دنیوی زندگی کیلئے مضر ہے تو کیا تم اسکو اپنا محسن نہیں سمجھتے؟ اسیطرح جو شخص تمھارے قلب سے بخل کے فاسد مادہ کو کہ جسکے ضرر کا حیاتِ اُخروی میں اندیشہ ہے بلا معاوضہ لئے ہوئے مفت نکالدے تو اُسکو بدرجۂ اولیٰ اپنا محسن و خیرخواہ سمجھنا چاہیے

احسان جتانیکے مرض کا علاج

تیسری بات یہ ہے کہ عمدہ سے عمدہ اور پاکیزہ مال خیرات کرو۔ کیونکہ جو چیز تمھیں ناپسند ہو اُسکا اللہ کے نام

دینا کیسے مناسب ہو سکتا ہے۔ تم سن ہی چکے ہو کر اس سے مقصود دعویٰ محبت خداوندی کا امتحان ہے۔ پس جیسی بُری یا بھلی چیز اللہ پاک کے نام پر خیرات کرو گے اس سے خود معلوم ہو جائیگا کہ تمھین اللہ کے ساتھ کسقدر محبت ہے۔ **چوتھی** بات یہ ہے کہ تمہین جو کچھ دینا ہو ہشاش بشاش اور خندہ رو ہو کر دیا کرو۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ایک درہم لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے"۔ اسکا مطلب یہی ہے کہ جو ایک درہم نیک نیتی اور خوشی کیساتھ دیا گیا ہے وہ ان لاکھ درہمون سے بڑھا ہوا ہے جو ناگواری[1] کیساتھ دیئے گئے ہین۔ **پانچوین** بات یہ ہے کہ صدقہ کیلئے محل و مصرف عمدہ تلاش کیا کرو یعنی یا تو کسی پرہیزگار عالم کو دیا کرو کہ تمھارا مال کھانیسے اسکو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ پر قوت اور اعانت حاصل ہو۔ یا کسی عیالدار نیکبخت مسلمان کو دو۔ اور اگر یہ تمام اوصاف ایک شخص مین جمع ہون تو جسمین ایک وصف بھی پایا جاوے وہ بھی تمھارا صدقہ ادا ہو جانیکے لئے کافی ہے البتہ نیکبختی کا لحاظ سب سے مقدم ہے کیونکہ دنیا کا مال و متاع بندونکے لئے اسواسطے مہیا کیا گیا ہے تا کہ انکی ایام گذاری ہو سکے اور ان چند روزہ ایام مین آخرت کا توشہ انکو حاصل ہو جائے تو جو لوگ درحقیقت سفر آخرت مین مشغول ہین اور اس عالم فانی کو راستہ کا پڑاؤ اور گویا مسافرخانہ سمجھے ہوئے ہین وہی تمھارے پیسہ کے مصرف ہونے چاہئین دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہین کہ "پرہیزگارونکو کھانا کھلایا کرو اور اپنا تبرع و سلوک ایماندارون ہی کو پہونچایا کرو"۔

تیسری اصل روزہ کا بیان

حدیث مین آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "ہر نیکی کا دس گونہ سے سات سو گونہ تک نامۂ اعمال مین ثواب لکھا جاتا ہے مگر روزہ خاص میرا ہے اور مین خود ہی اسکا صلہ دونگا"۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہر شے کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادات کا دروازہ روزہ ہے"۔ روزہ پر اسقدر اجر و ثواب کا سبب دو باتین معلوم ہوتی ہین **اول** یہ کہ روزہ کھانے پینے اور مباشرت کے چھوڑنے کا نام ہے اور یہ ایسا پوشیدہ کام ہے کہ جسپر حق تعالیٰ کے سوا کوئی آگاہ نہین ہو سکتا اور اسکے علاوہ جتنی عبادتین ہین مثلاً نماز۔ تلاوت۔ زکوٰۃ۔ حج یہ سب ایسی عبادتین ہین جنپر دوسرے لوگ بھی واقف ہو سکتے ہین لیکن روزہ وہی مخلص مسلمان رکھیگا جسکو لوگون مین اپنے عابد زاہد کہلائے جانیکا شوق اور ریا و نمود کی محبت نہوگی **دوسری** وجہ یہ ہے کہ روزہ سے دشمن خدا یعنی شیطان مغلوب ہوتا ہے کیونکہ جسقدر نفسانی خواہشین ہین سب پیٹ بھرنے پر اپنا زور دکھاتی ہین اور شیطان انہین خواہشات کو واسطہ بنا کر مسلمان کا شکار کرتا ہے۔ اور جب روزہ کیوجہ سے مسلمان بھوکا رہا اور تمام خواہشین کمزور پڑ گئین تو شیطان مجبور اور بے دست و پا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ماہ رمضان مین جنت کے دروازے کھولدیئے جاتے ہین شیطان پابزنجیر ہو جاتا ہے اور ہاتف غیبی پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے طلبگار آگے بڑھ ہو اور اے بدکار باز آؤ"۔ خوب سمجھلو کہ روزہ کی تین قسمین تو کیفیت کے اعتبار سے ہین اور تین ہی درجے اسکی مقدار کے اعتبار سے ہین

[1] لیکن اسکا مطلب یہ نسمجھو کہ جب تک ناگواری دل سے نہ نکلے خیرات نہ دیجاوے۔ کیونکہ ابتدا مین ناگواری ضرور ہوتی ہے البتہ ہمیں اس ناگواری پر عمل نکرنا اور اللہ کی راہ مین اپنی طبیعت پر زور ڈالکر دیدینا یہ بھی اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ اور ہمت کا کام ہے اور مجاہدہ ہونیکی وجہ سے امید ہے کہ خدا سمین ثواب بڑھا دے ۱۲ مولانا

ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ صرف رمضان کے فرض روزے ہر سال رکھ لیا کرے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام روزہ رکھتے تھے ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن نہ رکھے پھر تیسرے دن رکھے اور چوتھے دن نہ رکھے" ہمیشہ روزہ رکھنے کی بہ نسبت یہ صورت بدرجہا بہتر ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ سدا روزہ رکھنے سے بھوکا رہنے کی عادت ہوجاتی ہے اور عادت ہوئے پیچھے شکستگی اور قلب میں صفائی اور خواہشاتِ نفسانی میں ضعف و کمزوری محسوس نہ ہوگی جوکہ روزہ سے مقصود ہے۔ دیکھو مریض جب دوا کا عادی ہوجاتا ہے تو پھر دوا کچھ نفع نہیں دیتی۔ یہی سبب ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن کھاؤ پیو" انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اس سے بھی اعلیٰ درجہ چاہتا ہوں تو آپ نے جواب دیا کہ اس سے اعلیٰ درجہ کوئی نہیں" ایکمرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی کہ فلاں شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے تو آپ نے فرمایا ایسا روزہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں **متوسط درجہ** یہ ہے کہ عمر کا تہائی حصہ روزہ میں صرف ہوجائے۔ لہذا مناسب ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ ہر ہفتہ میں دوشنبہ اور پنجشنبہ کا روزہ رکھ لیا کرو۔ اس حساب سے سال بھر میں چار ماہ اور چار یوم کے روزے ہوجائینگے۔ مگر چونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے اور ممکن ہے کہ دونوں عیدین دوشنبہ یا پنجشنبہ کو پڑیں اور ایام تشریق میں سے ایک دن تو ضرور پیر یا جمعرات کو ہوگا اسلئے چار مہینے اور ایکدن کے روزے ہوجائینگے اور بارہ مہینے کے تہائی یعنی چار مہینہ سے صرف ایکدن زیادہ رہیگا۔ یہ تہائی عمر کا حساب ذرا غور کرنے سے بآسانی سمجھ میں آجائیگا۔ روزوں کا اس مقدار سے کم کرنا مناسب نہیں کہ اسمیں آسانی بھی ہے اور ثواب بہت زیادہ **کیفیت کے** اعتبار سے روزہ کی تین قسمیں یہ ہیں **ایک** تو عوام کا روزہ ہے کہ صرف روزہ توڑنے والی چیزوں یعنی کھانے پینے اور جماع سے بچتے ہیں۔ اگرچہ بدن سے گناہ کئے جائیں سو یہ تو نام ہی کا روزہ ہے۔ **دوسرا** درجہ یہ ہے کہ بدن کے کسی عضو سے بھی کوئی کام خلافِ شرع نہو یعنی زبان غیبت سے محفوظ رہے اور آنکھ نامحرم کو بُری نگاہ کے ساتھ دیکھنے سے بچی رہے وغیرہ وغیرہ **تیسرا** خاص روزہ خاص بندوں کا ہے کہ اعضا ان کے بد سے بچے کیسا انکا قلب بھی فکر و وسوسہ سے محفوظ رہتا ہے اور سوائے ذکر الٰہی کے کسی چیز کا بھی انکے دل میں گذر نہیں ہونے پاتا۔ یہ کمال کا درجہ ہے اور چونکہ اسکا حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہیں اسلئے کم سے کم اتنا خیال تو ضرور رکھنا چاہیے کہ ایسے کھانے پر روزہ افطار کیا کرو جو بلاشبہ حلال اور پاک ہو اور وہ بھی اتنا نہ کھاؤ کہ جس سے معدہ بھاری اور بدن کسلمند ہوجائے کہ تہجد کو بھی آنکھ نہ کھلے یعنی ایسا نہ کرو کہ دن کے چھوٹے ہوئے کھانے کی بھی تلافی افطار کے وقت کرنے لگو کہ ایسا کرنے والوں کو روزہ کا اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا کسل کی وجہ سے نقصان ہوجاتا ہے۔

چوتھی اصل حج کا بیان

خدا تعالیٰ فرماتا ہے "لوگوں پر اللہ واسطے حج بیت اللہ فرض ہے جسکو بھی وہاں تک پہونچنے کی طاقت ہو" اور

صوم داؤدی کی فضیلت

دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزہ کی حکمت

حلال روزی سے افطار کی حکمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو صاحبِ استطاعت مسلمان بغیر حج کیے مرگیا اُسے اختیار ہے کہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر" حج بھی دین کا ستون ہے حج کے اعمال و ارکان ظاہری کا بیان چونکہ احیاء العلوم مین ہوچکا ہے لہٰذا اس جگہہ حج کے رموز اور آداب بیان کرتے ہین - جاننا چاہیے کہ آداب حج سات ہین **اوّل** یہ کہ سفر سے پہلے حلال زادراہ اور کوئی نیکبخت ساتھی تلاش کرو کہ حلال توشہ سے قلب مین نور پیدا ہوگا اور رفیق صالح تمکو گناہون سے روکتا اور نیک کام یاد دلاتا رہیگا **دوم** - اس سفر مین تجارت[1] کا خیال بالکل ترک رکھو - کیونکہ طبیعت کے تجارت کی جانب متوجہ ہوجانیسے زیارت حرمین شریفین کا ارادہ خالص اور بے لوث نہ رہیگا - **سوم** راستہ مین کھانیکے اندر وسعت کرو اور رفقاء سفر اور نوکرون چاکرون اور کرایہ دارون کو خوش رکھو - اور کسیکے ساتھ سختی سے بات نکرو بلکہ نہایت خُلق و محبت اور نرم گفتاری سے سفر ختم کرو **چہارم** فحش گوئی اور جھگڑے اور فضول بکواس اور دُنیا کے معاملات کی بات چیت کو بالکل چھوڑدو اور ضروری حاجتون سے فارغ ہونیکے بعد اپنی زبان کو تلاوت کلام اللہ اور ذکر الٰہی مین مشغول رکھو - **پنجم** شُغدف یا شبری یعنی شان کی سواری پر سوار[2] نہو - بلکہ باربرداری کے اونٹ پر بیٹھ جاؤ تاکہ دربار حق تعالیٰ مین پراگندہ حال غبار آلود اور مسکینون محتاجون کی سی ذلیل و خستہ حالت سے حاضری ہو - اس سفر مین بناؤ سنگار اور زیادہ آرام طلبی کا خیال بھی نہ لاؤ - **ششم** کبھی کبھی سواری سے اوترکر پیدل بھی ہولیا کرو کہ اسمین سواری کے مالک کا بھی دل خوش ہوگا اور سواری کو بھی آرام ملیگا - اور تمھارے ہاتھ پاؤن بھی حرکت کرنیسے چُست و چالاک رہینگے **ہفتم** جو کچھ بھی اس سفر مین خرچ ہوجائے یا جس قسم کا بھی مالی نقصان یا تکلیف اور مصیبت اُٹھانی پڑے اسپر خوشدل ہو اور اسکو اپنے حج کے مقبول ہونیکی علامت سمجھو اور اپنے پروردگار سے ثواب کی اُمید رکھو - حج کی عبادت مین رموز و اسرار تو بہت ہین مگر ہم صرف دو مضمون بیان کرتے ہین **اوّل** یہ ہے کہ حج اُس رہبانیت کا بدل ہے جو پہلی اُمتون مین رائج تھی - حدیث مین آیا ہے کہ اُمّتِ محمدیہ کی رہبانیت حقتعالےٰ نے حج کی عبادت کو بنادیا ہے" اوّل بیتِ عتیق یعنی سب سے پہلے بنے ہوئے مکان کو حق تعالیٰ نے شرف عنایت کیا اُسکو اپنی جانب منسوب فرمایا اور بیت اللہ نام رکھدیا پھر اسکے گردونواح کو حرم گردانا میدان عرفات کو حرم کا صحن بنایا اور اسکا شرف اسطرح ظاہر فرمایا کہ نہ وہان شکار کرنا جائز ہے نہ درخت کاٹنا حلال - ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ مکان سے منزہ ہے اور گھر یا مکان کا محتاج نہین وہ سبکو محیط ہے اور اُسے کوئی جگہ اپنے احاطہ مین نہین لے سکتی - پس اسنے خانہ کعبہ کو جو اپنی جانب منسوب کیا اور اسکے طواف کا لوگونکو حکم دیا تو اسمین حکمت یہ ہے کہ بندونکی غلامی کا اظہار اور انکی بندگی کا امتحان ہوجائے - اور فرمانبردار غلام

آداب سفر حج

مشروعیت حج کی حکمت اور اسکا فلسفہ

[1] اور کوئی شخص یہ وسوسہ نہ لاوے کہ قرآن کے اندر تو سفر حج مین تجارت کی اجازت دی ہے - بات یہ ہے کہ اوّل تو امام غزالی رحمۃ تجارت کو ممنوع نہین بتلاتے جو خلاف قرآن ہو - دوم صحابہ مین اور ہم مین یہ فرق ہے کہ وہ حضرات تجارت بھی اعانت دین کیلیے کرتے تھے اور ہم حج کو بھی تجارت کیلیے کرلینگے ١٢ [2] مطلب یہ ہے کہ شان دکھلانیکو یا آرام طلبی کیلیے ایسا مت کرو باقی رفع تکلیف کیلیے مضائقہ نہین ١٢ مولانا اشرف علی صاحب

اپنے آقا کے دربار میں دور دراز جگہوں سے بالقصد زیارت کرنیکو جوق جوق ایسی حالت سے آئین کہ بال بکھرے ہوے ہون غبار آلودہ ہون شاہی ہیبت وجلال سے سراسیمہ وپریشان ننگے سر ننگے پاؤن مسکین ومحتاج بنے ہوئے ہون اسی مصلحت سے اس عبادت مین جسقدر بھی اعمال وارکان مقرر کیے گئے ہین وہ سب بعید از عقل ہین تاکہ ایسے اعمال کا ادا کرنا محض حق تعالی کے حکم کی تعمیل سمجھکر ہو اور کوئی طبعی خواہش یا عقلی حکمت کا اتباع اوسکا باعث نہو چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بار الہا ہم اپنی عبودیت وغلامی کا اظہار کرنیکو عبادتِ حقہ یعنی حج مین حاضر ہین۔ **دوسرا** مضمون یہ ہے کہ سفر حج کی وضع بالکل سفر آخرت کی سی ہے اور مقصود یہ ہے کہ حجاج کو اعمال حج ادا کرتے سے مرنیکا وقت اور مرنیکے بعد پیش آنیوالے واقعات یاد آجائین مثلاً شروع سفر مین بال بچون سے رخصت ہوتے وقت سکرات موت کیوقت اہل وعیال سے رخصت ہونیکو یاد کرو اور وطن سے باہر نکلتے وقت دنیا سے جدا ہونیکو اور سواری کے جانور پر سوار ہوتے وقت جنازہ کی چارپائی پر سوار ہونیکو یاد کرو۔ احرام کا سفید کپڑہ پہنتے وقت کفن مین لپٹنے کو اور پھر میقات حج تک پہونچنے مین جنگل وبیابان قطع کرتے وقت اُس دشوار گذار گھاٹی کے قطع کرنیکو یاد کرو جو دنیا سے باہر نکلکر میقاتِ قیامت تک عالم برزخ یعنی قبر مین تمکو کاٹنی ہے۔ رستہ مین رہزنون کے ہول وہراس کیوقت منکر ونکیر کے سوالات اور اس بیکسی مین ہول وہراس کا خیال کرو جنگلی درندون سے قبر کے سانپ بچھو کیڑون مکوڑون کو یاد کرو۔ اور میدان وجنگل مین عزیز واقارب سے علیحدہ تنہا رہجانیکے وقت قبر کی تنہائی اور وحشت کو یاد کرو اور جس وقت چیخ چیخ کر اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ پڑھو تو زندہ ہوتے اور قبرون سے اٹھنے کیوقت اُس جواب کو یاد کرو جو حق تعالی کی نداکیوقت میدان حشر مین حاضری کیلئے تم عرض کروگے غرض اسیطرح ہر عمل مین ایک عبرت اور معاملہ آخرت کی یاددہانی ہے جس سے ہر شخص جسقدر بھی ہمین قلب کی صفائی اور دین کی ضروریات کا خیال رکھنے کی وجہ سے استعداد ہوگی آگاہی حاصل کرسکتا ہے:-

ارکان حج کی تشریح وعبرت کا دوسرا راز

پانچوین اصل تلاوت قرآن مجید کا بیان

فضیلت تلاوت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "میری امت کیلئے سب سے بہتر عبادت کلام اللہ کی تلاوت ہے" حدیث قدسی مین آیا ہے حق تعالی فرماتا ہے کہ "جو بندہ قرآن شریف کی تلاوت مین مشغول رہکر دعا نہین مانگ سکا مین اسکو بے مانگے اتنا دونگا کہ مانگنے والون کو اتنا نہ دونگا"۔ تلاوت قرآن شریف کے ظاہری آداب تین ہین۔

تلاوت کا ظاہری پہلا ادب

اوّل یہ کہ تلاوت کرتے وقت دل مین بھی احترام ہو۔ اور چونکہ باطن تک اثر پہونچانے مین ظاہر کو بہت دخل ہے اسلیے جب ظاہری صورت احترام کی پیدا کیجائیگی تو قلب مین بھی احترام پیدا ہوجائیگا۔ اور ظاہری احترام کیصورت یہ ہے کہ وضو کرکے نہایت سکون کے ساتھ گردن جھکائے ہوئے قبلہ کیطرف منہ کرکے دوزانو اسطرح بیٹھو جسطرح استاد کے سامنے بیٹھتے ہین اور تجوید کیموافق حروف قرآنیہ کو مخارج سے نکالو اور ایک حرف کو دوسرے سے علیحدہ ٹھیر ٹھیر کر تلاوت کرو حضرت ابن عباس رض فرماتے ہین کہ اگر مین سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَا اور اَلْقَارِعَۃُ یعنی چھوٹی سورتین سوچ سوچ کر تلاوت کرون تو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہون

کہ سورہ بقرہ اور آل عمران فرفر پڑھ جاؤں دوم کبھی کبھی تلاوت کی فضیلت کا انتہائی درجہ حاصل کرنیکا بھی شوق
کیا کرو کہ تم آخرت کی تجارت کیلیئے دنیا مین آئے ہو لہٰذا جہان تک ممکن ہو زیادہ نفع کمانے کی کوشش کرو۔ یون تو
تلاوت کلام اللہ سے بیٹھے ہو یا لیٹے ہو باوضو ہو یا بےوضو اور خلوت مین ہو یا جلوت مین بہرحال نفع ہی نفع
ہے۔ مگر بڑا نفع اسمین ہے کہ شب کے وقت مسجد مین بحالت نماز پڑھو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین کہ جو شخص
نماز مین کھڑے ہو کر قرآن شریف پڑھیگا اُسکو ہر حرف کے بدلے سو نیکیان ملینگی۔ اور نماز مین بیٹھکر قرآن شریف
پڑھنے والے کو پچاس نیکیان۔ اور نماز کے علاوہ دوسری حالت مین باوضو تلاوت کرنیوالیکو پچیس اور بلاوضو تلاوت
پر دس نیکیان ملینگی۔" پھر دینی سوداگر بنکر زیادہ نفع کی حرص کیون نہ کیجائے۔ سوم تلاوت کی مقدار کا بھی لحاظ رکھو جسکا
ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مہینہ مین ایک مرتبہ کلام اللہ ختم ہو اور اعلیٰ درجہ تین دن مین ختم کرنا ہی کہ مہینہ بھر مین دس ختم ہون اور متوسط
درجہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ پورا قرآن شریف ختم کرلیا کرو۔ تین دن سے کم مین کلام مجید ختم کرنا مکروہ ہے کہ سمجھ نہ سکوگے اور بلا سمجھے
پڑھنا گستاخی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ جب تلاوت کلام اللہ نافع چیز ہے تو جسقدر بھی تلاوت زیادہ ہوگی اسیقدر نفع زیادہ ہوگا۔
یہ تمھارا قیاس غلط ہے۔ خدا کے بھید کا سمجھنا انبیاء علیہم السلام ہی کا کام ہے۔ پس جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما
چکے ہین کہ تین دن سے کم مین ختم مستحب نہین ہے تو تمکو حضرت کا اتباع لازم ہے اور اپنی رائے کو دخل دینا کم سمجھی اور جہالت ہے۔
دیکھو دوا بیمار کو نفع دیتی ہے لیکن اگر طبیب کی بتلائی ہوئی مقدار سے زیادہ دوگے تو مریض مریگا یا اچھا ہوگا؟
اسیطرح نماز حالانکہ عبادتون مین اصل ہے مگر وہ بھی طلوع و غروب اور استواء آفتاب کیوقت ناجائز اور
صبح اور عصر کے فرضون کے بعد مکروہ ہے۔ جب مرض کی دوا مین جسمانی طبیب کی بات بےچون وچرا مان لیجاتی ہی تو کیا وجہ ہے کہ
روحانی علاج اور روحانی طبیب کی بتلائی ہوئی دوا مین اسکی مقدار کا لحاظ نہ رکھا جائے اور اسکے بڑھانے مین عقل کو دخل دیکر
سوال کیاجائے کہ تین دن سے کم مین ختم کرنا کیون ناجائز ہے؟ تلاوتِ کلام اللہ کے باطنی آداب پانچ ہین اول جسطرح حق تعالے
کی عظمت وجلال دل مین ہے اسیطرح اسکے کلام کی بھی عظمت قلب مین ہونی چاہیے۔ مثلاً جب اللہ کی گوناگون مخلوقات
یعنی عرش وکرسی لوح و قلم آسمان وزمین حیوان وانسان جنات اور نباتات وجمادات کا تصور کروگے تو ضرور خیال ہوگا کہ
اس عالم کا پیدا کرنیوالا وحدہ لاشریک اور ایسا مدبر ہے کہ اسکی قدرت کی کوئی انتہا نہین۔ تمام عالم کی بقا اُسیکے
فضل وکرم پر موقوف ہے پھر ایسے شہنشاہ عالیشان کے فرمان واجب الاذعان یعنی قرآن مجید کی کیا وقعت وعظمت
ہونی چاہیئے؟ جس طرح اسکے الفاظ کو ہاتھ لگانیکے لیئے طہارت بدنی اور وضو کی ضرورت ہے اسیطرح اسکے معانی کو
دل مین لانیکے لیئے قلب کی طہارت اور تمام اخلاقِ رذیلہ سے پاکی لازم ہے۔ پس جو قلب باطنی گندگی اور نفسانی نجاست

دوسرا ادب

تیسرا ادب اور تین دن سے کم میں ختم کی کراہت کا راز

تلاوت کلام اللہ کے باطنی آداب

سلہ فرفر پڑھنے کیوجہ سے الفاظ بھی سمجھ مین نہ آئینگے اور اسکا بےادبی ہونا ظاہر ہے۔ باقی اگر کوئی شخص معنی نہ سمجھے اور صرف الفاظ قرآن
بھی صحیح اور صاف ادا کرے تو یہ اجر وثواب سے خالی نہین ۱۲ مترجم ۵ یعنی نفل اور سنت پڑھنا مکروہ ہے ۱۲ مولانا تھانوی مدظلہ

مین آلودہ ہے وہ اس محترم شاہی فرمان کے حقائق کو کیسے سمجھیگا؟ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب قرآن شریف کھولتے تو اکثر بیہوش ہوجاتے اور فرماتے کہ "یہ میرے پروردگار جل جلالہٗ کا کلام ہے۔ یہ میرے پروردگار جل جلالہٗ کا کلام ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ اسنے اپنے باعظمت کلام قدیم کے انوار و تجلیات کو حروف کے لباس مین چھپا کر تمھارے حوالے کیا ہے۔ ورنہ اسکی نورانی شعاعون کا کوئی بشر متحمل نہو سکتا۔ دیکھلو کہ طور جیسا پہاڑ بھی کلام الٰہی کی تجلیات کا تحمل نہ کرسکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اگر اللہ پاک موسےٰ علیہ السلام کو نہ سنبھال لیتے تو انمین بھی حروف اور آواز کے لباس سے مجرد کلام الٰہی کے سننے کی طاقت نہ تھی **دوم** اگر قرآن شریف کے معنی سمجھ سکتے ہو تو کوئی آیت بھی بلا سمجھے تلاوت نہ کرو کہ ترتیل جسکا قرآن مین حکم ہے تدبر یعنی غور و فکر اور سمجھے سوچنے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین کہ اس تلاوت ہی سے کیا نفع جسمین سمجھنے سے واسطہ نہو؟ ختم قرآن کی تعداد بڑھانیکا خیال مت کرو کہ چاہے سمجھو یا نہ سمجھو مگر نام ہوجائے کہ اتنے قرآن شریف ختم کئے۔ یاد رکھو کہ سوچ سمجھکر ایک ہی آیت کو رات بھر پڑھتے جاؤ گے تو یہ پچاس قرآن ختم کرنیسے بہتر ہوگا۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بیس[۲۰] مرتبہ دوہرایا ہے۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ ایک شب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا اور وہ آیت یہ تھی اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ[۱] حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ آیت اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ الخ[۲] ہی کو تمام شب بار بار پڑھتے رہے اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے آیت وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ[۳] ہی کو بار بار پڑھنے مین تمام رات ختم کردی۔ ایک عارف کا قول ہے کہ مین ہر ہفتہ مین ایک ختم پڑھتا ہون اور ایک ختم ہر مہینہ مین اور ایک ختم ایسا ہے جو سال بھر مین پورا ہوتا ہے اور ایک تلاوت تین سال سے شروع کر رکھی ہے مگر اب تک کلام مجید پورا نہین ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہ فرق فکر و فہم اور غور و تدبر ہی سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کا دل ہر وقت یکسان نہین رہتا اور نہ ہمیشہ مساوی درجہ کے غور و فکر کا عادی ہوتا ہے اسلئے اگر صحت کیساتھ ایک ختم علیحدہ طور پر تم بھی ایسا شروع کرو جسمین سوچ سمجھکر تلاوت کیجائے اور صرف اسیوقت پڑھا جائے جبکہ قلب فارغ ہوا اور فکر و خوض کرسکے اور معنی اچھی طرح سمجھ سکے تو بہت اچھا ہے کہ اس صورت مین تلاوت کے معمول مین بھی فرق نہ آئیگا اور یہ فضیلت کا درجہ بھی حاصل ہوجائیگا **سوم** اس فہم و تدبر کی حالت مذکورہ مین معرفت الٰہی کی گوناگون شاخون سے پھل اور پھول بھی چنتے رہو کہ ہر پھل کیلئے جدا شاخ اور ہر جوہر کیلئے جدا معدن ہے۔ جہان موتی پیدا ہوتے ہین وہان تریاق کا تلاش کرنا فضول ہے اور جہان مُشک و عود دستیاب ہوتا ہو وہان موتیونکی جستجو بے فائدہ ہے اسیطرح قرآن شریف کی آیتون مین جس قسم کا تذکرہ ہو اسی قسم کا عرفان حاصل کرنا چاہیے مثلاً جہان اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات یا افعال کا تذکرہ فرمایا ہے وہان سے حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کی معرفت حاصل کرو

---

[۱] یا اللہ اگر تو انکو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہین اور اگر بخش دے تو بیشک تو زبردست اور حکمت والا ہے ۱۲ [۲] کیا گناہ کرنے والون کا گمان یہ ہے کہ ہم انکو نیکوکارون کے مساوی بنادینگے؟ [۳] اور علیحدہ ہوجاؤ آج اے مجرمو ۱۲ منہ

کلام الٰہی کے بلباس الفاظ مستور ہونیکی حکمت

تلاوت مین ترتیل اور معنی کا فہم اور تدبر

ہر آیت سے اسکے خاص مفہوم ہی کی معرفت حاصل ہوگی

جس جگہ راہِ مستقیم کی تعلیم مذکور ہے وہان رحمت وکرم اور فضل وحکمت کی معرفت حاصل کرو اور جہان کافرونکے ہلاک کرنیکا بیان ہے اُسجگہ سے حق تعالیٰ کی بے نیازی اور غلبہ وقہر کی صفت معلوم کرو اور جن آیتون مین انبیاء علیہم السلام کے تذکرے ہین وہان سے اللہ پاک کے لطف واحسان کا علم حاصل کرو۔ غرض جیسا موقع ویسا عرفان چہارم قرآن کا مطالب سمجھنے سے جو امور مانع ہین انکو جہان تک ہوسکے دفع کرو۔ کیونکہ ضعیف الایمان بندونکے لئے تو خواہشات نفسانی اور وساوس شیطانی حجاب بنجاتے ہین کہ اُنکے نفوس دُنیوی تعلقات سے وابستہ اور انکے قلوب شکوک وشبہات مین ملوث ہوتے ہین اور یہی قلب کے وہ پردے ہین جنکے سبب قرآن پاک کی باریکیان سمجھ مین نہین آسکتین لہذا انکے اُٹھانیکی کوشش کرو۔ اور جن لوگون کا ایمان قوی ہوجاتا ہے کہ خدا کی محبت اُنکے قلب مین پیدا ہوجاتی ہے اور انکو طاعت مین لذت آنے لگتی ہے اُنپر بھی قلبی وسوسے[ف] اپنا اثر کرتے ہین۔ مثلاً نماز کی حالت مین اُنکا دل اسطرف متوجہ ہوجاتا ہے کہ ہماری نیت کیسی ہے؟ اور جو خلوص شروع نماز کیوقت تھا وہ اب بھی قائم ہے یا نہین؟ یا مثلاً حروف کے مخارج سے ادا ہونے مین شُبہ پڑتا ہے اور آیت کو اس نیّت سے بار بار دُہراتے ہین کہ ہر حرف اپنے صحیح اور اصل مخرج سے ادا ہو۔ حالانکہ قلب کے لئے یہ بھی حجاب ہے۔ کیونکہ حروف اور الفاظ کی دُرستی کے پیچھے پڑجانا اور مخارج حروف یعنی دانتون ہونٹون تالو اور حلق کیطرف مشغول ہونا کہ یہ حرف کہان سے نکلا اور ٹھیک نکلا یا نہین نکلا؟ اُنکا کام نہین ہے جنکو عالم علوی کی سیر سیاحت اور ملکوتی اُمور کا مشاہدہ کرنا مقصود ہے پنجم آیات کلام الٰہی سے صرف تجلیات اور معرفت ہی کے حاصل کرنے پر اکتفا نکرو بلکہ اسکے ساتھ حالت اور اثر بھی ظاہر ہونا چاہئے۔ مثلاً اگر وہ آیت پڑھو جسمین رحمت کا ذکر اور مغفرت کا وعدہ ہے تو جسم پر خوشی ومسرت پیدا ہو۔ اور جہان غضب وغصّہ اور عذابِ الٰہی کا تذکرہ ہو تو تمھارا بدن لرز اُٹھے اور حقتعالیٰ کا نام آوے یا اسکی عظمت وجلال کا ذکر ہو تو جُھک جاؤ اور ذلّت اختیار کرو کہ گویا جلال خداوندی کے مشاہدہ سے نیست ونابود ہوئے جاتے ہو۔ اور اگر کافرونکی اُن خرافات کا بیان ہو جو انہون نے حق تعالیٰ پر بہتان باندھے ہین۔ مثلاً مخلوق مین سے کسیکو نعوذ باللہ خدا کا بیٹا یا بیٹی یا بیوی بنایا ہے تو اسکی نقل سے بھی شرماؤ اور ایسی آیت کی تلاوت مین اپنی آواز کو پست کردو کہ گویا انکے الفاظ کا اپنی زبان پر لانا بھی گران گذرتا ہے غرض جس آیت مین جیسا مضمون ہو اسکے مطابق ایک خاص حالت پیدا اور جسم پر وہی اثر ظاہر ہونا چاہئے کہ خوف کے وقت آنکھون سے آنسو بہنے لگین اور شرم کیوقت پیشانی پر پسینہ آجائے اور ہیبت کیوقت رونگٹے کھڑے ہوجائین کپکپی چھوٹے اور مژدہ بشارت کیوقت آواز وزبان اور تمام اعضا مین انبساط وبشاشت پیدا ہوجائے۔

اختیاری وسوسے اور انکے مراتب

معرفت کیساتھ حالت واثر بھی پیدا کرنا چاہئے

چھٹی اصل ہر وقت ذکر الٰہی کا بیان

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتا ہے "اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ فلاح پاؤ" اور حدیث مین آیا ہے کہ "اللہ کا ذکر جہاد اور صدقات وخیرات سب سے افضل ہے" اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے بہتر کوئی عمل نہین ذکر الٰہی کیلئے ایک منتر ہی اور ترین

[ف] جنکو قصداً دل مین جگہ دیجاتی ہے ۱۲ مولنا تھانوی مدظلہ۔

ذکر الٰہی کے پوست اور مغز

پوست ہیں مگر مغز تو مقصود بالذات ہے اور پوست اسلیے مقصود و محبوب ہیں کہ وہ مغز تک پہونچنے کے وسائل و اسباب ہیں۔ **پہلا پوست** صرف زبان سے ذکر کرنا ہے اور **دوسرا پوست** قلب سے ذکر کرنا اور جبراً بتکلف اسکا خوگر ہونا ہے۔ یاد رکھو کہ قلب کو اپنی حالت پر چھوڑنا نہ چاہیے کیونکہ اُسکو تفکرات و تخیلات میں پڑنے سے پریشانی ہوتی ہے۔ لہذا مناسب ہے کہ اسکی مرغوب شئے یعنی ذکر الٰہی اُسکے حوالہ کردیجائے تاکہ اسکو اطمینان حاصل ہو۔ **تیسرا پوست** یہ ہے کہ ذکر الٰہی قلب میں جگہ کرلے اور ایسا گھر جائے کہ اسکا چھڑانا دشوار ہوجائے۔ یعنی دوسرے درجہ میں جس طرح قلب کو ذکر کی عادت ڈالنا دشوار ہوتا تھا اِس تیسرے درجہ میں قلب سے ذکر اللہ کی عادت کا چھڑانا اُس سے زیادہ دشوار ہوجائے۔ **چوتھا درجہ** جو مغز اور مقصود بالذات ہے وہ یہ ہے کہ قلب میں ذکر کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے بلکہ مذکور یعنی حق تعالیٰ کی ذات ہی ذات رہجائے۔ کہ نہ قلب کیطرف توجہ رہے نہ ذکر کیجانب التفات اور نہ اپنی خبر ہو نہ کسی دوسرے کی خبر۔ غرض ذاتِ بحت میں استغراق ہوجائے کہ اسی حالت کا نام فنا ہے اور اس حالت پر پہونچکر بندہ کو نہ اپنے ظاہری حس و حرکت کا علم ہوتا ہے اور نہ باطنی عوارض کا یہانتک کہ اپنے فنا ہوجانیکا بھی علم نہیں رہتا کہ فنائیت بھی تو خدا کے سوا دوسری ہی چیز ہے اور غیر اللہ کا خیال میل کچیل اور کدورت ہے پس فنا کا علم بھی اس درجہ میں پہونچکر کدورت اور بُعد ہوا۔ یہی وہ حالت ہے جسمیں اپنے وجود کے فنا کیساتھ خود فنا سے بھی فنائیت ہوتی ہے۔ ایسی محویت سمجھ میں آنی مُشکل ہے بلکہ بظاہر ناممکن اور دعوے بلا دلیل معلوم ہوگا۔ لیکن اگر تمکو کسی حسین صورت پر عاشق ہونے یا کسی عاشقِ صادق کے کبھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا تو اس حالت کو کبھی دشوار نہ سمجھو گے۔ کیا حُسن پرست فریفتہ انسان اپنی معشوقہ کے فکر اور خیال میں ایسے محو و مستغرق اور بیخبر و بیخود نہیں ہوجاتے کہ بسا اوقات زبان سے کوئی بات کرتے ہیں اور اسکو خود بھی نہیں سمجھتے۔ پاؤں ڈالتے کہیں ہیں اور پڑتا کہیں ہے انکے سامنے سے آدمی گذرجاتا ہے۔ مگر باوجود آنکھیں کھلی ہونیکے وہ انکو نظر نہیں آتا۔ دوسرا شخص انسے بات کرتا ہے مگر وہ سُنتے بھی نہیں۔ اگر اُن سے پُوچھا جائے کہ کیوں صاحب کیا دیکھا اور کیا سُنا؟ تو وہ کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے پس معلوم ہوا کہ انکو ایسی محویت ہوگئی کہ اپنی محویت کا بھی انکو علم نہیں رہا اور دیوانے بنگئے اور ایسے دیوانے بنے کہ اپنی دیوانگی کی بھی خبر نہیں رہی۔ مجنون ہوگئے اور اپنے جنون کی بھی اطلاع نہیں۔ یہ سب اُسی معشوقہ مطلوبہ محبوبہ کے خیال میں مستغرق ہوجانے کا اثر ہے۔ اسکو بھی جانے دیجیے اِس سے بھی آسان طریقہ سے فنا کی فنائیت سمجھ میں آسکتی ہے دیکھو تمکو اپنی آبرو اور مال کے ساتھ محبت ہے پس اگر خدانخواستہ کسی دشمن کیطرف سے تمھارے مال یا آبرو پر حملہ ہو تو اسکے غُصّہ اور طیش میں جو کچھ تمھاری حالت ہوگی اسپر غور کرو کہ وہ کیسی بیخودی کیحالت ہے۔ ظاہر ہے کہ غیظ و غضب میں نہ تمکو اپنی خبر رہتی ہے اور نہ دوسرے کی۔ اور تم ایسے بیخود ہوجاتے ہو کہ اسوقت اپنی بیخودی کا بھی تمکو حس نہیں ہوتا۔ پھر بھلا اگر کوئی بندہ اپنے مولٰی کے خیال میں ایسا محو ہوجائے کہ خود فنا سے فنا اور بیخود ہوجائے تو کیا تعجب ہے؟ سمجھانیکی غرض سے یہ مثالیں ہمنے بیان کردی ہیں ورنہ اصل فنائیت اور فناء الفنا کی اصل حقیقت اسیوقت معلوم کرسکوگے جبکہ اللہ کے فضل سے

فنا اور فناء الفنا کی ماہیت اور تمثیل سے اسکا سمجھانا

ساتوین اصل طلب حلال کا بیان

حلال معاش کی طلب فرض ہے

جہان کہین عبادت کا حکم ہوا ہے اسکے ساتھ ہی اکل حلال کا بھی حکم ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "پاک چیز کھایا کرو اور نیک کام کیا کرو" جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "ایمان لانے اور نماز پڑھنے کی فرضیت کے بعد رزقِ حلال کی تلاش فرض ہے" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین "اگر تم نمازین پڑھتے پڑھتے کمان کیطرح جھک جاؤ اور روزے رکھتے رکھتے تانت کیطرح دُبلے بھی ہوجاؤ تو بغیر تقویٰ اختیار کئے اور مالِ حرام سے بچے کچھ بھی قبول نہوگا" رزق حرام کھاکر عبادت کرنا ایسا بیکار ہے جیسے گوبر پر مکان کا تعمیر کرنا۔ یاد رکھو کہ رزق حلال کو قلب کی نورانیت مین بڑا اثر ہے۔ لہذا مال حرام سے بچنا اور تقوے اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔ تقویٰ کے چار درجے ہین۔

تقوے کے درجات

پہلا درجہ جن چیزون یا جس مال کی حُرمت پر علمائے دین اور فقہائے شریعت کا فتوے ہے انکا استعمال نکرو کہ انکے استعمال سے آدمی فاسق بنجاتا اور عدل و ثقاہت جاتی رہتی ہے۔ یہ تو عام مومنین کا تقویٰ کہلاتا ہے۔ **دوسرا درجہ** صلحاء کا تقویٰ ہے یعنی مُشتبہ چیز سے بھی پرہیز کرنا۔ کیونکہ علماء شریعت نے ظاہری حالت دیکھکر اگرچہ مُشتبہ کو حلال کہدیا ہے مگر چونکہ اسمین حُرمت کا احتمال ہے اور اسیوجہ سے وہ شے مُشتبہ کہلاتی ہے لہذا صلحاء اسکو بھی استعمال نہین کرتے۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "جس مین شُبہ ہو اُسکو چھوڑکر وہ اختیار کرو جسمین کچھ بھی شُبہ نہو۔ **تیسرا درجہ**۔ اتقیا کا تقویٰ ہے۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "مسلمان جبتک خطرہ والی چیزون مین مُبتلا ہونیکے اندیشہ سے بے خطرہ چیزونکو بھی ترک نکردیگا اُسوقت تک اتقیا کے درجہ کو ہرگز نہ پہونچیگا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ "حرام کے مرتکب ہوجانیکے اندیشہ سے ہم حلال کے بھی دس حصون مین سے ۹ حصہ ترک کردیتے ہین" اسی بنا پر اللہ کے پرہیزگار بندے جب سَو روپیہ کے مستحق ہوتے ہین تو ایک کم سَو لیتے ہین اور جب دوسرے کا حق دیتے ہین تو ایک حبہ زیادہ[1] دیتے ہین اور جب اپنا حق لیتے ہین تو ایک حبہ کم لیتے ہین۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے کہ بیت المال کا مُشک انکے پاس آتا تو اپنی ناک بند کرلیتے اور فرماتے کہ اسکی خوشبو سونگھنا بھی تو اسکا استعمال ہی کرنا ہے لہذا بیت المال کے مُشک کی خوشبو کو مین سونگھنا نہین چاہتا۔ مزہ دار حلال چیزونکے کھانے اور جائز زینت اور آراستگی سے پرہیز کرنیکی بھی یہی وجہ ہے کہ زبان کو مزہ لگنا اچھا نہین کہ آج حلال کا مزا پڑا ہے تو کل کو حرام کی لذت حاصل کرنیکا شوق ہوجائیگا۔ قرآن شریف مین کافرون کی کثرتِ مال و متاع اور دُنیا دارونکے جاہ و حشم کی جانب نظر کرنیکی جو ممانعت آئی ہے وہ بھی اسی لئے آئی ہے کہ اس چکنے مال سے ایمان کی شیرینی کم ہوجائیگی۔ اسلئے کہ دُنیا کے مال و متاع کی رغبت اور محبت سے قلب مین ایمان کی محبت نہین رہا کرتی۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جسکا کپڑا پتلا اُسکا ایمان بھی پتلا" غرض اتقیا کے نزدیک وہی مال حلال اور قابلِ استعمال ہے جسمین نہ بالفعل کسی قسم کا شُبہ ہو اور نہ آیندہ کسی آفت کا خطرہ یا احتمال ہو۔ **چوتھا درجہ** صدیقین کا تقویٰ ہے کہ جس چیز کے کھانیسے عبادت اور طاعت پر

جائز زینت اور مباح لذت سے بھی پرہیز کرنا اولیٰ ہے

[1] یہ زیادتی سُود نہین ہے اسلئے کہ شرط قرار نہین دیگئی تھی بلکہ تبرع اور احسان ہے کہ بلا استحقاق دوسرے کیساتھ سلوک کیا ۱۲ مترجم

قوت حاصل ہوا اس سے پرہیز کرے۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انہون نے دوا پی تو انکی بیوی نے کہا کہ چند قدم ٹہل لیجئے انہون نے جوابدیا کہ فضول و عبث حرکت جائز نہیں ہے اور مین اپنے نفس سے تمام حرکات و سکنات کا محاسبہ کیا کرتا ہون تو اس ٹہل قدمی کو کس حساب مین شمار کرونگا"۔ اسیطرح جس شے کے اپنے نفس تک پہونچنے کے وسائل مین سے کسی ایک سبب کے اندر بھی کچھ معصیت کا دخل ہوا اس سے بھی پرہیز کرنا اس درجہ مین ضروری ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ ایک مرتبہ جیل خانہ

صدیقین کا تقوےٰ اور احتیاط کے قصے

مین قید تھے۔ کسی دیندار عورت نے انکو بھوکا پاکر اپنی حلال معاش مین سے کچھ کھانا پکایا اور داروغہ جیل کے ہاتھ ان تک پہونچایا مگر شیخ نے قبول نہ کیا اور یہ کہکر اسکو واپس کر دیا کہ کھانا اگرچہ حلال ہے لیکن طباق نجس ہے"۔ طباق سے مراد جیلخانہ کے داروغہ کا ہاتھ تھا کہ وہ ظالم ہے اور ظالم کا واسطہ پڑنیکی وجہ سے کھانا اس قابل نہ رہا کہ مین اسکو کھالون حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ شہر ونکی ان نہرون کا پانی بھی نہ پیتے تھے جنکو غیر محتاط اور ظلم پسند بادشاہون نے کھدوایا تھا۔ ایک بزرگ کا غلام کسی فاسق شخص کے گھر سے چراغ روشن کر لایا تو انہون نے بجھادیا اور فرمایا کہ حق تعالیٰ کے نافرمان بندہ کے چراغ سے روشن کیے ہوئے چراغ کی روشنی نفع اٹھانیکے لائق نہیں ہے۔ غرض قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ کے پورے عامل یہی لوگ تھے کہ انہون نے کبھی کسی ایسی چیز کا استعمال نہیں کیا جو اللہ واسطے نہ تھی۔ یہ درجہ حاصل کرنا چونکہ آسان نہیں اس لئے تقہ مسلمانون کا تقوےٰ ضرور حاصل کرو کہ ان چیزونکے پاس نہ پھٹکو جنکی حرمت پر علمائے دین کا فتویٰ ہو چکا ہے۔

شرعی حیلون کا صحیح مطلب اور ان سے احتیاط کی ضرورت

اور اسکے ساتھ دو باتون کا اور بھی خیال رکھو۔ پہلی بات یہ کہ بعض فقہاء نے مسائل شرعیہ کے متعلق جو حیلے بیان کئے ہین انکی جانب التفات نکرو۔ مثلاً یہ حیلہ کہ سال ختم ہونیسے پہلے اپنا تمام مال اپنی بیوی کے نام اور بیوی کا سارا مال اپنے نام منتقل کر لیا تو مملوکہ مال چونکہ پورے سال ملک مین نہیں رہا اسلئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔ اس قسم کا حیلہ تم کبھی اختیار نکرنا۔ بات یہ ہے کہ فقہاء شریعت کا کام چونکہ دنیوی انتظام و سیاست ہے اسلئے اس حیلہ کی صورت مین زکوٰۃ ساقط ہونیکا فتوے دینے سے انکی مراد یہ ہے کہ دنیا کا منتظم اور حاکم وقت سلطان اسی مسلمان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کریگا جسکا مال پورے سال بھر تک اسکے قبضہ مالکانہ مین دیکھ لیگا اور اس حیلہ کرنیوالے متمول مسلمان کے پاس سلطانی محصل تحصیل زکوٰۃ کے لئے نہیں آئیگا۔ کیونکہ جتنی بات بندونکے دیکھنے کے متعلق تھی یعنی مالکانہ قبضہ وہ ختم سال سے قبل بیوی کے نام مال کے منتقل ہو جانیکی وجہ سے جاتا رہا مگر تمکو چونکہ معاملہ اپنے پروردگار سے رکھنا ہے اور وہ دلونکے حالات سے واقف ہے اسلئے یہ مکر و فریب آخرت مین کام نہ آئیگا۔ تمہین معلوم ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ سے مقصود بخل کی بدعادت کا دور کرنا ہے اور جب زکوٰۃ تک سے بچنے کے حیلے کرنے لگوگے تو بخل کہان دور ہوا بلکہ بخل کو تو سر چڑھاکر اپنا امام اور پیشوا بنالیا اور اسکا یہان تک کہنا مانا کہ اس مخل کو نجات دہندہ اور خدا کے سامنے سرخرو کردینے والا سمجھ بیٹھے۔ تو اس صورت مین زکوٰۃ کا مقصود بالکل حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو مصلحت اسمین رکھی تھی اسکی جانب سے توجہ ہٹاکر برعکس معاملہ کیا کہ بخل کو دور کرنیکی جگہ اسمین اور زیادہ ترقی کرلی۔ یا مثلاً بعض مسلمان اپنی بیوی کو اسغرض سے تکلیف مین رکھتے ہین کہ وہ تنگ آکر اپنا مہر معاف کردے

لہ اے محمدؐ کہو اللہ اور پھر سبکو چھوڑدو ۱۲

رضاء نفس اور رضاء قلب کا لطیف فرق

اور جب وہ بیچاری مصیبت سے گھبرا کر زبان سے معافی کا لفظ نکال دیتی ہے تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اسکو حلال سمجھتے ہیں بھلا ایسا مال شوہر کو کیونکر حلال ہو سکتا ہے جبکہ حق تعالیٰ نے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ فرمایا ہے کہ "وہ مہر جو عورتیں برضاء نفس معاف کردیں تمہارے لیئے حلال ہے" اب تم ہی بتاؤ کہ جس مہر کی معافی برے برتاؤ اور ایذارسانی سے ہوئی ہے کیا وہ بخوشی خاطر سمجھی جائیگی؟ یاد رکھو کہ رضائے قلب دوسری شے ہے اور رضائے نفس دوسری چیز۔ مثلاً پچھنے لگوانے۔ تلخ دوا پینی۔ فصد کھلوانی۔ پھوڑے پھنسی میں شگاف لگوانا۔ یہ سب تکلیفیں ایسی ہیں کہ انکو قلب تو پسند کرتا ہے مگر نفس پسند نہیں کرتا اسلیئے کہ نفس تو اسی بات کو پسند کرتا ہے جسمیں بالفعل لذت حاصل ہو۔ ہاں قلب اس چیز کو پسند کرتا ہے جسمیں اسوقت اگرچہ تکلیف ہو مگر آیندہ نفع کی امید ہو۔ کیونکہ نفس کا یہ کام نہیں کہ بعد میں آنیوالی راحت کے خیال سے اسوقت تکلیف گوارا کرے پس اگر بیوی نے تکالیف سے تنگ آکر اور خاوند کی ایذاؤں سے گھبرا کر اپنی آیندہ مصلحت اور باقیماندہ عمر کی آسائش کے خیال سے دوائے تلخ کیطرح دین مہر کی معافی گوارا بھی کرلی تو اسکا نام رضائے قلب ہے۔ لیکن رضائے نفس اور دین مہر کے حلال ہونے میں اعتبار رضائے نفس کا ہی جیسا کہ اوپر کی آیت سے معلوم ہوا نہ کہ رضائے قلب کا۔ پس اگر اس ضرار کے حیلہ سے حکومت وسلطنت دنیوی میں کوئی شخص تقاضا کرنیوالا نہیں ہے تو کیا خدا کے سامنے بھی اسکی بدولت سُرخرو ہو جاؤ گے؟ احکم الحاکمین کو کیا جواب دو گے جبکہ رضائے قلب اور رضائے نفس کی بحث پیش ہوگی اور پوچھا جائیگا کہ ہماری اجازت کے خلاف حیلہ جوئی سے ایک بیکس اور ضعیفہ کا حق تمنے کیوں ہضم کیا؟

مجمع میں سوال کرنیکی قباحت اور ظاہری بزرگی بنا کر دنیا کمانیکا حیلہ ناجائز ہے

اسیطرح کسیکے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ کہ بھیک مانگنا بُری بات ہے۔ اور اگر سخت ضرورت کیوقت سوال کرنیکی نوبت آئے تو اسکا ضرور خیال رکھو کہ مجمع میں سوال نکرو کہ اکثر ایسی حالت میں دینے والا شخص جو کچھ بھی تمکو دیگا وہ مجمع میں اپنی ذلت و رسوائی اور ہم چشموں میں سُبکی کے خیال سے دیگا۔ اور اسکو بخوشی خاطر دینا نہیں کہتے۔ پس ایسا دیا ہوا مال استعمال کے قابل نہیں کیونکہ کسیکے بدن پر چابک مار کر لینا یا کسیکے دلپر شرم اور دباؤ کا کوڑا مار کر لینا دونوں برابر ہیں۔ نیز اپنے دین کو ذریعہ کسب نہ بناؤ۔ مثلاً صلحاء فقراء کی سی صورت بنالے لگو کہ لوگ تمہیں بزرگ سمجھکر کچھ دینگے حالانکہ تم بالکل کورے ہو اور تمہارا دل گندگی سے آلودہ ہے۔ یاد رکھو کہ دوسرے کا دیا ہوا مال تمہیں اُسوقت حلال ہے جبکہ تمہاری کوئی چھپی ہوئی حالت ایسی نہو کہ اگر دینے والا اُس سے آگاہ ہو جائے تو ہرگز نہ دے پس معلوم ہو گیا کہ اگر تمنے صورت بزرگوں کی سی بنائی اور تمہارے دل میں خواہشات نفسانی کا ہجوم ہے اور ظاہر ہے کہ دینے والے نے جو کچھ تمکو دیا ہے وہ صرف تمہاری ظاہری صورت دیکھکر دیا ہے کہ اسکو تمہاری باطنی گندگی کی بالکل خبر نہیں ہے تو اگرچہ علماء شریعت جو ظاہری انتظام کے متکفل ہیں اس مال کو حلال بتلا دینگے مگر صاحب البصیرت ضرور حرام کہیگا اور اسکو استعمال میں لانیکی ہرگز اجازت ندیگا۔

فتوے کے علاوہ دل سے بھی فتوے لیا کرو

دوسری بات جسکا خیال رکھنا ضروری ہے۔ یہ ہے کہ علماء کے فتوے پر اکتفا نہ کیا کرو بلکہ اپنے قلب سے بھی پوچھا کرو کہ ہر معاملہ میں وہ کیا کہتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "تم اپنے دلوں سے بھی فتوے لیا کرو اگرچہ

مفتی فتوے دیچکین"۔ بات یہ ہے کہ گناہ مسلمان کے دلمین ضرور چبھا کرتا ہے کیونکہ جو چیز ضرر پہونچانیوالی ہوگی وہ دلمین کھٹکے بغیر نہ رہیگی پس جو شے درحقیقت حرام ہوگی یا جو کام فی الواقع گناہ ہوگا اسکو تمھارا دل بے کھٹکے ہرگز قبول نکریگا اور ہر چیز کی اصلیت دل کے فتوے سے معلوم ہوجایا کریگی۔

فصل نفس پر زیادہ تشدد بھی نکرو کہ مثلاً کہنے لگو ایسا مال کہاں ہے جو مشتبہ بھی نہوا ور کسی ظالم یا فاسق کے ہاتھ مین بھی ہوکر نہ آیا ہو؟ اور جب ایسا مال نہین مل سکتا تو یا تو انسان جوگی بنکر گھاس پات کھانے پر قناعت کرے اور ایسا نکرسکے تو بیباک ہوکر جو چاہے کھائے پئے۔ ایسا خیال کرنا گمراہی ہے، بات یہ ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے" اور انکے بین بین کی چیزین مشتبہ کہلاتی ہین۔ مگر تمکو صرف اتنی تکلیف دیگئی ہے کہ جو مال شرعاً حلال ہو اور اسکے حرام ونجس ہونیکا کوئی ظاہری سبب تمکو معلوم نہین ہے اسکو حلال سمجھکر کھاؤ پیو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مشرک کے مشکیزہ سے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عیسائی عورت کے گھڑے سے وضو کیا ہے اور اگر پیاس ہوتی تو پی بھی لیتے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ خواہ مخواہ وہم کرنا کہ خدا جانے یہ پانی پاک ہے یا ناپاک جائز نہین ہے۔ پس جب پانی کے ناپاک ہونیکی ظاہر اکوئی وجہ تمکو معلوم نہین ہے تو اسکو پاک ہی سمجھنا چاہیے۔ اسیطرح جو حلال شے کسی ایسے آدمی کے ہاتھ مین پاؤ جسکا حال تمکو معلوم نہو تو اسکو پاک سمجھو اور مسلمانونکے ساتھ حسن ظن رکھو اور یہ سمجھکر کہ مسلمانونکے پاس جو کچھ مال ہے حلال اور پاک ہی کمائی کا ہوگا اسکی دعوت بھی قبول کرلیا کرو خصوصاً جبکہ مسلمان صالح اور دیندار ہو ہاں البتہ ظالم بادشاہ یا سودخوار یا شراب بیچنے والے شخص کا مال جبتک نہ پوچھ لو کہ کس حلال طریقہ سے کمایا ہے اسکو حلال نہ سمجھو پس اگر تحقیق کے بعد معلوم ہوجائے کہ سود یا ظلم کی کمائی اور شراب کی قیمت نہین ہے تو اسکا لے لینا بھی حرام نہین ہے۔ اور اگر کسیکے پاس غالب حصہ حلال آمدنی کا ہے اور کم حصہ حرام کا تو اسکا کھانا بھی حلال ہے۔ البتہ اگر نہ کھاؤ تو تقوی ہے۔ حضرت شیخ ابن المبارک کے کارندہ متعینہ بصرہ نے بذریعہ خط ان سے دریافت کیا تھا کہ جو شخص ظالم بادشاہ سے دادوستد رکھتا ہو مجھے اس سے لین دین کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہین؟ تو شیخ نے لکھا کہ اگر اس شخص کا اسکے علاوہ اور بھی کوئی ذریعہ کسب ہو تو اس سے معاملہ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز۔ غرض دنیا مین چھ قسم کے آدمی ہین اور ہر ایک کے ساتھ معاملہ کا جدا حکم ہے جسکو ہم نمبروار بیان کرتے ہین۔

پہلی قسم۔ وہ آدمی جنکے صورت کسب اور دینداری اور بددینی کا حال کچھ معلوم نہین ہے ایسے لوگونکا دیا ہوا مال حلال ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری نہین۔ البتہ اگر احتیاط کے خیال سے نہ کھایا جائے تو تقویٰ مین داخل ہے **دوسری قسم** وہ صلحا جنکی دینداری کھلی ہوئی اور کمائی کا مشروع طریقہ ظاہر ہے۔ انکے مال مین شبہ کرنا وسوسۂ شیطانی ہے بلکہ اگر انکو اسکے پرہیز کرنیسے رنج ہو تو ایسا تقویٰ بھی حرام اور معصیت ہے۔ **تیسری قسم** وہ لوگ جنکا سارا مال یا نصف سے زیادہ مال ظلماً یا سود یا شراب کی بیع وشرا سے حاصل ہوا ہے انکا دیا ہوا مال یقیناً حرام ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ **چوتھی قسم** وہ لوگ جنکا نصف سے کم مال حرام ذریعہ سے کمایا ہوا ہے اور یہ نہین معلوم کہ یہ ہے کہ زیادہ مقدار کسب حلال ہی کی ہے۔ مثلاً دو ذریعہ تو

نفس کو تشدد سے بچانا چاہئے

علماء کی تحقیق ہونے پر اصل پر عمل کرنا چاہئے

مال کی قسمیں اور ہر قسم کی پہچان

حلال ہین ایک یہ کہ کوئی مشروع تجارت کرتا ہے دوم ترکہ مین کچھ جائداد پائے ہوئے ہی جسکی آمدنی اسکو ملتی ہے اور اور ایک ذریعہ حرام ہے کہ کسی ظالم بادشاہ کا نوکر ہے اور تنخواہ لیتا ہے۔ مگر اس ایک ذریعہ کی نسبت اُن دو ذریعون کی آمدنی زیادہ ہے۔ تو چونکہ اسکے پاس زیادہ مال حلال ہے اسلئے کثرت کا اعتبار کیا جائیگا اور اسکے دیئے ہوئے مال کو حلال سمجھا جائیگا۔ البتہ اس سے پرہیز کرنا تقویٰ مین شمار ہوگا۔ **پانچوین قسم** وہ لوگ ہین جنکے کسب کا ذریعہ اگرچہ معلوم نہین مگر ظلم اور تعدّی کی علامتین انپر نمایان ہین۔ مثلاً جابر حکام کی سی شکل اور لباس و وضع اختیار کئے ہوئے ہین تو چونکہ یہ ظاہری حالت بتا رہی ہے کہ انکا مال بھی ظلماً ہی حاصل ہوا ہوگا لہذا اس سے احتیاط کرو اور اسکو تفتیش کئے بغیر حلال نہ سمجھو۔ **چھٹی قسم** وہ لوگ ہین جنپر علامتِ ظلم تو نمودار نہین البتہ فسق و فجور کے آثار نمایان ہین مثلاً داڑھی منڈی ہوئی ہے یا مونچھین بڑھی ہوئی ہین یا فحش بک رہا اور گالیان دے رہا ہے یا اجنبی عورت کی طرف دیکھ رہا یا اس سے باتین کر رہا ہے تو اگرچہ یہ فعل سب حرام ہین مگر مال کے حاصل کرنے مین چونکہ انکو کچھ دخل نہین ہے لہذا انکے مال کو حرام نہ سمجھا جائیگا۔ پس اگر تمکو معلوم ہو کہ یہ مال اسنے ترکہ پدری مین پایا ہی یا کسی حلال ذریعہ سے کمایا ہے تو اسکو حلال سمجھو دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرک کے پانی کو نجس نہین سمجھا پس جب مجوسیت اور نصرانیت کے سبب پانی مُشتبہ یا ناپاک نہین ہوا تو مسلمان کا مال محض اسکے فسق و فجور کیوجہ سے کیسے ناپاک ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر اسکے مال کا حلال ذریعہ کسب بھی تمکو معلوم نہو تو ایسی صورت مین اس مال کے استعمال مین تامل اور احتیاط کرنیکی ضرورت ہے۔

اس تشریح کے بعد پھر ہم یہی کہتے ہین کہ اپنے دل سے بھی فتویٰ لیلو اور جس مال سے دل کھٹکے اسکا ہرگز استعمال نکرو البتہ یہ ضرور دیکھلو کہ دل کے فتوے پر عمل کرنے اور تقویٰ اختیار کرنیسے اس شخص کو رنج تو نہوگا۔ پس اگر رنج کا اندیشہ ہو تو ایسا تقویٰ جائز نہین مثلاً کسی نامعلوم الحال مسلمان نے کوئی چیز ہدیۃً تمہین دی یا تمھاری دعوت کی اور تمنے تقویٰ کی بنا پر اسکے مال کی تفتیش شروع کر دی تو ظاہر ہے کہ یا تو خود اسی سے پوچھو گے یا اس سے خفیہ دوسرے لوگون سے تحقیق کرو گے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر اس سے پوچھا تو اسکو ضرور رنج ہوگا اور اگر دوسرون سے پوچھا اور اسکو خبر ہوگئی تو مسلمان کو رنج پہونچانیکے علاوہ مسلمان کیساتھ بدگمانی رکھنے اور بعض وقت غیبت اور تہمت مین مبتلا ہونیکا بھی اندیشہ ہی اور یہ سب باتین حرام ہین اور تقویٰ کا چھوڑنا حرام نہین پس ایسے موقع پر مسلمان کا دل خوش کرنا واجب ہے۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی باندی حضرت بریرہؓ کا وہ کھانا جو کسی مسلمان نے انکو صدقہ دیا تھا بے تامل کھا لیا اور صدقہ دینے والیکے مال و حال کا تجسس نہین فرمایا۔ البتہ جب آپ مدینہ مین تشریف لائے تو شروع شروع جو چیز آپ کی نذر کی گئی تو آپنے یہ ضرور پوچھ لیا کہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اور یہ بھی صرف اسوجہ سے کہ صدقہ کا مال آپکے لئے حلال نہ تھا اور اس سوال مین اسکو رنج یا ایذا بھی نہین ہوتی تھی کیونکہ صدقہ اور ہدیہ دونو کی صورت ایک ہی ہے صرف دینے والیکی نیت اور دل ہی مین فرق ہوتا ہی۔ باقی اس سے زیادہ تفتیش نہین فرمائی کہ کسطرح کمایا اور کہان سے حاصل کیا؟ آپکی عادت تھی کہ جو مسلمان آپکی

بازار کی چیزون مین اصل حلت ہے

ضیافت کرنا تو آپ بلا تامل قبول فرما لیتے اور کہین منقول نہین ہے کہ آپ نے اسکا سوال کیا ہو کہ تمھارا مال کس ذریعہ سے حاصل ہوا ہے البتہ شاذ و نادر کسی غالب شبہ کیموقع پر تحقیق حال فرمائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سفر مین بازار سے تمام ضرورت کی چیزین خریدتے اور کھاتے تھے۔ حالانکہ یہ بھی جانتے تھے کہ سُود اور لوٹ اور مال غنیمت مین خیانت کئے ہوئے مال بھی بازارون ہی مین فروخت ہوتے ہین مگر ان توہمات کیطرف کبھی توجہ نہین فرمائی بلکہ غالب اور کثرت کی بنا پر بازار مین فروخت ہونیوالے سارے مال کو بغیر تفتیش و تحقیق کے حلال سمجھا۔ اسیطرح تم بھی بازار کی چیزون کو حرام نہ سمجھو البتہ اگر حرام اور ناجائز طریقہ سے حاصل کی ہوئی چیزین کسی شہر یا بازار مین بکثرت فروخت ہونے لگین تو اسوقت تفتیش و تحقیق حال کے بغیر خریدنا اور استعمال مین لانا بے شک جائز نہین ہے۔

آٹھوین اصل مُسلمانو نکے حقوق کی حفاظت اور انکے ساتھ نیک برتاؤ

تمام مخلوق کے ساتھ حُسنِ معاشرت

تمام مخلوق عمر کی کشتی پر سوار دُنیا کا سفر ختم کر رہی ہے اور دُنیا ایک مُسافر خانہ ہے۔ اسلئے آخرت کے مُسافرون یعنی مُسلمانون کو اپنی سرائے کے ہمجنس مُسافرونکے ساتھ نیک برتاؤ کرنا بھی دین کا ایک رُکن ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی تین حالتین ہین یا مجرد اور تن تنہا ہوگا یا اہل وعیال اور دوست واحباب وغیرہ کے تعلقات رکھتا ہوگا اور یا تیسری یہ حالت ہوگی کہ تعلق تو ہوگا مگر صرف اقربا اور رشتہ دارون یا پاس پڑوسیون سے ہوگا۔ عام مخلوق سے نہوگا پس تینون حالتونکے حقوق اور حُسنِ سلوک سے تمکو واقف ہونا چاہیے جنکو ہم جُدا جُدا بیان کرتے ہین۔

تجرد کی حالت

پہلی حالت مین چونکہ آدمی کو صرف اپنی ذات سے تعلق ہے اسلئے اپنے نفس کی اصلاح اور اُس خدائی لشکر کے حقوق ادا کرنے ضروری ہین جو اس عالم اصغر یعنی انسان مین حقتعالیٰ نے پیدا کئے ہین اور چونکہ اسجگہ ہمین اختصار مقصود ہے اسلئے جسمِ انسان مین خدائی لشکر کے صرف سردارون کا تذکرہ کرتے ہین اور متنبہ کئے دیتے ہین کہ ہر مجرد و تنہا مسلمان کو بھی انکی نگہداشت ضروری ہے جان لو کہ تمھارے اندر ایک خواہش پیدا کی گئی ہے جسکی وجہ سے تم ہر مفید اور پسندیدہ و مرغوب شے کو حاصل کرنیکی سعی کرتے ہو۔ اور ایک غصہ پیدا کیا گیا ہے جسکے ذریعہ سے تم ہر مضر اور مکروہ چیز کو دفع کرنیکی کوشش کرتے ہو اور تیسری چیز عقل پیدا کی گئی ہے جس سے تم اپنے تمام معاملات کا انجام سوچتے اور اپنی رغبت کی حفاظت کرتے ہو پس غصہ کو کتا سمجھو اور خواہش کو گھوڑا اور عقل کو بادشاہ۔ اسکے بعد معلوم کرو کہ یہ تینون قوتین تمھاری ماتحت بنائی گئی ہین کہ

بحالت تجرد اپنی ذات کے متعلق حقیقت

ان مین عدل و انصاف کرنا اور اس قُدرتی سپاہ سے مدد لیکر ابدی سعادت حاصل کرنا تمھارا فرض ہے۔ پس اگر تم کتے کو مہذب اور گھوڑے کو شائستہ کرکے بادشاہِ عقل کا مطیع و فرمانبردار بنائے رکھو گے تو عدل کا حق ادا کرو گے اور ضرور مقصود تک پہونچ جاؤ گے۔ اور اگر محکوم کو حاکم کی مسند پر بٹھاؤ گے اور حاکم بادشاہ کو تابعدار غلام بنا دو گے تو انصاف کھو بیٹھو گے اور ظالم کہلاؤ گے کیونکہ کسی شے کا بے محل رکھنا ہی تو ظلم کہلاتا ہے۔ لہذا جب خواہشِ نفسانی کوئی چیز حاصل کرنی چاہے یا غصہ کسی شے کو دفع

تہذیبِ نفس اور اسپر ظلم یا انصاف کی حقیقت

کرنا چاہے تو عقل سے سوچا کرو کہ اسکا انجام کیا ہے؟ اگر انجام اچھا ہو تو چاہیے کہ اس کام کے کرنیکی اُنکو اجازت دیدے۔ اور اگر انجام بُرا دیکھے تو ہرگز اجازت نہ دے بلکہ اپنے ماتحت غلاموں سے اُسکو پکڑوائے۔ مثلاً نفس اگر بیجا خواہش کرتا ہے تو غصّہ کو اسپر حملہ کرنیکا حکم دے کہ وہ اِس بدخواہ نادان خادم کو پابزنجیر کردے۔ اور اگر غصّہ بھڑکنا اور بے راہ چلنا چاہتا ہے تو شہوت کا اسپر حملہ کرائے کہ وہ اسکو ٹھنڈا کردے اور اسکا خیال پورا نہونے دے۔ اور اگر تمنے اپنی عقل سے دریافت ہی نہیں کیا۔ یا دریافت تو کیا مگر اسکے حکم کی سماعت و اطاعت نہ کی بلکہ اسکو خادم و تابعدار غلام بنا لیا کہ شہوت و غصّہ جو کچھ کرنا چاہیں عقل انکی ہاں میں ہاں ملا کر انکا منشا پورا کرنے میں حیلے اور تدبیریں سوچے تو گویا تمنے قدرتی سپاہ میں اُدل بدل کردیا اور جن میں عدل و انصاف رکھنے کا حق تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا انکیں ظالمانہ کارروائی کی پس قیامت کیدن جب تمام اعراض کو اجسام عطا کیے جاوینگے اور شہوت نفسانی کو کُتّے کی اور غصّہ کو گھوڑے کی صورت حاصل ہوگی اور عقل شاہانہ لباس پائیگی تو اسوقت یہ راز کھل جائیگا اور تم کہوگے کہ ہائے افسوس ہمنے کیسا ظلم کیا کہ بادشاہ کو کُتّے اور گھوڑے کے سامنے سر بسجود رکھا۔ کاش شکاری مرد کیطرح اس کُتّے اور گھوڑے کو بوقت ضرورت کام میں لاتے کہ نہ بموقع انکو بھگاتے۔ نہ خلاف عقل انسے کوئی کام لیتے اور نہ عقل کی ماتحتی سے انکو باہر نکالتے بلکہ انکو عقل کا ایسا تابعدار بنائے رکھتے کہ جہاں وہ چاہتی وہاں انسے کام لیتی ورنہ بیکار اپنی جگہہ پڑے رہتے۔ گویا ہیں ہی نہیں۔

مخلوق کے حقوق کی نگہداشت اور اسکے مدارج

دوسری حالت یعنی جب تمکو عام مخلوق سے تعلق ہو تو اسوقت اسکا ضرور لحاظ رکھو کہ مخلوق کو تم سے کسی قسم کی ایذا نہ پہونچے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مسلمان وہی ہے جسکے ہاتھ اور زبان سے اللہ کی مخلوق محفوظ رہے" اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مخلوق کو نفع پہونچاؤ اور اس سے بھی اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے کہ جنسے ایذا اُٹھاؤ اُنکے ساتھ سلوک واحسان کرو۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ اے علیؓ اگر صدیقین کا درجہ حاصل کرنا چاہو تو جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس سے تعلق رکھو اور جو تمپر ظلم کرے تم اسکے ساتھ سلوک کرو" مخلوق کے حقوق قائم رکھنے میں بیس ۲۰ باتوں کا لحاظ رکھو جنکی تفصیل یہ ہے:-

اوّل۔ جو کچھ اپنے لئے بہتر سمجھو وہی دوسروں کے لئے بہتر سمجھو کہ حدیث میں ایسے شخص کیلئے بشرطیکہ اسکا خاتمہ بالخیر ہوجائے جہنّم سے محفوظ رہنے کی بشارت آئی ہے دوّم ہر کسیکے ساتھ تواضع سے پیش آؤ کیونکہ حق تعالیٰ مغرور اور متکبر کو پسند نہیں فرماتا۔ اگر کوئی دوسرا شخص تمھارے ساتھ تکبّر سے بھی پیش آئے تو اسکو برداشت کرجاؤ۔ دیکھو حق تعالیٰ نصیحت فرماتا ہے کہ "عفو کی خصلت اختیار کرو بھلائی کی ترغیب دو اور جاہلوں سے پہلو تہی کرو" سوّم بڑوں کی تعظیم کرو اور چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو جوان کسی بوڑھے کی تعظیم اسکے بڑھاپے کیوجہ سے کریگا تو اُسکے بڑھاپے کی حالت میں اللہ تعالیٰ اُسکی تعظیم کرنیوالا شخص پیدا فرمادیگا" اس حدیث میں اشارۃً درازی عمر کی بھی بشارت آگئی کہ اسکو بوڑھا ہونا نصیب ہوگا۔ چہارم ہر شخص کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آؤ۔

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو دوزخ سے بچنے اور اللہ کے محبوب ہونیکی بشارت دیتے ہین پنجم۔ اگر دو مسلمانون مین رنجش ہو جائے تو صلح کرا دو شریعت مین ایسے موقع پر تالیف قلوب کیوجہ سے بضرورت جھوٹ بولنے تک کی اجازت آئی ہے اور شرعاً اسکا درجہ نفل نماز اور روزہ سے بھی افضل ہے ششم جو لوگ ایک کی دوسرے سے چغلی کھانے یا ادھر ادھر کی لگا کر مسلمانون مین باہم رنجش پیدا کراتے ہین انکی بات ہرگز نہ سنو کہ وہ اپنا دین برباد اور جہنم مین جانیکا سامان کر رہے ہین ہفتم اگر تمھاری کسی سے رنجش ہو تو تین دن سے زیادہ علیحدگی مت رکھو۔ تم مسلمان کی خطا سے درگذر کروگے تو اللہ تعالیٰ قیامت کیدن تمھاری خطاؤن سے درگذر فرمائیگا ہشتم سلوک اور احسان کرتے وقت اہل اور نااہل مت دیکھا کرو۔ اگر کوئی نااہل بھی ہے تو تم اسکے ساتھ کیون نااہل بنتے ہو سلوک کرنیکے لئے تو تمھارا اہل ہونا کافی ہے۔ نہم لوگون سے انکی حالت کے موافق برتاؤ کیا کرو۔ یعنی جاہل مین اس کمال اور تقویٰ کو مت ڈھونڈو جو علماء مین ہوا کرتا ہے۔ اور عوام کی طبیعتون مین خواص کی سی سمجھ اور سلیقہ کی توقع مت رکھو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ الٰہی وہ طریق بتلا دے جس سے مخلوق بھی مجھسے محبت کرے اور آپ بھی راضی ہین تو حکم ہوا کہ اے داؤدؑ دنیا دارون سے انکی حالت کے موافق برتاؤ کرو اور دیندارون سے انکے حال کے مطابق دہم برتاؤ کیوقت لوگون کے مرتبونکا بھی لحاظ رکھو۔ یعنی اگر کوئی دنیادار با عزت آدمی تمھارے پاس آجائے تو اسکی بھی عظمت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وقت دنیادار ذی عزت شخص کیلئے چادر مبارک بچھا دی اور یون فرمایا ہے کہ "جب کسی قوم کا کوئی بڑا شخص تمھارے پاس آیا کرے تو اسکی عزت کیا کرو۔" یازدہم مسلمانونکے عیوب ہرگز ظاہر نکرو کہ پردہ پوشی کرنیوالے مسلمان جنت مین جائینگے غیبت بھی نکرو اور کسی کے عیب کی ٹوہ مین بھی نہ رہو۔ یاد رکھو کہ اگر آج تم کسی مسلمان کی عیب جوئی کروگے تو کل کو حقتعالی تمھارا عیب ظاہر فرما کر تمکو رسوا کریگا اور جسکو وہ رسوا کرے پھر اسکو امان کہان؟ دوازدہم تہمت کی جگہ سے بھی بچو ورنہ لوگ بدگمان ہونگے اور تمھاری غیبت کیا کرینگے اور چونکہ انکی غیبت مین مبتلا ہونیکا سبب تم بنے ہو کہ تہمت کے موقع پر جاتے اور نہ انکو غیبت کا موقع ملتا لہذا گناہ تمپر بھی ہوگا اسلئے کہ گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایکمرتبہ ازواج مطہرات مین کسیکے ساتھ دروازہ مکان پر کھڑے ہوئے کچھ باتین کر رہے تھے کہ کسی شخص کا اس جانب گذر ہوا۔ چونکہ موقع تہمت تھا اسلئے آنحضرتؐ نے قصداً آواز دیکر فرمایا کہ "اے شخص جس عورت سے مین باتین کر رہا ہون یہ میری بی بی صفیہؓ ہے" اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ توبہ ہے کہین آپکی جانب بھی بدگمانی ہو سکتی ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ تعجب ہی کیا ہے شیطان تو بنی آدم کی رگ رگ مین سرایت کئے ہوئے ہے" یعنی شاید تمھارے دلمین وسوسہ پیدا کرتا اور وہ تمھاری بربادی کا سبب بنتا اسلئے مجھے اطلاع دیدینا ضروری ہوا۔ سیزدہم مسلمانونکی حاجت روائی مین کوشش کیا کرو۔ حدیث مین آیا ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اکثر کسیکو کچھ دینے دلانے مین تاخیر کرتے اور یون ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کہ "مین صرف اس وجہ سے جلدی

حکم نہین دیتا کہ تمکو سفارش کرنیکا موقع ملجائے اور تم زبان سے کلمۃ الخیر نکالکر ثواب حاصل کرلو"۔ مسلمان کی حاجت روائی مین سعی کرنا بہرحال نافع ہے خواہ تمھاری کوشش سے اسکی حاجت پوری ہو یا نہو۔ حدیث مین اس سعی کا اجر و ثواب سال بھر کے اعتکاف سے زیادہ آیا ہے چہاردہم ہر مسلمان سے سلام علیک اور مصافحہ مین پیش قدمی کیا کرو کہ حدیث مین آیا ہے جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہین تو رحمت خداوندی کے سو حصو مین سے [۶۹] نہتر حصے اُسکو ملتے ہین جسنے مصافحہ مین ابتدا کی ہے اور ایک حصہ دوسرے شخص کو۔ پانزدہم [۱۵] مسلمان بھائی کی عدم موجودگی مین بھی اسکی مدد کرو یعنی اُسکی آبرو یا مال پر اگر دھبہ یا نقصان آتا ہو تو اُسکو مٹاؤ کہ حدیث مین آیا ہے جہان کسی مسلمان کی آبرو ریزی ہو رہی ہو تو جو مسلمان ایسے وقت مین اسکی مدد کریگا حق تعالیٰ اسکی ضرورت کیوقت اسکی مدد فرمائیگا۔ اور جو مسلمان اسکی کچھ پرواہ نکریگا حق تعالیٰ بھی اسکی اعانت کے موقع پر اسکی کچھ پروا نفرمائیگا۔ شانزدہم [۱۶] شریر لوگون سے بھی اس نیت سے مدارات کر لیا کرو کہ انکے شر سے محفوظ رہوگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہین ایکمرتبہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونیکی اجازت چاہی۔ آپنے فرمایا اچھا آنے دو برا شخص ہے"۔ اور جب وہ اندر آگیا تو آپنے ایسی نرمی اور ملاطفت کیساتھ اُس سے باتین کین جس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اسکی بڑی قدر کرتے ہین جب وہ چلا گیا تو مین نے حضرت سے اسکی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ بدتر شخص قیامت کیدن وہ ہے جسکی بدی سے بچنے کیلئے لوگ اسکو چھوڑدین" نیز حدیث مین آیا ہے کہ جس طریقہ سے بھی انسان اپنی آبرو بچائے وہ صدقہ مین شمار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے کہ لوگون سے انکے اعمال کیموافق میل جول رکھو البتہ بدکارون کو دلمین جگہہ ندو۔ ہفتدہم زیادہ تر مسکینون کے پاس اُٹھو بیٹھو اور اُمرا کی صحبت سے پرہیز کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ بارالہا میری موت و حیات مسکنت ہی کی حالت ہی رکھیو اور مسکینون ہی کی جماعت مین میرا حشر فرمائیو" حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود اس جاہ و اقتدار کے جب کبھی مسجد مین کسی مسکین کو بیٹھا دیکھتے تو اسکے پاس بیٹھ جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مسکین اپنے ہمجنس مسکین کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ یا اللہ مین آپ کو کہان ڈھونڈون؟ حکم ہوا کہ شکستہ دل لوگون کے پاس۔ ہشتدہم [۱۸] حتی الامکان انہین کے پاس بیٹھو جنکو کچھ دینی فائدہ پہونچا سکو یا جن سے دین کا کچھ نفع خود حاصل کرسکو۔ اور غفلت والون سے علیحدہ رہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "برے ہمنشین سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے بہتر نیکبخت ہمنشین ہے"۔ یہ خیال کرو کہ اگر تم ایسے شخص کے پاس جاتے ہو جو ہر دفعہ تمھارے کپڑے کا ایک تار یا داڑھی کا ایک بال نوچ لیا کرے تو ضرور تمکو اندیشہ ہوگا کہ اسطرح تو عنقریب کپڑا ختم اور داڑھی ندارد ہوجائیگی اور تم اسکے پاس آمد و رفت ترک کردوگے بس اسیطرح جسکی صحبت مین حبہ برابر بھی دین کی کمی ہو تو اس سے پرہیز کرو ورنہ تھوڑا تھوڑا ہوکر ایکدن سارا دین برباد ہوجائیگا۔ نوزدہم [۱۹] مسلمان بھائی اگر بیمار ہو تو اسکی عیادت کیا کرو اور انتقال کرجائے تو اسکے جنازہ

کے ساتھ جاؤ اور اسکے بعد بھی کبھی کبھی گورستان مین انکی قبرون پر ہو آیا کرو اور انکے لئے ایصال ثواب و استغفار و طلب رحمت کرتے رہا کرو۔ یتیم اگر انکو چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہو اور اگر وہ تمسے کسی بات مین مشورہ کرین تو نیک صلاح دیا کرو۔ المختصر جو اہتمام اپنے نفس کو نفع پہونچانے اور ضرر سے بچانیکا کر سکتے ہو وہی عام مسلمانون کیلئے ملحوظ رکھو۔

متعلقین اور ملازمین کے حقوق

خاص متعلقین سے برتاؤ نسبی اور صہری رشتہ دار یعنی بیوی بچے ماں باپ اور ہمسایہ و غلام نوکر چاکر سب متعلقین مین داخل ہین۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ قیامت کیدن سب سے پہلے جنکا مقدمہ پیش ہوگا وہ دو ہمسایہ ہونگے۔ لہذا پڑوس کے حقوق کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔ ہمسایہ کے پنے ہوئے کتے کو اگر ڈھیلا بھی مارو گے تو ہمسایہ کے ایذا دینے والے سمجھے جاؤ گے۔ ایک عورت نہایت پارسا تھی مگر اسکے پڑوسی اس سے نالان رہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو دوزخی فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ جانتے بھی ہو ہمسایہ کے کتنے حق ہین؟ اگر ہمسایہ مدد چاہے تو مدد کرو۔ قرض مانگے تو قرض دو اگر تنگدست

پڑوس کے حقوق

ہو جائے تو سلوک کرو بیمار پڑے تو عیادت کرو۔ انتقال کر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ۔ اگر اسکو کوئی خوشی حاصل ہو تو مبارکباد دو اور رنج پہونچے تو تسلی دو۔ اسکی اجازت کے بغیر اپنا مکان اتنا اونچا نہ بناؤ کہ اسکو خاطر خواہ ہوا نہ پہونچ سکے۔ اگر کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اسمین سے بقدر مناسب اسکو بھی دو اور اگر نہ دے سکو تو چپکے سے گھر مین لیجاؤ تاکہ دیکھکر اسکو حرص نہو۔ اسکے بعد مناسب ہے کہ تمھارا بچہ بھی پھل لیکر باہر نہ نکلے کہ ہمسایہ کے بچہ کو حرص ہوگی تو اسکو رنج پہونچیگا اسیطرح اگر ہانڈی چڑھے تو ایک چمچہ پڑوسی کو بھی پہونچاؤ۔ جانتے ہو پڑوسی کا حق کسقدر ہے؟ بس یہ سمجھلو کہ پڑوس کے حق وہی پورے کر سکتا ہے جسپر حق تعالیٰ کا فضل ہو" قرابت داری کے حقوق کا بھی لحاظ رکھو۔ کیونکہ رحم جسکے معنی قرابت کے ہین رحمٰن سے مناسبت رکھتا ہے حق تعالیٰ

قرابت کے حقوق

فرماتا ہے کہ "جو شخص رحم سے میل رکھے گا مین اس سے میل رکھونگا اور جو اس سے قطع تعلق کریگا مین اس سے قطع تعلق کرونگا" صلہ رحمی کرنیوالے کی عمر مین برکت ہوتی ہے۔ جنت کی خوشبو جو پانچ سو برس کی مسافت سے آتی ہے وہ قاطع رحم کو ہرگز نہ آئیگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ ماں باپ کی خدمت کرنا۔ نماز روزے۔ حج وعمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے! اور ماں کا حق باپ کی بہ نسبت دو چند ہے۔ حدیث مین حکم ہے کہ جو کچھ دینا ہو ساری اولاد کو مساوی دیا کرو۔ غلامون کے بارہ مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انکے بارے مین خدا سے ڈرو جو خود کھاؤ وہی انکو کھلاؤ اور جو تم پہنو وہی انہین پہناؤ۔ سہار اور سکت سے زیادہ ان سے

غلاموں کے حقوق

کام نہ لو۔ یہ سمجھو کہ صاحب قدرت خدا نے انکو تمھارا غلام بنا دیا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو تمکو انکا غلام بنا دیتا۔ جب غلام کھانا لاکر تمھارے سامنے رکھے تو چونکہ آگ کی تپش اور دھوئین کی کلونس اسنے برداشت کی اور تمکو ان تکلیفون سے بچایا ہے اسلئے اسکی دلدہی کرو اور اسکو شفقت کیساتھ اپنے پاس بٹھاکر ساتھ کھلالو۔ یا کم سے کم ایک لقمہ اسکے ہاتھ پر رکھدو

بی بی کے حقوق

اور پیار کے لہجہ مین کہو کہ کھالو۔ ایسا کرنیسے اسکا دل خوش ہوجائیگا اور تمھاری عزت مین فرق نہ آئیگا۔ اگر وہ کوئی خطا کر بیٹھے تو درگذر کرو۔ اسکو غرور اور حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔" بی بی کے حقوق چونکہ غلام سے کئی حصہ زیادہ ہین لہذا بی بی کی تمام ضرورتونکو پورا کرو اور حُسنِ معاشرت وخوش کلامی کا برتاؤ رکھو۔ کیونکہ بیبیون کیساتھ نیک برتاؤ رکھنے والونکے بڑے درجے ہین۔ دیکھو مقتدائے اُمّت جنابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کیساتھ کیسی خوش طبعی ودلجوئی اور محبت ونرمی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ حدیثون مین حُسن معاشرت کی بڑی تاکید آئی ہے۔

دینی دوست بنانیکی فضیلت اور حب فی اللہ کے درجے

فصل انہین اُصول مین سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ اپنے لئے کچھ دینی دوست تجویز کرو کہ جن سے محض اللہ ہی کیواسطے محبت ہو قیامت کیدن حق تعالیٰ آواز دیگا کہ "کہان ہین وہ جو خاص میرے واسطے باہم محبت رکھتے تھے؟ آج جبکہ میرے سایہ کے سوا کہین سایہ نہین ہے مین انکو اپنے سایہ مین لونگا" حدیث مین آیا ہے کہ عرش کے گرد نُور کے ممبر ہین جنپر ایک جماعت بیٹھیگی جنکے لباس اور چہرے سرتا پا نُور ہونگے اور وہ لوگ نہ نبی ہین نہ شہید مگر انبیاء وشہداء انکی حالت پر رشک[ع] کرینگے صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ کون لوگ ہونگے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے مخلص بندے جو باہم اللہ کے واسطے محبت کرتے اور اللہ واسطے ایکدوسرے کے پاس بیٹھتے اُٹھتے اور آتے جاتے تھے" یاد رکھو کہ ایمان کے بعد اللہ واسطے کی محبت کا مرتبہ ہے۔ اور اسمین بھی دو درجے ہین پہلا درجہ یہ ہے کہ تمکو کسی شخص سے اس بنا پر محبت ہو کہ دنیا مین تمکو اسکے ذریعہ سے ایسی چیز حاصل ہوئی ہے جو آخرت مین مفید ہے۔ مثلاً شاگرد کو اپنے اُستاد کیساتھ علم دین حاصل کرنیکے سبب محبت ہے اور مُرید کو اپنے مرشد سے راہِ طریقت معلوم کرنیکی وجہ سے محبت ہے۔ بلکہ اُستاد کو اپنے شاگرد کیساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بھی اسی بنا پر ہوتی ہے کہ علم دین کا سلسلہ اسکی وجہ سے مدتون تک میریطرف منسوب ہوکر جاری رہیگا اور مجکو آخرت مین صدقہ جاریہ کا اجر ملیگا۔ اسیطرح اپنے خادم اور محسن دونونکے ساتھ اسی نیت سے محبت ہوتی ہے کہ انکی خدمت اور احسان کیوجہ سے فارغ البالی حاصل ہوتی ہے اور اطمینان کیساتھ عبادت وطاعت کا وقت ملتا ہے لیکن یہ سب اللہ ہی کیواسطے کی محبت ہے کہ کوئی غرض دنیوی اس محبت سے مقصود نہین مگر پھر بھی چونکہ خالص اللہ کی ذات مطلوب نہین ہے اسلئے اعلےٰ درجہ یہ ہے کہ کسی اللہ کے پیارے اور نیک بندہ سے بغیر کسی دینی غرض کے صرف اس وجہ سے محبت ہو کہ یہ شخص اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کا محبوب ہے۔ کیونکہ معشوق کے کوچہ کا کتا بھی دوسرے کتون سے ممتاز ہوتا ہے پھر بھلا کیسے ممکن ہے کہ تمہین حق تعالیٰ سے محبت ہو اور اسکے محبوب بندون سے محبت نہو۔ یاد رکھو کہ رفتہ رفتہ یہ تعلق یہانتک قوی ہوجاتا ہے کہ اللہ کے محبوب بندونکے ساتھ اپنے نفس کا سا برتاؤ ہونے لگتا ہے بلکہ اپنے نفس پر بھی انکو ترجیح ہوتی ہے پس جتنا بھی یہ علاقہ مضبوط ہوگا اسیقدر کمال مین ترقی ہوگی۔

بغض فی اللہ

ایسا ہی بغض کا حال ہے کہ حق تعالیٰ کے نافرمان بندون سے عداوت ہونی چاہیے۔ جنکو یہ درجہ نصیب ہوتا ہے انکی یہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ کے نافرمان بندون کے پاس اُٹھنا بیٹھنا اور اُن سے بات کرنا تک چھوڑ دیتے ہین اگر انکی صورت نظر

ع رشک کبھی بڑونکو چھوٹے پر بھی ہوتا ہے جیسے حاکمِ اعلیٰ کے معائنہ تحصیل کے وقت چپراسی کی بیفکری اور اپنی ذمہ داری دیکھکر تحصیلدار کو اسپر رشک ہوتا ہے اسیطرح حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اُمت کے فکر مین مشغول ہونگے اور یہ لوگ ان سے چھوٹے درجہ مین ہونیکی وجہ سے ان فکرون سے آزاد ہونگے ۱۲ منہ

آتی ہے تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی ہے کہ خداوندا کسی فاسق شخص کا مجھپر احسان نہ کرا ہو کہ اُسکے احسان کی وجہ سے میرے دلمیں اسکی محبت آجائے۔" حُبّ فِی اللہ اور بُغض فِی اللہ اسیکا نام ہے اور جس مُسلمان کو اپنے مولا سے اتنی بھی محبت نہیں جسکا یہ اثر ہو کہ اللہ کے محبوب بندے اسکے محبوب بنجائیں اور خدا کے دشمنوں کو وہ اپنا دشمن سمجھے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس شخص کے ایمان میں ضعف ہے اور اسکو اپنے خدا ہی کیساتھ محبت نہیں ہے۔

نویں فصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی وعظ و نصیحت کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہ کچھ لوگ تم میں ایسے بھی ہونے چاہییں جو نیکی کی جانب بُلائیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں بُرائیوں سے منع کریں۔ یہی لوگ فلاح پانیوالے ہیں" حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگ معصیت میں مُبتلا ہو جائیں اور انمیں ایسے لوگ بھی موجود ہوں جو انکو معصیت سے روک سکتے ہیں مگر وہ کاہلی کریں اور انکو معصیت سے نہ روکیں تو حق تعالیٰ اُنپر عذاب جلد نازل فرمائیگا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ" ایک ایسے قصبہ پر عذاب نازل ہو چکا ہے جسمیں اٹھارہ ہزار مُسلمان آباد تھے اور انکے اعمال انبیاء علیہم السلام جیسے تھے۔ مگر اتنا نُقص تھا کہ اللہ کی نافرمانیاں دیکھکر انکو غصہ نہ آتا تھا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا سب ہلاک کردیئے گئے۔"

اگر تم کسی جگہ پر کوئی ناجائز کام ہوتا ہوا دیکھو گے اور خاموش بیٹھے رہو گے تو اُس گناہ میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے کہ غیبت کرنیوالا اور سُننے والا گناہ کے اندر دونوں برابر ہیں۔ اسیطرح ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہننے والے جسقدر گناہگار ہیں اسیقدر اسکے وہ یار دوست یعنی اُسکے پاس بیٹھنے اُٹھنے والے مسلمان بھی گناہگار ہیں جو اسکو ریشمی لباس اور طلائی انگشتری پہنے دیکھتے ہیں اور منع نہیں کرتے۔ اسیطرح ایسے مکان میں بیٹھنا جسکی دیواروں پر تصویریں ہوں یا ایسی مجلس میں شریک ہونا جہاں کوئی بدعت ہو رہی ہو۔ یا کسی مباحثہ اور مناظرہ کے ایسے جلسہ میں جانا جہاں سب و شتم اور لغو مشغلہ ہو سب گناہ ہے۔ پس خوب سمجھلو کہ ان گناہوں کے موقعوں سے صرف بچنا ہی ضروری نہیں بلکہ جب تک بے دریغ نصیحت نکرو گے اور گناہ سے انکو روک ندو گے اسوقت تک ہرگز عہدہ برا نہو سکو گے۔ گوشہ نشینی اسیوجہ سے بہتر سمجھی گئی ہے کہ کثرتِ اختلاط سے ضرور معصیت ہوتی ہے۔ کیونکہ مسلمان کیسا ہی متقی کیوں نہو جب تک ملامت کرنیوالوں کی ملامت کا خوف دل سے نہ نکال دے اور جو گناہ ہوتا دیکھے اُسکو روک نہ دے وہ گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ غرض مداہنت حرام ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے۔ البتہ دو حالت میں اسکا وجوب قائم نہیں رہتا۔

پہلی حالت یہ کہ یقین ہو کہ اس گناہ سے منع کرونگا تو مجھکو نظر حقارت سے دیکھا جائیگا اور میری بات کی نہ یہ لوگ پروا کرینگے اور نہ اس گناہ کو چھوڑینگے۔ تو ایسی صورت میں نصیحت کرنا واجب نہ رہیگا۔ اور یہ حالت اکثر ان معصیتوں کے متعلق پیش آتی ہے جنکے مرتکب فقہاء و علماء یا ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو دیندار اور متقی سمجھتے ہیں کیونکہ اگر کوئی شخص

انکو نصیحت کرے تو انکو سخت ناگوار گذرتا ہے اور وہ گناہ چھوٹتا نہین جسکو انہون نے اختیار کیا ہے۔ ایسے موقع پر بیشک سکوت جائز ہے۔ البتہ زبان سے پھر بھی نصیحت کردینا مستحب ہے۔ اسکے ساتھ اسکا بھی خیال رکھو کہ گو ایسی جگہ نصیحت کرنا واجب نہین رہا مگر خود وہان سے اٹھ آنا ضرور واجب ہے کہ بیٹھا رہنا اپنا اختیاری فعل ہے اور باختیارِ خود معصیت کا دیکھنا بھی معصیت ہے۔ پس جہان دَورِ شراب جاری ہو یا غیبت ہو رہی ہو یا داڑھی منڈے بددین غیر متشرع فاسق فاجر بیٹھے ہون وہان ہرگز نہ بیٹھو **دوسری حالت** یہ ہے کہ ناجائز فعل سے باز رکھنے پر قدرت تو ہو مگر اسکا غالب اندیشہ ہو کہ اگر دست اندازی کرونگا تو ضرور یہ لوگ مجھکو مارینگے مثلاً کسی جگہ شراب کا شیشہ یا ستار وغیرہ یا اور کوئی سامان لہو و لعب رکھا ہوا دیکھو اور ممکن بھی ہو کہ اسکو آگے بڑھکر توڑ پھوڑ دو۔ مگر غالب گمان یہ ہو کہ ایسا کرنیسے انکا مالک ایذا دیئے بغیر باز نہ رہیگا تو اس صورت مین بھی چُپ ہو رہنا جائز ہے۔ البتہ ہمّت کرنا پھر بھی مستحب ہے کہ ایسے امرِ خیر مین جو کچھ ایذا پہونچیگی اسکے بڑے اجر ہین۔ ایسی حالت مین سکوت کا جائز ہونا اس شرط پر ہے کہ بدنی تکلیف یعنی مار پیٹ یا مالی نقصان یا شکیت اور آبرو ریزی یا آیندہ ایذا رسانی کا یقین یا غالب گمان ہو۔ یہ کہ نصیحت کرنیسے انکو میری محبت نہ رہیگی۔ یا ناگوار گذریگا۔ اور مجکو زبان سے کچھ بُرا بھلا کہنے لگینگے۔ یا مجکو اپنا دشمن سمجھنے لگینگے اور آیندہ کوئی تکلیف پہونچانیکی فکر کرینگے یا جو کچھ دیتے ہین وہ بند کرلینگے۔ یا آیندہ کی کوئی دینی مصلحت و بہبودی کی توقع ہے اور نصیحت کرنیسے وہ مصلحت ہاتھ سے جاتی رہیگی تو ایسی موہوم باتون کی شرع مین کچھ وقعت نہین ہے۔ اور نہ ان خیالات سے خلاف شرع امر پر نصیحت سے چُپ رہنا جائز ہے۔ اسکو خوب سمجھ لو۔

(فصل) اوّل تو واعظ کو حلیم الطبع نرم مزاج ہونا نہایت ضروری ہی کہ اپنی نیکبختی جتانے اور دوسرون پر اعتراض کرنیکی نیت سے وعظ کہنے کا نتیجہ اچھا نہین نکلتا بلکہ اس سے لوگونکو صدمہ ہوتا اور زبرا فروختگی بڑھتی ہے۔ اور بجائے معصیت چھوڑنیکے وہ لوگ معصیت پر ضد اور اصرار کرنے لگتے ہین۔ اور جب ضد بندھگئی تو پھر نصیحت کرنا اللہ واسطے نہ رہا بلکہ اپنے دل کی جلن نکالنا اور پھپھولے پھوڑنیکی غرض سے ہو گیا۔ لہٰذا جب وعظ کہو تو نہایت نرمی سے کہو اور نیت رکھو کہ کاش حق تعالیٰ کی یہ معصیت چھُوٹ جائے اور کوئی دوسرا ہی واعظ اسکو چھُڑا دے تو بہت بہتر ہے۔ کیونکہ خود معترض اور ناصح بننے کی عزت کا خواستگار ہونا خلوص کے خلاف ہے۔ ایکمرتبہ خلیفہ مامون رشید کو ایک واعظ نے کسی بات کی سختی کے ساتھ نصیحت کی تو مامون رشید نے واعظ سے کہا کہ ذرا نرمی سے نصیحت کیا کرو۔ دیکھو تمسے بہتر ناصح حضرت کلیم اللہ پیغمبر مجھسے بدتر بندہ فرعون مصر کی جانب ناصح بناکر بھیجے گئے اور انکو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا کہ اے موسےٰ اور اے ہارون فرعون سے نرمی کے ساتھ باتین کیجیو۔ حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایکمرتبہ ایک نوجوان شخص رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کیخدمتمین حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے زنا کرنیکی اجازت دیدیجیے۔ اس شخص کا یہ کلمہ سنکر لوگ اسکو ڈانٹنے لگے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ نہ کہو۔ اس شخص کیجانب متوجہ ہوکر فرمایا

ضرر پہونچانے کے اندیشہ پر نصیحت چھوڑنا

واعظ کے خصائل و اوصاف

کہ یہاں آؤ۔ چنانچہ وہ شخص پاس آیا تو آپ نے کہا کہ مین تمسے ایک بات پوچھتا ہون۔ بھلا اگر تمھاری مان سے کوئی شخص زنا کرے تو کیا تمکو ناگوار گذریگا؟ اُسنے عرض کیا کہ ضرور گذریگا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تم ہی بتاؤ کہ دوسرون کو اپنی ماؤن کے ساتھ ایسا ہونا کیونکر گوارا ہوگا؟ اسکے بعد آپنے فرمایا کہ اچھا تمھاری بیٹی کے ساتھ اگر کوئی ایسا فعل کرے تو کیا تمکو پسند ہے؟ اسنے جواب دیا کہ نہین آپنے فرمایا پھر دوسرے اپنی بیٹیون کے ساتھ اسکو کیون پسند کرنے لگے۔ یہان تک کہ آپنے بہن اور پھوپھی اور خالہ سبھی کا نام لیکر دریافت فرمایا اور یون ہی جواب دیتے رہے کہ پھر دوسرے لوگ اپنے ان رشتہ دارونکے ساتھ ایسی بیحیائی کیون پسند کرنے لگے۔ آخر یہ عورت کہ جس سے زنا کیا جائیگا کسیکی مان یا بیٹی یا پھوپھی یا خالہ تو ضرور ہوگی اور جب تمھین اپنے ان رشتہ دارون مین سے کسیکے ساتھ بھی کسیکا زنا کرنا گوارا نہین ہے تو دوسرے مسلمانو نکو انکے کسی رشتہ دار سے تمھارا زنا کرنا کیونکر گوارا ہونے لگا ہے۔" اسکے بعد دست مُبارک اسکے سینہ پر رکھا اور دُعا کی کہ "خداوندا اسکا قلب پاک کردیجئے اور اسکے گناہ بخش دیجئے اور اسکی شرمگاہ کی حفاظت فرمایئے۔" اسکے بعد ہمنے دیکھا کہ سب سے زیادہ ناپسندیدہ گناہ اسکے نزدیک زنا ہی تھا۔

ایکمرتبہ مجمع مین حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کیگئی کہ حضرت سفیان رح بن عُیَینہ نے شاہی تحفہ قبول کرلیا۔ شیخ نے مجمع مین تو صرف یہ کہکر بات کو ٹالدیا کہ نہین جی سفیان رح نے اپنا حق لیا ہوگا اور وہ بھی ناتمام۔ مگر خلوت مین سفیان رح کو پاس بٹھاکر نہایت نرمی سے نصیحت کی اور فرمایا کہ "اے ابو علی ہم اور تم اگر بزرگ نہین ہین تو بزرگون کے محب اور دوست رکھنے والے تو ضرور ہین۔" مطلب یہ کہ اگر ہم لوگ چونکہ اس زمرہ مین شمار ہوتے ہین اسلئے تمکو ایسے افعال سے بچنا چاہیے جسکو لوگ حجت پکڑین اور بزرگونکے نام پر عیب لگائین دوم واعظ کو اول اپنی اصلاح کرنی چاہیے کہ نصیحت کا اثر اسیوقت ہوتا ہے جبکہ ناصح خود بھی باعمل ہو ورنہ لوگ ہنستے اور مذاق اڑایا کرتے ہین۔ ہان یہ ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ نصیحت کرنیکا جواز یا وجوب اپنے عامل ہونے پر موقوف نہین ہے۔ اگر کوئی عالم خود عامل نہ بھی ہو تب بھی اسکو نصیحت اور وعظ کا چھوڑدینا اور گناہونکو ہوتے ہوئے دیکھکر سکوت اختیار کرنا جائز نہ ہوگا۔ خوب سمجھلو کہ یہ خیال کہ جب تک خود پورے عامل نہ بنجائین اسوقت تک دوسرونکو کیا نصیحت کرین" ایک شیطانی وسوسہ ہے۔ اگر اسکا اعتبار کیا جائے تو وعظ ور نصیحت کا سلسلہ منقود اور دروازہ بالکل مسدود ہو جائیگا۔ یاد رکھو کہ امر بالمعروف واجب اور ضروری ہے اور عاصی اور گنہگار شخص کو بھی وعظ کہنا جائز ہے البتہ واعظین پر یہ دوسرا وجوب مستقل ہے کہ اپنے علم پر عمل کرین اور جس کام کی دوسرونکو نصیحت کرین اسپر خود بھی کاربند ہون۔ پس اگر ایک واجب کو ترک کیا کہ خود عامل نہ بنے تو دوسرا واجب ترک کرنا کہ دوسرنکو نصیحت بھی نکرین کیونکر جائز ہونے لگا۔

دسوین اصل اتباعِ سُنت کا بیان

چونکہ اصل سعادت یہی ہے کہ تمام حرکات و سکنات مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جاوے اسلئے سمجھلو کہ آنحضرت کے تمام افعال کی دو قسم ہین اول عبادات جیسے نماز روزہ حج جہاد وغیرہ دوم عادات مثلاً کھانا پینا سونا اٹھنا

واعظ کو عالم باعمل ہونا چاہیے مگر امر بالمعروف اسکے لئے بھی ضروری ہے۔

بیٹھنا وغیرہ اور مسلمانون پر لازم ہے کہ دونون قسم کے افعال مین آپکا اقتدا کرین۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے جس آیت مین آنحضرتؐ کے اتباع کا حکم فرمایا ہے وہان کوئی قید نہین لگائی۔ بلکہ یون ارشاد فرمایا ہے کہ "پیغمبر جو کچھ بھی تمکو دین اسکو لیلو اور جس چیز سے منع کرین اس سے باز آجاؤ"۔ شیخ محمد بن اسلم نے تمام عمر صرف اس خیال سے کبھی تربوز نہین کھایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربوز کھانیکا انداز انکو معلوم نہین ہوا تھا"۔ ایک بزرگ نے ایکمرتبہ موزہ اول بائین پانو مین سہواً پہن لیا تو اسکے کفارہ مین جبتک ایک بوری گیہون خیرات نہ کرلئے اسوقت تک چین سے نہ بیٹھے۔ معلوم ہوا کہ کامل اتباع اور پوری سعادتمندی یہی ہے کہ عادتون مین بھی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کیا جائے کہ اسمین بیشمار فائدے ہین اور ذراسے تساہل مین ایسی نعمتِ عظمیٰ کا کھو بیٹھنا بیوقوفی ہے۔ اب ہم اسکا سبب اور یہ بات بیان کرتے ہین کہ اتباع کامل مین کیا فائدے ہین سنو اسکی تین وجہ ہین :۔

اول۔ تمہین معلوم ہے کہ قلب کو اعضاء سے خاص تعلق ہے اور اعضاءِ بدن کے تمام افعال کا اثر دل کے اندر پہونچتا ہے لہذا جبتک اعضاء کی حرکات وسکنات حد اعتدال پر نہونگی اسوقت تک قلب کو صلاحیت اور نور کبھی حاصل نہوگا کیونکہ انسان کا قلب آئینہ کیطرح ہے اور آئینہ آفتاب کی روشنی سے اسوقت روشن ہوسکتا ہے جبکہ اسمین تین باتین موجود ہون اول اسکو صیقل کیا جائے۔ دوم اسکا جِرم صاف اور شفاف ہو۔ سوم اسمین کجی بالکل نہو۔ اسیطرح جب قلب کے اندر تینون اوصاف موجود ہونگے کہ خواہشات نفسانی کے ترک کردینے سے اسکی صیقل ہوجائیگی اور ذکر الٰہی سے اسمین صفائی پیدا ہوگی اور افعالِ اعضاء کو اعتدال پر رکھنے سے اسمین کجی نہ آنے پاویگی۔ تو اسوقت بیشک اسمین تجلیاتِ باری تعالیٰ کا انعکاس ہوگا۔ اعتدال کے یہ معنی ہین کہ ہر چیز کو اسکے موقع پر رکھا جائے مثلاً چار سمت مین سے ایک سمت یعنی جانب قبلہ کو اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے لہذا تمام نیک کامون مین خواہ ذکر الٰہی ہو یا تلاوتِ قرآن اور وضو ہو یا دعا قبلہ کی جانب منہ کیا جائے۔ اور جو افعال گھنیانے کے قابل ہون مثلاً قضاء حاجت یعنی بول وبراز اور جماع مین ستر کھولنا وغیرہ انمین اس جانب سے رُخ پھیر لیا جائے ایسا کرنا چونکہ سمتِ قبلہ کی عزت کا قائم رکھنا ہے لہذا اسکا نام اعتدال ہے۔ یا مثلاً حقتعالیٰ نے داہنی جانب کو بائین جانب پر شرف بخشا ہے اسلئے تمکو بھی اس شرف کا ہر وقت خیال رکھنا چاہئے کہ اگر اچھے کام کرنے ہون مثلاً کلام مجید اٹھانا یا روٹی کھانا تو داہنا ہاتھ آگے بڑھاؤ اور میلے کام ہون مثلاً استنجا کرنا۔ ناک سنکنا یا بضرورت کسی ناپاک چیز کو ہاتھ لگانا تو بایان ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ کپڑا پہنو تو اول داہنی طرف اور جوتہ پہنو تو اول داہنے پاؤن مین پہنو۔ مسجد مین جاؤ تو اول داہنا پاؤن رکھو اور جب باہر نکلو تو اول بایان پاؤن نکالو۔ الغرض ہر شے کے مرتبہ کا خیال رکھنا عدل اور انصاف کہلاتا ہے اور اس ظاہری اعتدال سے قلب بھی معتدل اور مستوی ہوجائیگا۔ اگر یہ رمز تمھاری سمجھ مین نہین آیا ہے تو تم تجربہ کر دیکھو اور اسکا تو تمنے تجربہ کیا بھی ہوگا کہ جو لوگ سچ بولنے کے خوگر ہوگئے ہین انکے خواب بھی اکثر سچے ہوتے ہین اور جو لوگ جھوٹ بولتے ہین انکی خوابین بھی اکثر جھوٹی ہوتی ہین کیونکہ راست گوئی سے قلب مین اعتدال اور راستی

خربوزہ

کامل اتباع رسولؐ یہ ہے کہ عبادات اور عادات دونون مین ہو

عادات محمدیہ کے اتباع مین منفعت دینیہ کی حکمتین اور اسرار

واستقامت آجاتی ہے اور دروغگوئی سے اسمین کجی پیدا ہوجاتی ہے۔ دیکھو شعرا اکثر جھوٹے اور لغو تخیلات کے عادی ہوجاتے ہین اسلیئے انکے قلوب مین کجی پیدا ہوجاتی ہے۔ پس جہانتک ہوسکے جھوٹے خیالات کو دل مین جگہ ندو ورنہ دل کا اعتدال ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ دوسرا رمز یہ ہے کہ دوائین دو قسم کی ہوتی ہین بعض وہ کہ جنکے اثر اور تاثیر مین مناسبت ہے۔ مثلاً شہد چونکہ گرم ہے اسلیئے گرم مزاج والونکو نقصان دیتا ہے اور سرد مزاج والونکو نفع پہونچاتا ہے۔ ایسی دوائین بہت کم ہین اور اکثر دوائین دوسری قسم مین داخل ہین کہ جنکی تاثیر کسی مناسبت سے معلوم نہین ہوتی اسکا نام خاصیت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہر شے کی خاصیت یا تو الہام سے معلوم ہوتی ہے یا وحی سے یا تجربہ سے مثلاً سقمونیا دست آور ہے اور رگون سے صفرا کو کھینچ لیتا ہے۔ یا مقناطیس کی یہ خاصیت ہے کہ لوہے کو اپنی جانب کھینچتا ہے۔ یہ دونون تاثیرین تجربہ ہی سے معلوم ہوئی ہین۔ اسیطرح اعمال و افعال کی تاثیرین بھی دو ہی طرح کی ہین یعنی بعض اعمال ہین وانکی تاثیرون مین تو مناسبت کھلی ہوئی موجود ہے۔ مثلاً نفس کی خواہشون کا پورا کرنا اور دنیوی لذتونکے پیچھے پڑجانا مضر ہے۔ کیونکہ جب مرتے وقت دنیا سے روانگی ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ ایک نہ ایک دن ضرور ہونا ہے تو اسوقت ان لذتونکو چھوڑتے ہوئے حسرت ہوگی اور جب کچھ بن نہ پڑیگا تو حسرت بھری نظرون سے دیکھتا ہوا رخصت ہوگا۔ پس لذتونمین پڑنے اور انکے نقصان و ضرر مین مناسبت معلوم ہوگئی یا مثلاً ذکر الٰہی مفید ہے کہ ذکر کے سبب حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اور معرفت کی بدولت محبت پیدا ہوگی اور محبت خداوندی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت کی ناپائدار لذتون کا شوق ہوگا۔ دنیا سے جاتے وقت کچھ بھی حسرت نہوگی بلکہ اپنے محبوب سے ملنے کے شوق مین ہنسی خوشی روانہ ہوگا۔ پس ذکر اللہ اور اسکے ثمرہ و اثر مین بھی مناسبت ظاہر ہے۔ **البتہ** دوسری قسم کے اعمال و انکی تاثیر مین کچھ مناسبت معلوم نہین ہوتی اور یہ وہی خاصیت ہے جو وحی اور نور نبوت کے علاوہ کسیطرح بھی معلوم نہین ہوسکتی۔ اور اکثر اعمال شریعت چونکہ اسی قسم مین داخل ہین لہذا جب تم دیکھو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مباح کامون مین سے باوجود دونون پر قدرت ہونیکے ایک کو ترجیح دی ہے۔ مثلاً استنجا داہنے ہاتھ سے بھی کرسکتے تھے مگر پھر بائین ہاتھ کو اس کام مین لگایا اور سیدھے ہاتھ کو علیحدہ رکھا ہے۔ تو یہ علامت ہے کہ آپ نے اسکی خاصیت معلوم فرما کر ایسا کیا ہے اور ضرور اسمین کوئی خاص نفع ہے جسکو ہر شخص نہین سمجھ سکتا۔ تعجب کی بات ہے کہ محمد بن زکریا طبیب پتھرون اور بوٹیون کی جو خاصیتین بتائے وہ تو بلا چون و چرا اور بے سوچے سمجھے صحیح مان لیجائین اور سید البشر محمد بن عبداللہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نور نبوت اور وحی ربانی سے اعمال و افعال کی جو خاصیتین بیان فرمائین انکو نہ مانا جائے اور خلاف عقل بنایا جائے۔ مسلمانو یقین جانو کہ طبیب روحانی جو کچھ بھی کریگا ضرور اسمین نفع ہوگا اگرچہ اسکی مصلحت تمہاری عقل و علم مین نہ آسکے۔ تیسرا رمز یہ ہے کہ انسان جانورونکی طرح آزاد و بیکار نہین پیدا کیا گیا بلکہ اسکو اشرف المخلوقات اور شریعت کا پابند بنایا گیا ہے۔ اسلیئے تمکو مناسب ہے کہ جو کام کرو وہ سنت کے موافق کرو تاکہ نفس محکوم اور مطیع بنا رہے اور فرشتہ خصلت بنجاؤ۔ اور یون سمجھو کہ بندگی بیچارگی

کا نام ہے! اسلئے بندہ کو چاہئے کہ جو حرکت بھی کرے وہ اتباع رسول کی نیت اور پیغمبر کے حکم سے کرے تاکہ آثار بندگی ہر وقت ظاہر ہوتے رہیں اور ہر دم ریاضت اور اطاعت کا اجر ملتا رہے۔ پابندی وہ چیز ہے کہ اگر فرضاً کوئی شخص اپنا تمام اختیار کسی جانور کے ہاتھ میں دیدے تب بھی یہ شخص اُس سے اچھی حالت میں ہوگا جو سراپا اپنی خواہش پر چلتا ہے۔ یہ فائدہ اخیرہ حکم شرعی کی ہر وضع سے حاصل ہو سکتا ہے خواہ کسیطرح حکم مقرر ہو جاوے۔ کیونکہ اسکا جو مقصود اصلی ہے کہ ایک خاص طرز کی پابندی ہو یہ ہر طور پر حاصل ہے تو شرائع مختلفہ کے احکام بدل جانے پر بھی یہ فائدہ خاصہ محفوظ رہا بخلاف اوّل اور دوسرے فائدہ کے کہ حکمت اور خاصیت ایک معین چیز ہے اور وہ اختلاف شرائع سے بدل جائیگی۔ پس اگر تم تینوں رفروں پر آگاہی حاصل کر لوگے تو تمام حرکات و سکنات میں اتباع سنت کی ضرورت تمکو واضح ہو جائیگی

فصل جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے وہ اُمور عادیہ میں اتباع سنت کی ترغیب کے لئے بیان کیا ہے اور جن اعمال کو عبادات سے تعلق ہے اور انکا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے انہیں بلا عذر اتباع چھوڑ دینے کی تو سوائے کفر خفی یا حماقت جلی کے اور کوئی وجہ ہی سمجھ میں نہیں آتی۔ مثلاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس درجہ فضیلت ہے"۔ اسکے ماننے کے بعد اگر کوئی مسلمان بلا کسی معقول عذر کے جماعت کی نماز ترک کرے تو اسکا سبب یا تو اسکی حماقت ہے کہ اگر کوئی شخص دو پیسہ چھوڑ کر ایک پیسہ لے تو اسکو احمق بتاوے اور خود ستائیس فضیلتیں چھوڑ کر ایک پر اکتفا کرے تو بیوقوف نہو۔ اور یا نعوذ باللہ یہ خیال ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محض انتظامی مصلحت کی بنا پر ہے تاکہ اس رغبت سے لوگ ایک جگہ جمع ہو جایا کریں کیونکہ ستائیس کے عدد اور جماعت سے نماز پڑھنے میں کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ پس اگر خدانخواستہ ایسا خیال ہے تو یہ کفر ہے اور کفر بھی ایسا خفی کہ اسکی اطلاع اپنے آپکو بھی نہیں ہے۔ لوگوں کا ایسا حال ہو گیا ہے کہ اگر کوئی طبیب یا رمّال یا نجومی کوئی بات بتائے تو اسکی وجہ خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اسکو فوراً تسلیم کر لینگے۔ لیکن نبی کے قول میں مناسبت ٹٹولتے ہیں۔ اگر کوئی نجومی یوں کہے کہ ستائیس دن گذرنے پر تمکو ایک مصیبت کا سامنا ہوگا۔ کیونکہ تمھارے طالع اور زحل میں ستائیس درجہ کا بعد ہے اور ہر روز ایک درجہ کم ہوگا اسلئے اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو گھر میں بیٹھے رہو اور باہر نہ نکلو تو اسکو سنکر بیشک تم گھر کے پیوند ہو جاؤگے اور سب کاروبار چھوڑ بیٹھو گے۔ اور اگر کوئی سمجھائے بھی کہ ارے میاں ایک درجہ کو اور ایکدن کو مناسبت کیا ہے؟ اور مصیبت اور زحل میں کیا تعلق ہے؟ نیز باہر نہ نکلنے اور مصیبت کے ٹلجانے میں کیا علاقہ ہے؟ یہ سب واہیات باتیں اور نجومی پنڈتوں کے ڈھکوسلے ہیں تو تم اسکا کہنا کبھی نہ مانوگے اور اسکو احمق و بیوقوف اور علم نجوم کا منکر سمجھوگے۔ پھر افسوس صد افسوس کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تبلائے ہوئے اعمال میں تمام مناسبتوں کا سمجھنا چاہتے ہو اور اگر نہ سمجھ میں آئیں تو منکر و بد اعتقاد بنے جاتے ہو تمہیں بتاؤ کہ کیا یہ کفر اور انکار رسالت نہیں ہے؟ حالانکہ ان عبادات کا مؤثر ہونا تو تجربہ سے بھی معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ نبی کی دی ہوئی خبر ونکی مناسبتیں اور

عبادات میں اتباع سنت کو بلا عذر چھوڑنا کفر خفی یا حماقت جلی ہے۔

خاصیت اعمال مین ضعیف حدیث پر بھی عمل کرلینا اچھا

مصلحتین سب ہی کو معلوم ہوجایا کرین۔ بھلا مین تم سے پوچھتا ہون کہ اگر طبیب کوئی دوا بتلائے اور اسکی خاصیت تمسے نہ بیان کرے یا نجومی کسی آئیندہ واقعہ پر کوئی حکم لگائے اور اسکی مناسبت تمکو نہ بتائے تو کیا اسکی بات منظور نہین کرتے ہو مگر افسوس ہے کہ نبی ورسول کوئی روحانی علاج فرمائین اور اسکی مناسبت اور خاصیت نہ بتلائین تو اسکو منظور نہین کرتے۔ اسکا سبب سوائے اسکے اور کیا ہے کہ نجومی اور طبیب چونکہ موجودہ زندگی کے متعلق علاج بتارہے ہین اور اس زندگی کیساتھ تمکو محبت ہے لہذا آنیوالی مُصیبت یا مرض کے فکر مین اسکی وجہ اور مناسبت تک پوچھنے کا ہوش نہین رہتا بلکہ دس برس بعد آنیوالی مصیبت کا آج ہی سے فکر و انتظام شروع ہوجاتا ہے۔ حالانکہ وہ محض موہوم اور ایسے لوگون کی بتائی ہوئی باتین ہین جنکا ہزارون دفعہ جھوٹ تم خود آزما چکے ہو اور جو ٹکے ٹکے پر ایسی باتین بتاتے دربدر مارے پھرتے ہین۔ اور نبی چونکہ طبیب روحانی ہین اسلئے قلبی امراض کا علاج اور دائمی صحت کی تدبیر بتلاتے ہین مگر اسکی تمھین مطلق پروا نہین ہے فکر نہین ہے اندیشہ نہین بلکہ آنیوالی آخرت کی زندگی کا جیسا یقین ہونا چاہئے وہ یقین ہی حاصل نہین اسلئے اسمین مناسبتین پوچھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسی غفلت سے بچائے جسکی وجہ سے عبادتون مین بھی اتباع رسول نہو سکے مُسلمان کی یہ شان ہے کہ جس امر مین بھی کوئی حدیث وارد ہوئی ہو اسمین بے چون وچرا اقتدا کرے مثلاً رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شنبہ یا پنجشنبہ کیدن پچھنے لگوا لینے سے برص کا اندیشہ ہے۔ ایک محدث نے اس حدیث کو ضعیف کہکر قصداً شنبہ کے دن پچھنے لگوائے تھے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ برص مین مبتلا ہو گئے۔ چند روز بعد ایک شب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مرض کی شکایت کرنے لگے تو حضرت نے فرمایا کہ "جیسا کیا ویسا بھگتو۔ شنبہ کیدن پچھنے کیون لگوائے تھے"؟ انہون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس حدیث کا راوی ضعیف تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث تو مری ہی نقل کرتا تھا عرض کیا کہ یارسول اللہ خطا ہوئی اب مین توبہ کرتا ہون۔ یہ سُنکر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی اور صبح کو آنکھ کھلی تو مرض کا نشان بھی نہ رہا اسیطرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عصر کے بعد سوجانیسے عقل کے جاتے رہنے کا خوف ہے" اور ایک حدیث مین آیا ہے کہ جس شخص کے ایک جوتہ کا تسمہ ٹوٹ جائے تو جب تک اسکو درست نہ کرالے اسوقت تک صرف ایک جوتہ پہنکر نہ چلے" ایک حدیث مین ہے کہ زچہ کی اوّل خوراک تر کھجور ہونی چاہئے اور اگر یہ نہو تو خشک چھوارا ہی سہی کہ اس سے بہتر کوئی غذا ہوتی تو حق تعالیٰ عیسےٰ روح اللہ کے پیدا ہونے پر بی بی مریم کو وہی کھلاتے" نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "جب کوئی تمھارے پاس مٹھائی لائے تو اسمین سے کچھ کھا لیا کرو اور خوشبو لائے تو لگا لیا کرو" غرض اسیطرح جو کچھ بھی طبیب روحانی فرمائے اسمین مناسبتین نہ ٹٹولو اور بے چون وچرا مان لو کہ ان امور مین بے شمار اسرار اور رموز ہین جنکی خاصیتین ہر شخص کی سمجھ مین نہین آسکتین۔

عہ یعنی میری طرف منسوب کرنا درجہ موضوعیت مین نہ تھا اور بیان تھا خاصیت عمل کا نکہ حلال اور حرام کا پھر عمل کرنا ہی احتیاط کی بات تھی ۱۲ مولانا

خاتمہ اور اوراد مذکورہ کی ترتیب

مذکورہ عبادتوں میں بعض عبادتیں جمع ہوسکتی ہین جیسے نماز اور روزہ اور تلاوت کلام اللہ۔ کہ تینون ایکوقت مین پائی جاسکتی ہین مثلاً روزہ دار شخص نماز مین قرآن شریف پڑھے تو دیکھو ایک ہی وقت مین تینون عبادتین حاصل ہوگئین البتہ بعض عبادت دوسری عبادت کے ساتھ جمع نہین ہوسکتی۔ مثلاً یہ نہین ہوسکتا کہ ذکر الٰہی بھی ہو اور تلاوت کلام اللہ بھی ہو۔ یا نماز بھی ہو اور مسلمانونکے حقوق کی خبرگیری بھی ہو۔ اسلئے مناسب ہے کہ رات دن کے چوبیس گھنٹون پران مختلف عبادتونکو تقسیم کرلو۔ کہ اوقات کے انضباط سے سہولت ہوجائیگی اور جو عبادت کا مقصود ہے وہ بھی حاصل ہوجائیگا یعنی ذکر الٰہی سے انس اور جہان فانی سے بیزاری اور نفرت پیدا ہوجائیگی۔ یاد رکھو کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس عالم فانی کے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ سے محبت کرے تاکہ آخرت کی خوبی اسکو حاصل ہو۔ اور چونکہ محبت بغیر معرفت کے ہو نہین سکتی اسلئے معرفت الٰہی مقدم اور ضروری ہے۔ اور معرفت حاصل ہونیکا طریقہ یہی ہے کہ ہر وقت حقتعالےٰ کے دھیان اور یاد مین مشغول رہو۔ اور چونکہ جتنی بھی عبادتین ہین سب دھیان اور یاد ہی کی غرض سے ہین اور انکو مختلف اقسام کا اسلئے بنایا گیا ہے تاکہ ہر وقت ایک طرز کی عبادت مین مشغول رہنے سے دل گھبرا نجائے۔ اور نیز اگر ہر وقت ایک ہی عبادت کیجائیگی تو طبیعت اسکی خوگر ہوجائیگی اور عادت ہوجانیکی وجہ سے قلبی اثر ان سے جاتا رہیگا۔ اسلئے ہر عبادت کیلئے جُدا وقت تجویز کرلینا ضروری ہے۔ البتہ جو لوگ فنا اور مستغرق ہوجائین انکو ترتیب و تقسیم کی ضرورت نہین کہ انکے نزدیک پہونچکر ایک ہی عبادت رہجاتی اور ہر وقت ذکر مین مشغولی ہوتی ہے۔ مگر یہ درجہ ایسا نہین کہ ہر شخص اسکو حاصل کرسکے اسلئے تمھین اوقات منضبط کرنیکی نہایت ضرورت ہے کہ فلان وقت سے فلان وقت تک یہ عبادت اور اس گھنٹہ سے اس گھنٹہ تک یہ عبادت اور دن کو یہ اور رات کو یہ۔ البتہ اگر علم دین پڑھتے پڑھاتے ہو یا کسی جگہ کے حاکم ہو اور رعایا کی حفاظت مین مشغول ہو تو دن بھر اسمین مشغول رہنا دوسری عبادتون سے بہتر ہے۔ کیونکہ علم دین ہی کی بدولت حکم الٰہی کی تعظیم حاصل ہوتی ہے۔ اور جو نفع اس تعلیم و تعلم یا مخلوق کی حفاظت و نگہبانی سے لوگونکو پہونچتا ہے وہ اصل دین ہے۔ اسیطرح عیالدار آدمی کو محنت مزدوری کرنا اور حلال معاش سے بال بچون اور متعلقین کا پیٹ بھرنا بھی عبادت بدنی سے افضل ہے۔ مگر ان حالتون مین بھی ذکر الٰہی سے علیحدگی مت اختیار کرو۔ بلکہ جسطرح کسی حسینہ معشوقہ کا عاشق اپنے معشوق کے سوا جس کام مین بھی مشغول ہوتا ہے بحالت مجبوری صرف ہاتھ پاؤن سے مشغول ہوتا ہے کہ دل ہر وقت معشوقہ ہی مین پڑا رہتا ہے اسیطرح تم بھی جس کام مین مشغول ہو اعضا و بدن سے اسکا انجام دو مگر دل کو حق تعالیٰ ہی کے خیال مین رکھو۔ شیخ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ سے کسب کرتے اور محنت مزدوری سے معاش حاصل کیا کرتے اور یون فرمایا کرتے تھے کہ ہمین تین چیزین مرحمت ہوئی ہین یعنی ہاتھ اور زبان اور قلب سو ہمین سے ہاتھ کسب معاش کیلئے ہے اور زبان مخلوق کیواسطے تاکہ پڑھائین اور سمجھائین اور باتین کرین اور قلب دُنیا کے کسی شخص کا نہین بلکہ صرف اللہ جل جلالہٗ کا

عبادتون کے مختلف اقسام ہونے مین حکمت

عیالدار شخص اور عالم اور حاکم کیلئے عبادت

کے لئے ہے کہ ہروقت اُسکے حضور میں حاضر رہے۔

اعمال ظاہری کا بیان ختم ہوا عمل کرنیوالونکے لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہی کافی ہے۔ حقتعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے۔

دوسری قسم مین قلب کے مذموم اخلاق سے پاک کرنیکی ضرورت کا بیان اور اُنکی تفصیل اور طریقہ کا ذکر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جسنے اپنا قلب پاک کیا وہی فلاح کو پہونچا" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "طہارت نصف ایمان ہے" کیونکہ ایمان کے دو جزو ہین۔ یعنی قلب کا اُن نجاستون سے پاک کرنا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہین اور اُن خوبیون سے آراستہ کرنا جو اللہ پاک کو پسند اور محبوب ہین۔ گویا نجاست سے طہارت حاصل کرنا ایمان کا ایک جزو ہے اور طاعت سے زینت و زیبائش دینا اسکا دوسرا جزو ہے۔ لہٰذا اول وہ اخلاق ذمیمہ معلوم ہونے چاہئین جن سے قلب کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ سو انکے اصول بھی دس ہین جنمین ہر ایک کا بیان جُدا جُدا کیا جاتا ہے:۔

پہلی اصل کثرت اکل اور حرص طعام کا بیان

زیادہ کھانا اور پیٹ بھرنیکی ہوس بہیبوان گناہونکی جڑ ہے۔ کیونکہ اس سے جماع کی خواہش بڑھتی ہے اور جب شہوت بڑھتی ہے تو مال حاصل کرنیکی خواہش ہوتی ہے کہ شہوتین مال کے بغیر پوری نہین ہوسکتین اسکے بعد طلب جاہ کی خواہش ہوتی ہے کہ جاہ کے بغیر مال حاصل ہونا دشوار ہے۔ اور جب مال وجاہ کی خواہش پیدا ہوگی تو تکبر، ریا، حسد، کینہ، عداوت غرض بہتیری آفتین جمع ہوجائینگی اور دین کی تباہی کا پورا سامان اکٹھا ہوجائیگا۔ اسی لئے حدیث مین بھوک[ع] کی زیادہ فضیلت آئی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "آدمی کیلئے بھرنیکے واسطے پیٹ سے زیادہ کوئی برا برتن نہین ہے آدمی کو ضرورت کیلئے تو چند لقمے کافی ہین جنسے زندگی قائم اور کمر مضبوط رہے اور اگر زیادہ ہی کھانا ضرور ہے تو پیٹ کے تین حصے کرے کہ تہائی کھانیکے لئے ہو اور تہائی پانی کیلئے اور تہائی حصہ سانس لینے کیلئے خالی چھوڑدے" بھوک مین فائدے تو بیشمار ہین مگر ہم انہین سے چند بڑے فائدون کا ذکر کرتے ہین جنکو اصول کہنا چاہئے اور درحقیقت آخرت کی سعادت کا حاصل ہونا انہین پر موقوف ہے۔ **اول** قلب مین صفائی اور بصیرت مین روشنی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ پیٹ بھر لینے سے بلادت پیدا ہوتی ہے اور قلب کی آنکھین اندھی ہوجاتی ہین۔ اور جب ذکاوت جاتی رہی تو معرفت الٰہی ہرگز حاصل نہین ہوسکتی۔ **دوم** دل رقیق ہوجاتا ہے اور مناجات مین مزہ آتا ہے۔ کیونکہ جب پیٹ کا توبرہ خالی ہوگا تو اپنے مالک کے سامنے سوال والتجا اور دعا کرنے مین لطف آئیگا اور خوف وخشیت وانکسار پیدا ہوگا جو معرفت کے حاصل کرنے کی کنجیان ہین۔ **سوم** نفس سرکش اس سے ذلیل اور مغلوب ہوجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب دشمن خدا کو شکست ہوئی اور غفلت کا دروازہ بند ہوگیا تو حق تعالیٰ کی جانب توجہ ہوگی

تزکیۂ قلب ایمان کے دو جزو ہین

تقلیل طعام کے فوائد

ع ٥ مراد وہ مقدار ہے جس سے ضعف جسم اور تشویش خاطر پیدا نہو ورنہ یہ دونون مضر اور عبادت وتوجہ الی اللہ کیلئے مانع ہین۔ ١٢

اور سعادت کا دروازہ کھلجائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر دُنیا پیش کی گئی تو آپ نے منظور نہیں فرمایا اور عرض کیا کہ بار الٰہا میں چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھرے تاکہ شکر ادا کروں اور ایک دن فاقہ ہو تو کہ صبر کروں"۔ چہارم آخرت کی مصیبتوں اور عذاب کی تکلیفوں کا دُنیا میں بھی کچھ مزہ چکھنا چاہیئے تاکہ انکی اذیت سے نفس باخبر ہو کر ڈرے۔ اور ظاہر ہے کہ بھوک سے زیادہ انسان اپنے نفس کو کوئی عذاب نہیں پہونچا سکتا۔ کیونکہ اسمیں کسی قسم کے تکلف اور سامان فراہم کرنیکی حاجت نہیں ہے۔ اور جب بھوک کی وجہ سے عذاب الٰہی کا ہر وقت مشاہدہ رہیگا تو حق تعالیٰ کی معصیت کیجانب توجہ اور نافرمانی کی جراءت نہو سکے گی۔

پنجم تمام شہوتیں کمزور پڑجاتی ہیں کہ کسی خواہش کے پورا ہونیکی آرزو نہیں رہتی اور دُنیا کی محبت دل سے نکلجاتی ہے۔ حضرت ذوالنون بصری رح فرماتے ہیں کہ جب کبھی میں نے پیٹ بھر کر کھایا تو ضرور کوئی نہ کوئی گناہ مجھسے صادر ہوا یا کم سے کم گناہ کا قصد ہوا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلی بدعت جو ایجاد ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔ جب مسلمانوں کے پیٹ بھرنے لگے تو انکے نفوس انکو دُنیا کی جانب کھینچ لے گئے۔ ششم زیادہ نیند نہیں آتی اور عبادت گران نہیں گذرتی۔ کیونکہ پیٹ بھر کر کھانے سے نیند کا غلبہ ہوا کرتا ہے اور نیند سے عمر بھی کم ہوتی ہے کیونکہ وہ خدا کی عبادت نہیں کرنے دیتی۔ حضرت ابوسلیمان دارانی رح فرماتے ہیں کہ جنہوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اُن میں چھ خصلتیں پیدا ہوئیں اوّل عبادت کی حلاوت جاتی رہی۔ دوم حکمت و فراست اور ذکاوت و نور معرفت کا حاصل ہونا دشوار پڑگیا۔ سوم مخلوق خدا پر شفقت اور ترس کھانے سے محرومی ہوئی کہ سبکو اپنا ہی جیسا پیٹ بھرا ہوا سمجھا۔ چہارم معدہ بھاری ہو گیا۔ پنجم خواہشات نفسانی زیادہ ہوگئیں اور ششم یہ کہ سارے مسلمان مسجدوں میں آرہے ہونگے اور یہ بیت الخلا جارہا ہوگا۔ اللہ کے بندے خانۂ خدا کا طواف کرینگے اور یہ کوڑیوں کا طواف کررہا ہوگا۔ ہفتم دُنیوی تفکرات کم ہوجائینگے اور فکر معاش کا بار ہلکا ہوجائیگا کہ جب بھوک کی عادت ہوگئی تو تھوڑی سی دُنیا پر قناعت کرسکیگا اور پیٹ کی خواہش پورا کرنیکو دوسروں سے قرض نہ لیگا۔ بلکہ اپنے ہی نفس سے قرض مانگ لیگا کہ اسکو خالی رکھیگا۔ شیخ ابراہیم بن ادہم رح سے جب کہا جاتا تھا کہ فلاں چیز گران ہوگئی تو فرمایا کرتے تھے "ترک کردو اور اسکی خواہش چھوڑ کر اسکو ارزان بنالو"۔ اس سے زیادہ ارزانی کیا کہ اسکو خریدا ہی نہ جائے۔

فصل چونکہ شکم سیری اور زیادہ کھانے کی لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے اسلئے یک لخت اسکا چھوڑنا دشوار ہے لہذا اپنی خوراک مقررہ میں روزانہ ایک لقمہ کم کردیا کرو تو مہینہ بھر میں ایک روٹی کم ہوجاویگی اور کچھ گران بھی نگذریگا اور جب اسکی عادت ہوجائے تو اب مقدار اور وقت اور جنس کیطرف توجہ کرو کہ رفتہ رفتہ اعلے درجہ پر پہونچ جاؤ۔ یاد رکھو کہ مقدار کے تین درجے ہیں:۔ اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے یعنی بس اتنا کھانا جس سے کمی کرنے

مقدار طعام کے مراتب

مین زندگی جاتی رہے یا عقل مین فتور آجائے۔ اس سے زیادہ کھانا اسمرتبہ مین گویا پیٹ بھر کھانا ہے جسکی ممانعت ہے۔ حضرت سہل تستری رح کے نزدیک یہی مختار ہے۔ انکی رائے یہ تھی کہ بھوک کے ضعف کیوجہ سے بیٹھکر نماز پڑھنا شکم سیری کی قوت کے سبب کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے افضل ہے **متوسط** درجہ یہ ہے کہ روزانہ نصف مُد یعنی دو تہائی رطل[1] پر التفا کرو حضرت عمر فاروق رض اور اکثر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عادت یہی تھی کہ ہفتہ بھر مین ایک صاع[2] جَو سے زیادہ نہ کھاتے تھے **ادنیٰ** درجہ یہ ہے کہ روزانہ ایک مُد کی مقدار کھاؤ۔ اس سے زیادہ کھاؤگے تو پیٹ کے بندے سمجھے جاؤگے اور چونکہ مقدار خوراک کے بارہ مین لوگونکی طبعتین اور حالات مختلف ہین لہذا سب کے لئے ایک مقدار معین نہین ہوسکتی۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ سیر بھر اناج کھاسکتے ہین اور بعض سے پاؤ بھر بھی نہین کھایا جاتا اسلئے قاعدہ کلیہ یاد رکھو کہ جب اشتہاءِ صادق ہو تو کھانیکی جانب ہاتھ بڑہاؤ اور یہ اشتہا پوری نہونے پائے کہ ہاتھ روک لو۔ صادق اشتہا کی علامت یہ ہے کہ جیسی بھی روٹی سامنے آجائے اسکو سالن اور ترکاری کے بغیر کھانیکی رغبت ہو۔ کیونکہ جب خاص گیہون کی روٹی کی خواہش ہوئی یا سالن کے بغیر روٹی کا کھانا گران گذرا تو معلوم ہوا کہ بھوک کی سچی خواہش نہین۔ بلکہ طبعیت کو لذت اور ذائقہ کیجانب ایسا میلان ہے جیسا شکم سیر ہونیکے بعد پھل یا میوہ کا ہوا کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسکا نام بھوک نہین بلکہ تفکہ اور تلذذ ہے۔

وقت اکل کے مختلف درجات

کھانیکے وقت مین بھی کئی درجے ہین **اعلیٰ** درجہ یہ ہے کہ کم سے کم تین دن بھوکے رہکر چوتھے دن کھایا کرو۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پے درپے چھ چھ دن بھوکے رہتے تھے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رح اور حضرت سفیان ثوری رح سات دن بھوکے رہنے کے عادی تھے۔ اور بعض بزرگونکے فاقہ کی نوبت چالیس دن تک پہونچی ہے اور یاد رکھو کہ جو شخص چالیس دن بھوکا رہیگا اسپر ملکوتی عجائبات واسرار مین سے کوئی راز ضرور منکشف ہوگا۔ اور چونکہ یکلخت اسکا حاصل کرنا بھی دشوار ہے اسلئے آہستہ آہستہ بھوک کی عادت ڈالو **متوسط درجہ** یہ ہے کہ دو دن بھوکے رہو اور تیسرے دن کھایا کرو۔ **ادنیٰ** درجہ یہ ہے کہ روزانہ صرف ایک دفعہ کھاؤ کیونکہ دونون وقت کھانیسے تو بھوک کی کبھی نوبت ہی نہ آئیگی۔ اور جو شخص دو وقتہ کھانیکا عادی ہے اسکو تو معلوم ہی نہین کہ بھوک کا مزہ کیسا ہوتا ہے؟

جنس طعام کے مراتب ثلاثہ

جنس مین اعلیٰ درجہ گیہون کی روٹی کا ترکاری کیساتھ کھانا ہے اور ادنیٰ درجہ جَو کی روٹی کو بلا ترکاری کھانا یاد رکھو کہ ترکاری کی عادت اور مداومت بہت بُری ہے حضرت فاروق رض نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ صاحبزادہ کبھی گوشت روٹی کھاؤ اور کبھی روٹی اور گھی اور کبھی دودھ روٹی اور کبھی سرکہ اور روٹی کبھی زیتون کے ساتھ روٹی کھاؤ اور کبھی نمک کیساتھ اور کبھی روکھی روٹی پر قناعت کیا کرو" حضرت فاروق رض کا یہ ارشاد بھی اُن لوگونکے لئے ہے جنکو ترکاری کی ہمیشہ عادت ہے۔ اور جو اہل طریقت اور سالک ہین انکو تو ترکاری کیا معنی ساری ہی مزہ دار چیزون اور خواہشون کے پورا کرنیسے منع کیا جاتا ہے۔ بعض بزرگون نے ایک ایک چیز کی خواہش کو دس دس اور بیس بیس

[1] ایک رطل چالیس تولہ یعنی کچھ اوپر آدہ سیر کا ہوتا ہے ۱۲ منہ [2] ایک صاع تخمیناً سوا تین سیر انگریزی وزن کا ہوتا ہے ۱۲ منہ

برس رو کے رکھا ہے اور پورا نہیں ہونے دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میری امت میں بدتر لوگ وہ ہیں جنکے بدن عمدہ غذاؤں اور لذیذ طعام سے پرورش پائے ہیں" ایسے لوگونکی ہمتیں طرح طرح کے کھانوں اور قسم قسم کے لباس ہی کیجانب متوجہ ہیں کہ منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں بناتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں کرتے۔

[illegible]

دوسری اصل کثرتِ کلام کی ہوس اور فضول گوئی کا بیان

اسکا قطع کرنا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ یوں تو اعضا کے تمام کاموں کا اثر قلب پر پڑتا ہے مگر زبان چونکہ قلب کی سفیر ہے اور جو نقشہ قلب میں کھنچتا اور جس چیز کا تصور دلمیں آتا ہے اسکا اظہار زبان ہی کیا کرتی ہے اسلئے اسکی تاثیر قلب پر زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ یاد رکھو کہ جب زبان جھوٹی ہو جاتی ہے تو دلمیں بھی صورت کاذبہ کی تصویر کھنچتی اور کجی آجایا کرتی ہے خصوصاً جبکہ جھوٹ کیساتھ لغو گوئی بھی شامل ہو کہ اسوقت تو قلب بالکل ہی سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہانتک کہ زیادہ بکواس سے قلب مرجاتا ہے اور معرفت الٰہی حاصل کرنیکی قابلیت ہی اسمیں نہیں رہتی۔ اسیوجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کا کفیل ہوگیا میں اسکے لیے جنت کا کفیل ہوں" حدیث میں آیا ہے کہ زبان ہی کے کرتوت اکثر لوگونکو اوندھے منہ جہنم میں دھکیلینگے" لہذا اسکی حفاظت بہت ضروری ہے۔ مسلمان کو چاہیئے کہ اگر زبان ہلائے تو نیک بات اور کلمۃ الخیر بولے ورنہ چپ رہے کیونکہ جب زبان زیادہ چلنے لگتی ہے تو لغو گوئی بڑھجاتی ہے اور جب لغو گوئی بڑھگئی تو خدا جانے کس حد پر پہونچے اور کیا کچھ منہ سے بکتا پھرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے منہ میں ایک پتھری رکھ لیتے تھے تاکہ نفس کو تنبہ رہے اور زبان ضرورت سے زیادہ کلام نکرے۔

[illegible]

فصل زبان کے متعلق گناہوں سے بچنے کیلئے اس آیت پر عمل کرنا کافی ہے لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ جسکا خلاصہ منشاء یہ ہے کہ فضول اور بے فائدہ کلام نہ کرو صرف ضروری بات کے اظہار پر اکتفا کرو کہ اسی میں نجات ہے" حضرت انس رضی فرماتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک جوان شخص شہید ہو گیا۔ لڑائی سے فراغت کے بعد شہیدونکی نعشوں میں اسکی نعش بھی ملی اور دیکھا گیا تو اسکے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسکی ماں آئی اور فاقہ کی حالت میں اللہ کے نام پر جان دینے والے شہید بیٹے کے پاس بیٹھکر اسکے منہ سے مٹی پونچھی اور کہا کہ بیٹا تجکو جنت مبارک ہو" یہ سنکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا خبر ہے ممکن ہے کہ بیفائدہ کلام کرنیکا عادی ہو" اس سے معلوم ہوا کہ فضول کی عادت جنت میں جانیسے روکنے والی چیز ہے مسلمان کو وہی بات زبان سے نکالنی چاہیئے جسمیں یا تو ثواب حاصل ہو اور یا کوئی نقصان رفع ہو اور جس بات کے زبان سے نہ نکالنے میں کوئی ثواب جاتا ہے نہ کچھ نقصان ہوتا ہے تو وہ عبث اور فضول ہے اور اس سے احتراز کرنیکی ضرورت ہے۔ دیکھو جتنی دیر فضول گوئی میں مشغول رہتے ہو اگر یہ وقت ذکر الٰہی میں صرف ہو تو نیکیوں کا کتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے۔ پھر بھلا خزانہ کو چھوڑنا اور پتھر ڈھیلے جمع کرنا کونسی عقلمندی ہے؟ اور

[illegible]

ناول اور تاریخ وغیرہ کا مطالعہ

اگر فضول گوئی سے بڑھکر دروغگوئی تک نوبت پہونچی اور زبان سے غیبت اور گالیاں و فحش یعنی ایسی باتین نکلنے لگین جنمین نفع تو درکنار اُلٹا دین کا ضرر اور نقصان ہے تب تو ایسی مثال ہوگئی کہ بھرپور خزانہ چھوڑکر آگ کے الاؤ مین جا گھسے اللہ پناہ مین رکھے ہم حالت سے۔ تمام قصے۔ کہانیان سفرنامے مختلف ملکونکی تاریخین اور باشندگان دنیا کے لباس و خوراک اور طرز معاشرت و تمدن کے تذکرے اور تجارتون حرفتون صنعتون کے حالات سب اسی فضول و عبث کلام مین داخل ہین جسمین مشغول ہونا مسلمان کے مقصود اور آیت مذکورہ کی منشاء کے بالکل خلاف ہے۔

فصل زبان کے متعلق بنیس[20] آفتین ہین اور چونکہ ہر ایک کی جدا جدا تشریح کا یہ موقع نہین اسلئے مختصر طور پر یہان صرف اُن پانچ گناہون کا بیان کئے دیتے ہین جنمین لوگ بکثرت مبتلا ہین اور جنکی بدولت زبان گو یا نجاستونکی خوگر ہوگئی ہے

ہنسی مذاق کا جھوٹ

پہلی آفت جھوٹ بولنا ہے حدیث مین آیا ہے کہ ”آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہان تک کہ اسکا عادی ہوجاتا ہے اور خدا کے یہان جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے“۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ ”جھوٹ بولنا مسلمان کی شان نہین اور ایمان اور جھوٹ ایک جگہ جمع نہین ہوسکتے“ یاد رکھو کہ جھوٹ بولنے سے قلب مین کجی آجاتی ہے اور خواب بھی سچے نظر نہین آتے۔ اسلئے مذاق مین بھی دوسرونکے ہنسانیکو جھوٹ نہ بولو اور ہمیشہ جھوٹے خیالات و خطرات سے قلب کو بچائے رکھو ورنہ قلب مین کجی پیدا ہوجائیگی۔ اور تجربہ اسکا شاہد ہے کہ ایسے آدمیونکو خواب بھی سچا نظر نہین آتا۔ ایک مرتبہ کسی عورت نے اپنے صغیرسن بچے کو بلایا اور کہا کہ آؤ ہم تمہین ایک چیز دینگے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ اگر بلانیسے بچہ آگیا تو کیا چیز دیگی؟ عورت نے کہا کہ چھوارا دیدونگی آپ نے فرمایا اگر کچھ دینے کا ارادہ نہوتا اور صرف بچہ کو بہلانیکے لئے ایسا لفظ کہتی تو یہ بھی زبان کا جھوٹ شمار ہوتا“۔ البتہ ضرورت کے موقع پر جھوٹ بولنا جائز بھی ہے بشرطیکہ سچ بولنے سے کسی ایسے گناہ یا نقصان کا اندیشہ ہو جو جھوٹ کے گناہ و نقصان سے زیادہ ہے۔ مثلاً دو مسلمانونمین صلح کرادینے یا جہاد مین دشمن کو دھوکہ[1] دینے یا بی بی کو رضامند اور خوش کرنیکے لئے جھوٹ بولدینے کی حدیث مین اجازت آئی ہے۔ اسکی وجہ یہی ہے کہ مسلمانونمین عداوت اور رنج رہنے سے جو بُرا نتیجہ ہوگا وہ جھوٹ کے نقصان سے بڑھا ہوا ہے۔ اسیطرح جنگ کے راز کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے کہ دشمن کو اطلاع ہوئی تو اسکو حملہ کا موقع ملیگا اور ہزارون مقدس نفوس تلف ہوجائینگے۔ اسلئے اصل بات کا ظاہر نکرنا اور جھوٹی بات بنادینا افضل ہوا۔ اسیطرح خاوند کے بعض اسرار بی بی سے مخفی رہنے کے قابل ہین۔ پس اگر راستگوئی کے سبب کوئی خیال اُسپر ظاہر ہوگیا اور میان بی بی مین نا اتفاقی ہوگئی تو جو بُرا اثر اسکا پیدا ہوگا اسمین جھوٹ بولنے کے بہ نسبت زیادہ گناہ ہے پس ایسی صورتمین جھوٹ بولنے کی اجازت ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو بلاؤنمین مبتلا ہوجائے تو آسان اور ہلکی مصیبت کو ترجیح دیکر اپنے لئے ختیار

کن مصلحتوں کیلئے جھوٹ جائز ہے اور اسکی حکمت

---

[1] اس سے بدعہدی مُراد نہین کہ وہ حرام ہے بلکہ دھوکہ یہ ہے کہ بحالت عدم صلح مین ایسی کارروائی کی کہ غنیم تو کچھ اور سمجھا اور بے فکر ہوگیا اور اسنے اپنا کام نکال لیا ۱۲ مولانا

کر لیتا ہے۔ اِسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شخص کے بھوکا مرجانیکا اندیشہ ہو تو اسکے لئے مُردار بھی حلال ہے۔ اسیطرح اپنا یا اپنے مُسلمان بھائی کا مال ظالم کے ہاتھ سے بچانیکو یا کسیکی خُفیہ رکھی ہوئی امانت کو محفوظ رکھنے کیلئے دوسروں کے سامنے انکار کر دینا اور جھوٹ بولدینا جائز ہے۔ اور اپنی معصیت و گُناہ کا انکار کر دینا بھی اسیوجہ سے جائز ہے کہ فسق و فجور کا اعلان حرام ہے۔ یا اپنی بی بی سے یہ کہدینا کہ میری دوسری بی بی یعنی تمہاری سوت مجھے تمسے زیادہ پیاری نہیں ہے۔ یہ سب باتیں اِسی بنا پر جائز ہیں کہ اس جھوٹ سے ایک ضرر دفع کیا گیا ہے۔ البتہ روپیہ کمانے یا عزت و جاہ حاصل کرنیکی غرض سے جھوٹ بولنا ہرگز حلال نہیں ہے کیونکہ اگر مال و جاہ نہ بڑھے تو کوئی نقصان نہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ سچ سے نفع حاصل نہیں ہوتا اور نفع کا حاصل نہونا نقصان نہیں کہلاتا۔ اس باریکی کو لوگ سمجھتے نہیں اور اکثر اس غرض کیلئے جھوٹ بولا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ حرام قطعی ہے۔ اور درحقیقت انکے دین کی تباہی کا یہی سبب ہے کہ ضرورت اور بے ضرورت میں تمیز نہیں کرتے افسوس کی بات ہے کہ جاہلوں نے خیالی اور فرضی ضرورتونکو بھی ضرورت سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ شرعی اور واقعی ضرورت جسکا نام ہے وہ ہم اوپر بیان کر چکے کہ جب تک حالتِ اضطرار اور کسی بڑے نقصان کا غالب گمان نہو اسوقت تک جس طرح مُردار کا کھانا حلال نہیں ایسے ہی جھوٹ بولنا جو شرعاً حرام ہے وہ بھی جائز نہیں۔ اور اس شدید ضرورت کے موقع پر بھی حتی الامکان تعریض اور توریہ ہی کرنا چاہیئے کہ نفس کو جھوٹ بولنے کی عادت نہو جائے۔ شیخ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ گھر کے اندر کسی ضروری کام میں مشغول ہوتے اور کوئی شخص انکو باہر بُلاتا تو خادمہ سے کہتے تھے کہ یوں کہدے "وہ مسجد میں ڈھونڈو" اور حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ اُنگلی سے ایک دائرہ کھینچکر خادمہ سے فرماتے کہ اس گھیرے کے اندر اُنگلی رکھکر کہدے کہ "یہاں نہیں ہیں" اس تعریض سے اپنا مقصد بھی حاصل ہو جاتا تھا اور حقیقت میں جھوٹ بھی نہوتا تھا۔ البتہ صرف صورتِ جھوٹ کی سی تھی جو تعریض اور توریہ کہلاتا ہے۔ اس قسم کی تعریضیں معمولی غرض کیلئے بھی جائز ہیں جبکہ کسیکا حق ضائع نہو جیسے ایک بوڑھیا عورت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مزاح کے طور پر فرمایا تھا کہ "بڑھیا جنّت میں کبھی نجائیگی" یہ سُنکر بوڑھیا رونے لگی کہ ظاہری لفظوں کا مطلب یہی تھا کہ کوئی بڑھیا بھی جنتی نہیں ہے۔ حالانکہ مُراد یہ تھی کہ بوڑھاپے کی حالت سے جنّت میں نہ جائیگی بلکہ جو بڑھیا بھی جنّت میں جائیگی وہ جوان بنکر جائیگی۔ یا مثلاً ایک شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کیلئے اونٹ مانگا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا ٹھیرو "ہم تمہیں اونٹ کا بچہ دینگے" سائل نے عرض کیا کہ بچہ لیکر کیا کرونگا۔ اُسوقت آپ نے تعریض کا مطلب سمجھا دیا کہ "میاں بڑا اونٹ بھی تو آخر کسی اونٹ سے پیدا ہی ہوا ہے اور جس اونٹ سے پیدا ہوا اسکا بچہ ہی تو ہے" یا مثلاً ایک شخص سے آپ نے فرمایا کہ "تمہاری آنکھ میں سُفیدی ہے" ظاہر ہے کہ سب کی آنکھوں میں سفیدی ہوتی ہے مگر چونکہ بظاہر یہ مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ پُتلی میں عیب اور سپیدی کا مرض پیدا ہو گیا ہے اسلئے سُننے والیکو فکر لاحق ہو کر اچھا خاصا مزاح ہو گیا۔ اس قسم کی تعریضیں بی بی بچوں سے خوش طبعی کے طور پر بھی جائز ہیں۔ اسیطرح اگر کوئی شخص کھانا کھانیکی صلاح کرے اور تمہیں باوجود بھوک ہونیکے

تحصیل مال و جاہ کیلئے جھوٹ بولنا حرام ہے

ضرورت پر بھی تعریض و توریہ کرنا چاہیئے تاکہ جھوٹ کی عادت نہ ہو

مزاح و خوش طبعی میں تعریض و توریہ کا استعمال

کھانا منظور نہو تو یہ ہرگز نہ کہو کہ "مجھے بھوک نہین ہے" کیونکہ جھوٹ ہو گا۔ بلکہ تعریض کے طور پر یون کہدو کہ مین اسوقت نہ کھاؤنگا۔ آپ نوش فرمائیے" وغیرہ۔ **دوسری آفت** غیبت کرنا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا تم مین کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے (اور غیبت کرنا گویا مُردہ مسلمان کا گوشت ہی کھانا ہے) پس اس سے پرہیز کرو۔ حدیث مین آیا ہے کہ غیبت زنا سے بھی سخت تر ہے۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ شب معراج مین میرا گذر ایسی جماعت پر ہوا جو اپنے منہ اپنے ناخنون سے نوچ رہی تھی۔ یہ لوگ غیبت کیا کرتے تھے" کسی مسلمان کے پیٹھ پیچھے اسکے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنی کہ اگر وہ سُنے تو اُسکو ناگوار گذرے غیبت کہلاتی ہے مثلاً کسیکو بیوقوف یا کم عقل کہنا یا کسیکے حسب و نسب مین نقص نکالنا۔ یا کسی شخص کی کسی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس غرض جس شے سے بھی اسکو تعلق ہو اسکا کوئی ایسا عیب بیان کرنا جسکا سُننا اُسے ناگوار گذرے خواہ زبان سے ظاہر کیا جائے یا رمز و کنایہ سے یا ہاتھ اور آنکھ کے اشارہ سے یا نقل اُتاری جائے یا تعریض کیجائے یہ سب غیبت مین داخل ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھنگنا ہونا ہاتھ کے اشارہ سے ظاہر کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ وہ عورت جو اتنی سی ہے" اسپر آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ تمنے اُسکی غیبت کی ہے" اور سب مین بدتر غیبت وہ ہے جسکا رواج مُقتدا اور دیندار لوگون مین ہو رہا ہے کیونکہ وہ غیبتین کرتے ہین اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہین۔ انکی غیبتین بھی نرالے انداز کی ہوتی ہین مثلاً مجمع مین کہنے لگے کہ "اللہ کا شکر ہے اسنے ہمکو امیرون کے دروازون پر جانیسے بچا رکھا ہے۔ ایسی بیحیائی سے خدا اپنا پناہ مین رکھے" اس کلمہ سے انکا جو مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ اُمرا کے پاس بیٹھنے والے مولویون پر طعن کرنے اور اُنکو بیحیا کہتے ہین اور ساتھ ہی اپنی صلاحیت و تقویٰ جتا رہے اور ریا کاری کا گناہ کما رہے ہین۔ اسیطرح مثلاً کہنے لگے کہ "فلان شخص کی بڑی اچھی حالت ہے۔ اگر اسمین حرص دُنیا کا شائبہ نہو تا جسمین ہم سب مُبتلا ہو جاتے ہین" اس فقرہ سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا تامل سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ اُس شخص کا بیصبر ہونا ظاہر کرتے ہین اور اپنی طرف عیب کی نسبت اس نیت سے کرتے ہین کہ سُننے والا انکو متواضع سمجھے" یہی غیبت ہے اور ساتھ ہی ریاکاری بھی ہے۔ زیادہ تعجب تو اسپر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غیبت کرتے ہین اور پھر اپنے آپکو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہین۔ یا مثلاً بول اُٹھے "سبحان اللہ بڑے تعجب کی بات ہے" اور جب لوگون نے اُس بات کے سُننے کے شوق مین انکی جانب کان لگائے تو کہنے لگے "کچھ نہین فلان شخص کا خیال آگیا تھا۔ حق تعالیٰ ہمارے اور اُسکے حال پر رحم فرمائے اور توبہ کی توفیق دے" اس فقرہ کا بھی جو کچھ منشا ہے وہ عقلمند پر مخفی نہین کہ انکا یہ کلمہ ترحم و شفقت یا دُعا کی نیت سے نہین ہوتا جیسا کہ ظاہری الفاظ سے وہم پڑتا ہے کیونکہ دُعا کرنا مقصود ہو تو دل ہی دل مین کیون نہ کر لیتے۔ سبحان اللہ کہکر لوگونکو متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ضرور تھا؟ بھلا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیرخواہی کی بات ہے؟ اسیطرح بعض لوگونکی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے اور کہتے ہین کہ بھائی غیبت مت کیا کرو۔ مگر دل انکا غیبت کو

غیبت کی حقیقت

مولویوں کا انداز غیبت

مکروہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس نصیحت کرنیسے محض اپنی دینداری اور تقویٰ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسیطرح کسی مجمع مین غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بنکر کہتے ہین کہ "میان غیبت کرنا گناہ ہے اس سے ہم سُننے والے بھی گناہگار ہوتے ہین" یہ لوگ کہنے کو تو کہہ جاتے ہین مگر دل انکا مشتاق رہتا ہے کہ کاش یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نکرے۔ جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمین سُنائے جائے۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سُننے کا انتظار بھی ہے اور پھولن بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کرکے گناہ سے سبکدوش ہو گئے؟ یاد رکھو کہ جب تک غیبت کرنے اور سُننے کو دل سے بُرا نہ سمجھو گے اسوقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچو گے۔ کیونکہ غیبت کرنیوالا اور سُننے والا دونون برابر ہین! اور جسطرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسیطرح دل سے بھی غیبت کرنا حرام ہے۔ البتہ چند صورتونمین خاص لوگونکی غیبت کرنا جائز ہے جسکی تفصیل ہم بیان کرتے ہین:-

اوّل مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسرِ اعلےٰ تک پہونچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنیکی نیت سے اسکے مظالم بیان کرے تو گناہ نہین ہے۔ البتہ ظالم کے عیوب کا ایسے لوگون سے بیان کرنا جنھین اُسکو سزا دینے یا مظلوم کے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہو غیبت مین داخل اور حرام ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس مین حجاج بن یوسف کا ذکر آگیا تھا تو اونہون نے فرمایا کہ حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلومون کا بدلہ حجاج سے لیگا اور حجاج کا بدلہ اسکی غیبت کرنیوالون سے لیگا کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیونکے سامنے بیان کرتے ہین جنکو حجاج کے کیئے ہوئے ظلم کو رفع کرنیکی طاقت نہین ہے۔ تو ایسے لوگونکے سامنے حجاج کی غیبت کسطرح جائز ہو سکتی ہے؟ **دوم** کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلاف شرع امر کے رفع کرنے مین مدد لینا ہو یا کسیکو اسکے فتنہ سے بچانا ہو تو اس سے بھی ان بدعتی لوگون کا حال بیان کرنا حالانکہ غیبت ہی مگر جائز ہے **سوم** مفتی سے فتوے لینے کیلئے استفتار مین امر واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اسمین کسیکی غیبت ہوتی ہو۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرا خاوند ابوسفیان اتنا بخیل ہے کہ بقدر کفایت بھی مجھکو خرچ نہین دیتا" ظاہر ہے کہ یہ ابوسفیان کی شکایت اور غیبت تھی مگر چونکہ مفتی شریعت سے استفتا کیا جارہا ہے کہ ایسی صورت مین میرے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ لہذا اس غیبت مین کچھ حرج نہین۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس صورت مین بھی یہ غیبت اُسیوقت جائز ہے جبکہ اُسمین اپنا یا کسی مسلمان کا کوئی فائدہ متصور ہو **چہارم** اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تمکو علم ہو کہ اس معاملہ مین ناواقفیت کی وجہ سے اُسکا نقصان ہے تو اسکو نقصان سے بچانیکے لئے اسکا حال بیان کر دینا بھی جائز ہے اسیطرح قاضی کی عدالت مین کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحبِ حق کو اس مقدمہ مین میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہونچے جائز ہی البتہ صرف اُسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جسکے نقصان کا اندیشہ ہو یا جسپر فیصلہ اور حکم کا مدار ہو **پنجم** اگر کوئی شخص کسی ایسے نام ہی سے مشہور ہو گیا ہو جسمین عیب ظاہر ہوتا ہے مثلاً اعمش (چندھا) اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اسکا پتہ بتلانا

ظالم کی مظلوم کو غیبت کرنا جائز ہے

بدعتی کی غیبت جائز ہے

فتوے کیلئے بضرورت کسی کی غیبت کرنا درست ہے

دوسرے کو نقصان سے بچانے کیلئے غیبت کرنا جائز ہے

غیبت میں داخل نہیں پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلا دو تو بہتر ہے کہ غیبت کی صورت بھی پیدا ہو نے نہ پائے۔ اگر کسی شخص کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اسکا یہ عیب ظاہر کرتے ہیں تو اسے ناگوار نہیں گذرتا مثلاً مخنث یا ہیجڑا کہ انکے اس فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو انکو خیال بھی نہیں ہوتا۔ تو یہ مذکرہ بھی غیبت سے خارج ہے البتہ اگر اسکو ناگوار گذرے تو حرام ہے کیونکہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اسکو ناگوار گذرے بلا عذر خاص جائز نہیں

(فصل) نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ "آگ جو اثر گھاس میں کرتی ہے اس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمان کی نیکیوں میں غیبت کرتی ہے" یعنی غیبت کرنیسے نیک اعمال جل جاتے ہیں۔ اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکو کار شخص جسنے دنیا میں مشقتیں اٹھا اٹھا کر نیکیاں جمع کی تھیں قیامت کیدن اپنے اعمال کو نہ دیکھیگا اور اسکو معلوم ہوگا کہ غیبت کیوجہ اسکی نیکیاں اس شخص کے نامہ اعمال میں لکھدی گئیں جسکی وہ غیبت کیا کرتا تھا تو کسقدر حسرت و افسوس کریگا؟ مسلمان کو سوچنے کیلئے اپنے ہی نفس کے عیوب بہتیرے ہیں۔ لہذا جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو اور جو عیب پاؤ اسکے رفع کرنے میں مصروف ہوجاؤ کہ دوسرونکے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے۔ اور یوں سمجھو کہ تمھارا ذرا سا عیب جتنا تمکو نقصان پہونچائیگا دوسرے کا بڑا عیب بھی تمکو اسقدر نقصان نہیں پہونچائیگا۔ اور اگر تمہیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جسکی برابر کوئی عیب نہیں کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے۔ پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے۔ اسلئے اول اسکا علاج کرو اور اسکے بعد جو عیب نظر آتے جائیں انکی تدبیر کرتے رہو۔ اور اگر اتفاقاً تم سے بھی کسی شخص کی غیبت ہو جائے تو اللہ سے توبہ کیا کرو اور اس شخص کے پاس جا کر غیبت کی خطا جدا معاف کراؤ۔ اور اگر اس سے نہ مل سکو تو اسکے لئے دعاء مغفرت مانگو اور خیرات کرکے اسکی روح کو ایصال ثواب کرو۔ غرض چونکہ تمنے غیبت کرکے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اسلئے جسطرح ممکن ہو اس ظلم کی جلدی تلافی کرو۔

غیبت سے بچنے کی تدبیر

تیسری آفت فضول جھگڑا کرنا ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مسلمان باوجود حق پر ہونیکے جھگڑے سے دست بردار ہو جائے تو اسکے لئے اعلی جنت میں محل طیار ہوگا۔" یہ صحیح ہے کہ باوجود حق پر ہونیکے خاموش ہو بیٹھنا بہت دشوار ہے۔ اور اسی لئے حق پر ہو کر جھگڑا کرنیسے الگ رہنا ایمان کا کمال شمار کیا گیا ہے۔ جان لو کہ کسیکی بات پر اعتراض کرنا اور اسکے لفظ یا معنی میں غلطی اور نقص نکالنا جھگڑا کہلاتا ہے۔ اور یہ اکثر دو وجہ سے ہوتا ہے یا تکبر کی بنا پر کہ اپنی بڑائی اور لیاقت یا تیز زبانی کا اظہار مقصود ہوتا ہے یا دوسرے شخص کو چپ کرنے اور عاجز بنا دینے کا شوق ہوتا ہے۔ لہذا مسلمان کو چاہئے کہ جو بات واقعی اور حق ہو اسکو تسلیم کرلے اور جتنی خلاف واقع یا غلط ہو اسپر سکوت اختیار کرے۔ البتہ اگر اس غلطی کے ظاہر کرنے میں کوئی دینی فائدہ ہو تو اس وقت سکوت کرنا جائز نہیں۔ مگر پھر بھی اسکا ضرور خیال رکھے کہ جو کچھ بیان کرے وہ نرمی اور سہولت سے بیان کرے۔ تکبر اور سختی کے ساتھ نہ کہے۔ چوتھی آفت مذاق و دل لگی

جھگڑے اور نزاع کی حقیقت اور اسکے اسباب

مذاق کرنا

کرنا اور زیادہ ہنسنا ہنساتا ہے کہ اس سے قلب مُردہ ہوجاتا اور ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کی نظروں سے گرجاتا ہے اور بسا اوقات دوسروں کو اسکے ساتھ کینہ و عداوت بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ تو معرفت میں تاریکی آجاتی ہے اور تحت الثریٰ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ البتہ تھوڑے مزاح میں کچھ مضائقہ نہیں خصوصًا اگر بی بی بچوں کا دل خوش کرنیکو ہو تو سنت ہے کہ ایسا مزاح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے۔ مگر وہ مزاح درحقیقت واقعی بات ہوتی تھی کسی قسم کا جھوٹ نہ ہوتا تھا۔ مثلًا ایک بڑھیا سے آپ نے فرمایا کہ "جنت میں بوڑھی عورت کوئی نہ جائیگی"۔ اسکا مطلب یہ تھا کہ جنت میں جو عورت بھی جائیگی وہ جوان ہوکر جائیگی۔ یا مثلًا حضرت صہیب لڑکے تھے اور انھوں نے لال پال رکھا تھا۔ اتفاق سے لال مرگیا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہو جی ابو عمیر تمہارا لال کیا ہوا"۔ اسیطرح ایکدفعہ حضرت صہیبؓ چھوارہ کھارہے تھے اور انکی ایک آنکھ دکھتی تھی تو آپ نے فرمایا کیوں صاحب آنکھ تو دکھتی ہے اور چھوارہ کھارہے ہو انہوں نے مزاحًا جواب دیا کہ یارسول اللہ دوسریطرف سے کھارہا ہوں یعنی جس طرف کی آنکھ دکھتی ہے اس جانب سے نہیں کھاتا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ محض دلجوئی اور خوش طبعی کے طور پر دوڑے بھی ہیں غرض ایسے مزاح میں کچھ حرج نہیں۔ البتہ اسکی عادت ڈالنا اچھا نہیں ہے۔ **پانچوین آفت** مدح کرنا ہے۔

مدح سرائی کا نقصان

تمنے دیکھا ہوگا اکثر واعظوں اور دنیادار مسلمانوں کی عادت ہے کہ مالدار اور صاحب جاہ وحشم لوگوں کی تعریفیں کرتے انکی شان میں مدحیہ قصیدے لکھتے اور نذرانہ کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ اسمیں چار خرابیاں مداح کے حق میں ہیں اور دو برائیاں ممدوح کے حق میں۔ مدح خوان کے حق میں خرابیاں یہ ہیں:۔ **اول** اکثر ایسی باتیں بیان کیجاتی ہیں جو واقع کے خلاف ہوتی ہیں اور جنکا ممدوح میں نشان بھی نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ صریح جھوٹ ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔ **دوم** محبت کا لمبا چوڑا اظہار کرتے ہیں حالانکہ دل میں خاک بھی محبت نہیں ہوتی اور یہ صریح ریا اور نفاق ہے جو گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ **سوم** اٹکل کے تیر چلائے جاتے ہیں اور جو بات یقینی طور پر معلوم نہیں اسکو محض تخمین وگمان کی بناپر واقعی ظاہر کیا جاتا ہے مثلًا یہ کہ آپ بڑے متقی ہیں۔ نہایت منصف ہیں حالانکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسیکو مدح ہی کرنی ہو تو کہا کرے کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ ایسے ہیں کیونکہ ظنی باتوں کو واقعی بتانا کسیطرح جائز نہیں **چہارم** اکثر ظالم اور فاسق کی مدح کیجاتی ہے اور وہ اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ تو فاسق کو خوش کرنیوالا مداح بھی فاسق اور نافرمان ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ فاسق کی تعریف سے حق تعالیٰ کا عرش کانپ اٹھتا ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فاسق کی زندگی و عمر کی زیادتی کا دعا کرنے والا شخص بھی فاسق ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ فسق وفجور قائم اور دنیا میں مدت تک باقی رہے۔ ظالم و فاسق کی تو مذمت کرنا چاہیئے کہ پریشان ہوکر ظلم و معصیت چھوڑدے مگر تعریف اور ممدوح کے حق میں جو دو نقصان ہیں وہ یہہ ہیں:۔

اوّل ممدوح مغرور ہوجاتا ہے اور اپنے نفس کو قابل تعریف سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہ اسکی ہلاکت وتباہی کی جڑ ہے۔ حدیث مین آیا ہے کہ ایک شخص نے مجمع مین اپنے دوست کی تعریف کی تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمنے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی" مطلب یہ ہے کہ اسکے نفس مین خود پسندی وبڑائی پیدا کرکے اسکو ہلاک کردیا۔ دوم اپنی تعریف سنکر بھولنا اور اعمالِ خیر مین سُست پڑجاتا ہے۔ حدیث مین آیا ہے "مسلمان بھائی کو کُند چھُری سے ذبح کردینا اس سے بہتر ہے کہ اسکے مُنہ پر اسکی تعریف کیجائے" کیونکہ قتل سے تو دُنیا ہی کی زندگی تلف ہوگی۔ اور ان بُرے نتیجون سے جنکا ہمنے ذکر کیا ہے آخرت کی محترم زندگی برباد ہوجائیگی۔ البتہ اگر ان مضرتون کا اندیشہ نہو تو تعریف مین کچھ حرج نہین بلکہ بعض اوقات مُستحب ور موجبِ اجر ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض صحابہ کی مدح کی ہے مثلاً آپ فرماتے ہین کہ "تمام دُنیا کے ایمان کو ابوبکرؓ کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکرؓ ہی کا ایمان وزنی رہیگا" نیز فرماتے ہین "اے عمرؓ اگر مین نبی بناکر نہ بھیجا جاتا تو ضرور تمکو نبی بنایا جاتا" گویا حضرت عمرؓ مین نبوت ورسالت کی قابلیت کا خود آنہین سے اظہار فرمایا۔ چونکہ صحابہ مین خود پسندی اور کوتاہی عمل کا اندیشہ نہ تھا اس لئے انہین نشاط پیدا کرنیکے لئے یہ مدح مستحب تھی کہ انکی طاعات مین ترقی کا وسیلہ بنتی تھی۔

فصل۔ اگر کسی شخص کی کوئی مدح کرے تو اسکو چاہیے کہ اپنے اعمال اور خطرات ووساوس کا دھیان کرے اور سوچے کہ خدا جانے میرا انجام کس حالت پر ہوتا ہے؟ یہ خوبیان جو یہ شخص بیان کررہا ہے اگر مجھ مین موجود بھی ہین تو ابھی انکا کیا اعتبار؟ نیز اپنی باطنی بیماریون اور عیوب پر نظر کرے اور خیال کرے کہ یہ پوشیدہ عیب ایسے ہین کہ اگر اس مدّاح کو معلوم ہوجائین تو میری مدح کبھی نکرے۔ غرض مسلمان کو چاہیے کہ اپنی تعریف سُنکر خوش نہو بلکہ اسکو دل سے مکروہ سمجھے۔ اسی کیجانب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہین کہ "مدّاح کے مُنہ مین مٹّی بھر دو"۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جب مدح ہوتی تھی تو دُعا مانگتے تھے بارالٰہا میرے جو گناہ انہین معلوم نہین وہ بخشدیجیے اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہین اسکا مجھسے مواخذہ نہ کیجیے۔ اور مجھے انکے گمانون سے بہتر بنا دیجیے مین جیسا ہون آپ ہی خوب جانتے ہین یہ نہین جانتے۔

تیسری اصل غُصّہ کا بیان

غصّہ ایک آگ کا شعلہ ہے اور اسکا زور توڑنا ضروری ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "کسی شخص کے پچھاڑنے سے آدمی پہلوان نہین ہوتا بلکہ پہلوان وہ ہے جو غُصّہ کیوقت اپنے نفس کو پچھاڑے" یاد رکھو کہ جسطرح تلخ ایلوہ سے میٹھا شہد بگڑجاتا ہے اسیطرح غُصّہ سے ایمان بگڑجاتا ہے۔ غصّہ بُری بلا ہے۔ یہی مار پیٹ گالی اور زبان درازی کے کھلے گناہ کرا دیتا ہے اور اسی سے کینہ۔ حسد۔ بدگمانی اور افشارِ راز وہتک عزت کے عزم کی باطنی معصیتین ہوتی ہین غصّہ کی وجہ سے مُسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کا خوش ہونا ناگوار گذرتا ہے اور اسکا رنج وتکلیف مین رہنا پسند آتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب تباہ کن معصیتین ہین جنسے بچنا بہت ضروری ہے۔

غصہ کو بیخ و بن سے کھودنا مقصود نہیں

(فصل) اسکا علاج دو طریق سے ہوگا۔ **اوّل** ریاضت اور مجاہدہ سے اسکو توڑنا چاہیئے۔ مگر توڑنیسے مقصود یہ نہین کہ غصّہ کا مادہ ہی باقی نرہے۔ اسلئے کہ اگر مادّہ جاتا رہا تو کفار سے جہاد اور جنگ کیونکر ہوگی اور فسّاق و فجّار اور مبتدعین کی خلاف شرع باتون پر ناگواری کسطرح ہوگی؟ ناجائز افعال دیکھکر غصّہ آنا تو ضروری اور شرع کا عین مقصود ہے لہذا غصّہ کے توڑنے اور ریاضت کرنیسے یہ مُراد ہے کہ اسکو مہذّب اور عقل و شرع کا ایسا تابعدار بنا دیا جائے جیسا شکاری کُتّا کہ جب اُسکا مالک اسکو شکار پر بھگاتا ہے تو وہ بھاگتا ہے اور جب کسی پر حملہ کراتا ہے تو حملہ کرتا ہے ورنہ چُپ بیٹھا رہتا ہے یہی حالت غصّہ کی ہونی چاہیئے کہ اگر شریعت حکم دے اور غصّہ کو بھڑکائے تو فوراً بھڑک اُٹھے اور اپنا کام کرے ورنہ چُپ رہے اور بےحس و حرکت پڑا رہے۔ اور غصّہ کو ایسا مہذّب بنانیکی تدبیر یہ ہے کہ نفس کی باگ روکو۔ حلم و برداشت کی عادت ڈالو اور جب کوئی غصّہ پیدا کرنیوالا واقعہ پیش آئے تو نفس پر جبر کیا کرو اور غصّہ کو بھڑکنے نہ دو۔ بس یہی وہ ریاضت ہے جس سے غصّہ مطیع و فرمانبردار بنجائیگا **دوم** غصّہ کے جوش کیوقت ضبط سے کام لو اور اسکو پی جاؤ اور اسکا ایک علاج علمی ہے اور ایک عملی۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ غصّہ کیوقت سوچو کہ غصّہ کیون آتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسکا سبب حکم خداوندی مین دست اندازی کرنا ہے۔ کیونکہ غصّہ کرنے والیکا مطلب یہ ہے کہ یکام میری مرضی کیموافق کیون نہوا اور ارادہ خداوندی کیموافق کیون ہوا؟ اب تم ہی بتاؤ کہ یہ حماقت ہے یا نہین؟ کیا حق تعالیٰ کے ارادہ کو اپنے ارادہ اور منشا کا تابع بنانا چاہتے ہو؟ یاد رکھو کہ خدا کے حکم کے بغیر ذرّہ نہین ہل سکتا۔ پھر تم اسمین دخل دینے والے اور اسکو ناگوار سمجھنے والے کون؟ دوسرے اس بات کا خیال کیا کرو کہ میرا اس شخص پر کیا حق ہے اور خدا کا مجھپر کیا حق ہے؟ اور خدا کا تمھارے ساتھ کیا معاملہ ہے اور تم اس شخص کیساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتے ہو؟ ظاہر ہے کہ تم جس شخص پر غصّہ کر رہے ہو اسکے مالک نہین ہو خالق نہین ہو رازق تم اسکو نہین دیتے حیات تمھاری دی ہوئی نہین ہے۔ اور خداوند تعالیٰ کے تمپر ہر قسم کے حقوق ہین کہ تم ہر طرح سے اسکے محکوم و مملوک اور احسانمند ہو با این ہمہ تم اپنے مالک حقیقی کی ہیسیون خطائین اور نافرمانیان راتدن کرتے ہو اور وہ باوجود ہر قسم کے استحقاق کے سب کو برداشت کرتا ہے۔ اگر ایک قصور پر بھی سزا دے تو کہین تمھارا ٹھکانا نہ رہے! اور تمھارا حالانکہ کسی پر کچھ بھی حق نہین ہے مگر پھر یہ حالت ہے کہ ذرا سی خلاف طبع حرکت پر غصّہ مین آپے سے باہر ہوئے جاتے اور اُسکو دُنیا سے ناپید کر دینے کیلئے طیار ہو۔ کیا تمھاری اطاعت و رضامندی خدا کی عبادت کے حکم سے بھی زیادہ ضروری ہے؟ اور عملی علاج یہ ہے کہ جب غصّہ آئے تو اعوذ پڑھو کہ غصّہ شیطانی اثر ہے اور شیطان کے شر سے جب پناہ مانگی جائیگی تو وہ اثر زائل ہو جائیگا۔ نیز اپنی حالت بدلدو کہ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ اور اگر اس سے بھی غصّہ ٹھنڈا نہو تو وضو کر لو اور اپنا رخسارہ زمین پر رکھدو تاکہ تکبر ٹوٹے اور عزت والا عضو جب زمین پر رکھا جائیگا تو نفس مرے۔ کہ حدیث مین آتا ہے "اللہ کے نزدیک سب سے بہتر گھونٹ جو مسلمان پیتا ہے وہ غصّہ کا گھونٹ ہے" جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین جس مسلمان کو اپنے بی بی بچون یا ایسے لوگون پر غصہ آئے جنپر اپنا غصہ جاری کر سکتا اور سزا دے سکتا ہو مگر وہ اسکو ضبط کرجائے اور تحمل سے کام لے تو حق تعالیٰ اسکا قلب امن اور ایمان سے لبریز کردیگا۔" یاد رکھو کہ تحمل کی بدولت مسلمان شب بیدار روزہ دار عابد وزاہد کا مرتبہ پا لیتا ہے۔

چوتھی اصل حسد کا بیان

حسد کی حقیقت

حسد کے یہ معنی ہین کہ کسی شخص کو فارغ البال پا کر یا عیش و آرام مین دیکھکر کلسے اور اس نعمت کے جاتے رہنے کو پسند کرے" حسد کرنا حرام ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "میرے بندہ پر نعمت دیکھکر حسد کرنیوالا گویا میری اس تقسیم سے ناراض ہے جو مین نے اپنے بندون مین کی ہے"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "حسد نیکیون کو اسطرح جلا دیتا ہے جسطرح آگ سوکھی لکڑیون کو جلاتی ہے"۔ البتہ ایسے شخص پر حسد کرنا جائز ہے جو اللہ کی دی ہوئی نعمت کو ظلم یا معصیت مین خرچ کر رہا ہو مثلاً مالدار ہو اور شراب خواری و زناکاری مین اڑا رہا ہو۔ لہذا ایسے شخص سے مال چھن جانیکی آرزو کرنا گناہ نہین کہ یہان درحقیقت مال کی نعمت چھن جانیکی تمنا نہین ہے بلکہ اس فحش و معصیت کے بند ہو جانے کی تمنا ہے۔ اور اسکی شناخت یہ ہے کہ اگر مثلاً وہ شخص اس معصیت کو چھوڑ دے تو اب اس نعمت کے جاتے رہنے کی آرزو بھی نہ رہے۔ حسد کا باعث عموماً یا تو نخوت و غرور ہوتا ہے اور یا عداوت و خباثتِ نفس کہ بلا وجہ خدا کی نعمت مین بھی بخل کرتا اور چاہتا ہے کہ جس طرح مین کسیکو نہین دیتا اسیطرح حق تعالیٰ بھی دوسریکو کچھ نہ دے۔ البتہ دوسریکو نعمت مین دیکھکر حرص کرنا اور یہ چاہنا کہ اسکے پاس بھی یہ نعمت قائم رہے اور مجھے بھی ایسی ہی حاصل ہو جائے **غبطہ** کہلاتا ہے جو کہ شرعاً جائز ہے کیونکہ غبطہ مین کسیکی نعمت کا ازالہ مقصود نہین ہوتا بلکہ اسی جیسی نعمت کے اپنے آپکو حاصل ہوجانیکی تمنا ہوتی ہے اور اسمین کچھ مضایقہ نہین ہے۔

غبطہ جائز ہے

(**فصل**) حسد ایک قلبی مرض ہے اور اسکا علاج علمی بھی ہے اور عملی بھی علمی علاج یہ ہے کہ حاسد کو سمجھنا چاہئے کہ اسکا حسد آپکو نقصان پہونچا رہا ہے۔ اس محسود کا کہ جسپر حسد کر رہا ہے کچھ بھی نہین بگڑتا بلکہ اسکا تو اور نفع ہی کہ حاسد کی نیکیان مفت مین اسکے ہاتھ آرہی ہین۔ برخلاف حاسد کے کہ اسکے دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی **دین کا نقصان** یہ کہ اسکے کئے ہوئے نیک اعمال حبط ہو جاتے ہین نیکیان جلی جاتی ہین اور حقتعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وسیع خزانہ کی بیشمار نعمتون مین بخل کرتا اور دوسر پر انعام ہونا چاہتا ہی نہین اور دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم مین مبتلا اور اسی فکر مین گھلتا رہتا ہے۔ کہ کسیطرح فلان شخص کو ذلت و افلاس نصیب ہو۔ پس جسپر حسد ہے اسکے لئے خوشی کا مقام ہے کہ مجھے رنج پہونچانا چاہتے تھے اور خود ہر وقت کے رنج مین گرفتار ہو گئے۔ اسکے حسد سے اسکی تو مراد پوری ہو گئی اور حسد کرنیوالا بڑے خسارہ مین ہے تم ہی سوچو کہ تمھارے حسد کرنیسے محسود کا کیا نقصان ہوا ظاہر ہے کہ اسکی نعمت مین کسی قسم کی بھی کمی نہین آئی بلکہ اور نفع ہوا کہ تمھاری نیکیان اسکے نامۂ اعمال مین درج ہو گئین۔ کیسا الٹا قصہ ہوا حاسد چاہتا تو یہ تھا کہ محسود دنیا مین تنگدست

حسد کا علمی علاج

ہو جائے اور نتیجہ یہ نکلا کہ اسکی نعمتیں بحال رہیں اور دین کی نعمت نفع میں ملی۔ اور حاسد نے علاوہ آخرت بھی سر رکھا اور اپنی قناعت و آرام کی زندگی کو رخصت کرکے ہر وقت کی خلش اور دنیوی کوفت کو خرید لیا۔ یہ تو ایسی صورت ہو گئی کہ دشمن کے ڈھیلا مارنا چاہا تھا اور وہ اپنے ہی آ لگا جس سے اپنی آنکھ بھی پھوٹ گئی طرہ یہ کہ دشمن یعنی شیطان کو بھی ہنسنے کا موقع ملگیا خصوصاً اگر کسی عالم یا متقی پر حسد کیا جائے کہ اسکا علم و تقوے زائل ہونیکی تمنا ہو تو یہ حسد سب سے زیادہ برا اور بدتر ہے۔ اور عملی علاج حسد کا یہ ہے کہ حسد چاہتا ہے تم محسود کی عیب جوئی کرو اور رنج وغم کے گھونٹ رات دن پیو لہذا تم نفس پر جبر کرو اور قصداً اسکے منشا کی مخالفت کرکے اسکی ضد پر عمل کرو یعنی محسود کی تعریفیں بیان کرو اور اسکے سامنے تواضع اور اس نعمت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرو جو اسے عطا ہوئی ہے۔ جب چند روز بہ تکلف ایسا کروگے تو محسود کے ساتھ تمکو محبت پیدا ہو جائیگی۔ اور جب عداوت جاتی رہیگی تو حسد بھی نہ رہیگا اور اس رنج وغم سے تمکو نجات مل جائیگی جسمیں حسد کی وجہ سے تم مبتلا ہو رہے تھے۔

(فصل) شاید تم کو یہ شبہ لاحق ہو کہ دوست میں اور دشمن میں فرق ہوتا تو انسان کا طبعی امر ہے اور اپنی اختیاری بات نہیں کہ جسطرح اپنے دوست کو راحت میں دیکھکر خوشی ہوتی ہے اسیطرح دشمن کو بھی راحت میں دیکھکر مسرت ہوا کرے۔ اور جب اختیاری بات نہیں تو انسان اسکا مکلف بھی نہیں ہو سکتا۔ لہذا میں کہتا ہوں کہ بیشک اتنی بات صحیح ہے اور اگر اسی حد تک بات رہے تو گناہ بھی نہیں۔ لیکن اسکے ساتھ ہی جتنی بات اختیاری ہے اس سے بچنے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور وہ دو امر ہیں۔ اول یہ کہ اپنی زبان اور اعضا اور افعال اختیاریہ میں حسد کا اثر مطلق نہونے دو بلکہ نفس پر جبر کرکے اسکی ضد پر عمل کرو جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں **دوم** یہ کہ نفس میں جو حسد کا مادہ موجود ہے اور جو اللہ کی نعمتوں کو بندوں پر دیکھنا پسند نہیں کرتا اسکو دل سے مکروہ سمجھو اور یہ خیال کرو کہ یہ خواہش دین کو برباد کرنیوالی ہے۔ ان دو باتوں کے بعد اگر طبعی امر باقی رہے یعنی دل بے اختیار چاہے کہ دوست خوشحال رہیں اور دشمن پامال ہوں۔ تو اب اسکا کچھ خیال نکرو۔ کیونکہ جب اسکے ازالہ پر تمکو قدرت نہیں تو اسپر گناہ بھی نہیں مگر دل کی ناگواری ضروری ہے جسکی علامت یہ ہے کہ اگر محسود کی نعمت کے زائل کرنے پر تمکو قدرت حاصل ہو جائے تو اپنی طبیعت سے اگرچہ تمھاری خواہش یہی ہو کہ کاش اسکی نعمت چھن جائے مگر اپنے ہاتھ پاؤں سے ایسا انتظام نہونے پائے یا مثلاً محسود کی نعمت کے قائم رہنے یا بڑھانے میں مدد دے سکتے ہو تو باوجود اسکے ناگوار گذرنیکے بھی اسکو مدد دو۔ اگر ایسی حالت ہو جائے تو سمجھلو کہ جہاں تک اختیار اور قابو تھا وہاں تک ہمنے خدا کے حکم پر عمل کر لیا اور سبکدوش ہو گئے۔ ایسی صورتمیں طبعی بات جسکا دور کرنا اپنے قبضہ میں نہیں وہ موجود تو ہے مگر چونکہ اختیاری کام ہمنے اسکو چھپا اور دبا لیا ہے اسلئے گویا معدوم ہو گئی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ جنکی نظر عالم دنیا سے اٹھ جاتی ہے وہ تو سمجھ جاتے ہیں کہ دنیا بھی ناپائدار ہے اور اسکی تمام نعمتیں بھی فنا ہونیوالی ہیں۔ پس اگر دشمن فراخی یا وسعت اور آرام ہی میں ہے تو کے

دن کیلیئے ؟ پھر اگر اعمال کے سبب مرنیکے بعد دوزخ مین جانپڑا ہے تو اس کم نصیب کو اس چندہ روزہ آرام سے کیا نفع ؟ اور اگر جنتی ہے تو جنت کی نعمتونکو اس ناپائدار نعمت سے کیا مناسبت ؟ پس حسد کرنا اور دشمن کو دُنیا کی کسی خوشی مین دیکھکر جلنا بہرحال محض بے سود اور عبث ہوا ساری مخلوق خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور سارے آدمی اپنے محبوب خدا کے غلام ہین پس محبوب کیطرف سے جو انعام ہون انکے اثر اسکے غلامون پر ظاہر ہی ہونے چاہئین لہذا جس کسی پر بھی تمھارے قدرت والے محبوب کی عطاؤن کے آثار ظاہر ہون تمھارے لئے خوش ہونیکا مقام ہے نہ کہ رنج اور حسد کرنیکا۔

پانچوین اصل بخل اور محبتِ مال کا بیان

بخل بھی ایک بڑا مہلک مرض ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمت مین بخل کرتے ہین وہ اسکو اپنے حق مین بہتر نہ سمجھین بلکہ یہ انکے لئے نہایت بُرا ہے۔ کیونکہ جسمین بخل کرینگے اُسکا طوق بناکر انکے گلے مین ڈالا جائیگا" اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہین "اپنے آپکو بخل سے بچاؤ کہ اسنے پہلی امتونکو ہلاک کردیا ہے" پس مسلمان کو شایان نہین کہ بخل کرے اور جہنم مین جائے۔ اور چونکہ بخل درحقیقت مال کی محبت ہے اور مال کی محبت قلب کو دُنیا کیطرف متوجہ کردیتی ہے جس سے اللہ کی محبت کا علاقہ کمزور ہوجاتا ہے جسکے سبب مرتے وقت حسرت بھری نظرون سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا اور جبراً و قہراً آخرت کا سفر کرتا ہے اسلئے اُسکو خالق جل جلالہ کی ملاقات محبوب نہین ہوتی۔ اور حدیث مین آیا ہے کہ "جو شخص مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نکرے وہ جہنمی ہے"۔

جس شخص کے پاس مال نہو وہ بخل کا مصداق تو نہین بن سکتا مگر ہوسکتا ہے کہ اسکے قلب مین مال کی محبت ہو اور وہ تمنا رکھتا ہو کہ کاش مالدار ہوجائے۔ اسیطرح بعض اہل ثروت سخی ہوتے ہین مگر چونکہ سخاوت سے انکو محض اپنی شہرت اور مدح مقصود ہوتی ہے اسلئے انپر بھی بخل صادق نہین آتا مگر محبت مال ضرور صادق آتا ہے پس بخل کے علاج کیساتھ حب مال کا بھی علاج ہونا چاہئے کہ مال کی محبت خدا کے ذکر سے غافل بنادیتی ہے اور مال مسلمان کیلئے بڑا فتنہ ہے۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "جب انسان مرتا ہے تو فرشتے پوچھتے ہین کہ کیا چھوڑا؟ پس اگر زندگی مین مال خرچ کرکے آخرت کا کچھ ذخیرہ جمع کرلیا تھا تو مرتے وقت خوش ہوگا کہ بھیجا ہوا مال وصول کرنیکا وقت آگیا ورنہ رنجیدہ ہوگا اور اُسپر مرنا بہت شاق گذریگا۔ روپیہ کا بندہ تباہ ہو۔ نگونسار ہو اسکے کانٹا چبھے تو کوئی نکالنے والا نہ ملے"۔ یہ حدیث کا مضمون ہے اب تم ہی سوچو کہ جسکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسی بددعا دین اسکا کہان ٹھکانا (**فصل**) مال مطلقاً مذموم نہین ہے اور مذموم کیسے ہوسکتا ہے جبکہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے کہ ساری مخلوق جسم کے گھوڑے پر سوار ہوکر سفرِ آخرت طے کررہی ہے اور سوار کو مسافرخانہ مین گھاس دانہ کی ضرورت ہے۔ اور مال کے بغیر مل نہین سکتا۔ کیونکہ جب تک پیٹ نہ بھرے اسوقت تک عبادت نہین ہوسکتی لہذا قوت وحیات قائم رکھنے کی مقدار کے موافق مال کا حاصل کرنا ضروری ہوا البتہ اس سے زیادہ مال ومتاع تباہی کا سامان ہے کہ مسافر بقدر ضرورت ہی توشہ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور جہان بوجھ زیادہ ہوا تو سفر

حب مال کا علاج

کرنا بھی اسکو مشکل پڑجاتا ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اے عائشہؓ مجھسے ملنا چاہو تو اتنی ہی دنیا پر قناعت کرو جتنا مسافر کا توشہ ہوتا ہے کہ جب تک پیوند نہ لگجائے اسوقت تک کور تہ نہ آتارا کرو۔ الٰہی محمدؐ کے متعلقین کی معاش بقدر کفایت ہی رکھیو اور زیادہ نہ دیجیو ورنہ ہلاک ہوجائینگے" ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا تین وجہ سے مُضر ہے **اوّل** مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت حاصل ہوجاتی ہے اور قُدرت کے ہوتے ہوئے صبر کرنا اور گناہ سے بچنا بہت دشوار ہے اور جب ضرورت سے زیادہ مال ہی نہوگا تو ظاہر ہے کہ گناہ پورا نہوسکیگا اور معصیت سے محفوظ رہیگا دوسرے اگر متمول شخص عابد زاہد بھی ہو کہ مباح ہی لذتون مین پیسہ خرچ کرے تب بھی اتنا نقصان اسکو ضرور پہونچا کہ اسکے جسم نے چونکہ لذیذ نعمتون سے پرورش پائی اسلئے لذتون کا خوگر ہوگیا۔ اور مال کو چونکہ پائداری نہین اسلئے اپنی عادت کے نباہنے کو مخلوق کا محتاج بنا رہیگا اور کیا عجب ہے کہ ظالمون اور فاسقون کے سامنے ہاتھ پھیلانا یا انکی منت خوشامد کرنا پڑے تاکہ جن لذتون کا عادی ہوگیا ہے وہ مرتے دم تک حاصل ہوتی رہین اور جب یہ ہوا تو اب نفاق جھوٹ۔ ریا۔ عداوت۔ بغض اور حسد سب ہی ظاہر ہونگے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "دُنیا کی محبت تمام گناہونکی جڑ ہے" اور جب ضرورت سے زیادہ پیسہ ہی پاس نہوگا تو مباح چیزونکا مزہ بھی منہ کو نہ لگیگا **تیسری وجہ** یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ہوجائیگی۔ کیونکہ کاشتکارون کارندون محررون اور ملازمون کی نگرانی اور شریکون سے حساب کتاب اور ترقی کے اسباب فراہم کرنیکی تدبیرون مین ایسی مشغولیت ہوگی کہ اصل سعادت یعنی ذکر الٰہی کا وقت ہی نہ مل سکیگا۔ اوّل روپیہ کی تحصیل اور وصولیابی پھر اسکی حفاظت و نگہبانی اور پھر اسکا نکالنا اور کسی کام مین لگانا۔ یہ سب دھندے قلب کو سیاہ کرنیوالے ہین جنسے نُور بصیرت جاتا رہتا ہے اور جب ضرورت سے زیادہ مال ہی نہوگا تو یہ تفکرات و مخمصات بھی پیش نہ آئینگے۔

(**فصل**) معلوم کرنا چاہیئے کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور بقدر کفایت کسقدر مال کو کہتے ہین؟ کیونکہ یون تو ہر شخص کتنا ہی مالدار کیون نہو جائے یہان تک کہ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اسکو ملجاتی ہے تب بھی یہی سمجھتا ہے کہ میری ضرورتون کو کافی نہین ہے۔ اسلئے جاننا چاہیے کہ فرضی ضرورتون کا اعتبار نہین ہی اور واقعی ضرورت انسان کو صرف پیٹ بھرنے اور بدن ڈھکنے کی ہے پس اگر زینت و تجمل کا خیال نہو تو سال بھر مین جاڑے گرمی کیلئے دو دینار[1] کافی ہین جنمین موٹے کپڑے جو گرمی و سردی رفع کرسکین بآسانی طیار ہوسکتے ہین اور کھانے مین شکم سیری اور چھوارے اگر میسر ہون تو ایک مُد روزانہ کے حساب سے سال بھر مین پانچسو مُد اناج اور کبھی کبھی معمولی دال ترکاری کیلئے ارزانی کے موسم مین تین دینار کافی ہین اب اگر کوئی شخص کنبہ دار ہے تو ان سب کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے پس محنت مزدوری سے اسی مقدار کیموافق اپنے اور اپنے بال بچون کا نفقہ روزانہ حاصل کرکے خرچ کرڈالو اور باقی سارا وقت اللہ کی یاد مین خرچ کرو۔ اگر اس سے زیادہ کماؤ اور جمع کروگے تو دُنیادار اور مالدار سمجھے جاؤگے۔ اور کوئی زمین یا جائداد جسکی سالانہ آمدنی مذکورہ مقدار کیموافق ہے

ضرورت سے زیادہ مال کے مضر ہونے کی وجوہات

ضرورت کی مقدار اور بقدر کفایت کی تفصیل

[1] ایک دینار تخمیناً ۶؍ کا ہوتا ہے کہ دو دینار تقریباً للعہ کے ہوئے ۱۲ع

اگر اس نیت سے خرید لو کہ روزانہ کسب اور محنت مزدوری سے سبکدوش ہو کر اطمینان کیساتھ اللہ اللہ کر سکو گے تو فی زمانہ اسمین بھی کچھ مضائقہ نہین کہ جائداد کا خریدنا اور زمین وٹّی مین روپیہ لگانا اسوقت ناجائز ہے جبکہ دُنیا طلبی کے لئے ہو اور عزت وجاہ مین ترقی یا زمیندار بننے کی دلمین خواہش ہو مگر مذکورہ صورت مین چونکہ دین ہی کا حاصل کرنا مقصود ہے لہذا یہ اس ممانعت سے خارج ہے جو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ اسکے ساتھ ہی اسکا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے کہ طبائع اور ہمتین مختلف ہوتی ہین۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ مذکورہ قدر کفایت پر قناعت نہ کر سکین لہذا انکے لئے اس سے دوچند کی بھی اجازت ہے۔ کیونکہ دین مین تنگی نہین ہے البتہ اس زیادتی مین نیت یہی ہونا چاہئے کہ کمی سے چونکہ مشقت پیش آتی ہے اور عبادت مین اطمینان نصیب نہین ہوتا اسلئے مجکو باطمینان قلب یادِ حق مین مشغول رہنے کیلئے زاید خرچ کی ضرورت ہے نہ کہ تلذذ اور تنعم کیلئے۔ پس اس سے زیادہ جو کوئی جمع کر کے رکھے وہ دنیادار ہے اور اُسکو مال کی محبت ہے جو دین برباد کرنیوالی شے ہے۔ یاد رکھو کہ مال جمع کرنیوالونکی اغراض مختلف ہوتی ہین یا تو یہ کہ مزہ اُڑائینگے اور لذتین پائینگے۔ یا یہ کہ موقع اور وقت پر آئندہ صدقات وخیرات کرینگے اور یا دور اندیشی ور اس مصلحت کیلئے جوڑ کر رکھتے ہین کہ کوئی وقت افلاس کا آگیا یا محنت ومزدوری نہو سکی یا فاقہ کشی کی نوبت آئی تو یہہ پسماندہ پونجی کام آئیگی حالانکہ یہ تینون نیتین درست نہین کیونکہ تلذذ اور تنعم تو خدا سے غافل بنانیوالی چیز ہے اور خیرات کرنیکی نیت سے مال جمع کرنیکی بہ نسبت تو بہتر یہ ہے کہ مال ہی پاس نہو۔ اب رہا آئندہ کیلئے مال جمع کرنا جسکا نام دُور اندیشی ہے سو وہ تو کوئی چیز ہی نہین کیونکہ اگر تقدیر مین فاقہ کشی اور مُصیبت لکھی ہے تو وہ اس مال کی بدولت ٹل نہین سکتی۔ نیز جسطرح آفتِ ناگہانی کیطرف سے اطمینان نہین اسیطرح اس بات سے بھی ناامیدی نہین کہ حقتعالیٰ ایسی جگہ سے رزق پہونچائے جہان گمان بھی نہ جاتا ہو۔ اور بھلا اس بدگمانی کا موقع ہی کیا ہے کہ شاید کسیوقت مین حق تعالیٰ رزق بند کرلے اور فاقے کرائے غلام کو تو اپنے آقا کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہئے نہ کہ بدگمانی اسکے علاوہ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اسکی ہوس کرنا کہ تمام عمر مالدار یا تندرست ہی رہین اور کسیوقت بھی کسی قسم کی مُصیبت یا رنج ہمکو نہ پہونچے اچھی بات نہین کہ فراخ دستی وآرام کی زندگی کو بہتر خیال کرلینا عقلمندون کا کام نہین ہے کیونکہ مُصیبتون اور پریشانیونکی بدولت بندونکو بڑے بڑے درجے ملتے ہین اسی سے قلب کی صیقل ہوتی ہے اسی سے گناہ معاف اور وہ فائدے حاصل ہوتے ہین جنکا حاصل ہونا آسان نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ پریشانیان انبیاء علیہم السلام کو برداشت کرنا پڑین اور ان سے کم پریشانیاں انسے کم رتبہ والونکو غرض قرب خدا مین انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جتنی مناسبت ہوئی اسی نسبت سے اسکو پریشانیان اور مصیبتین بھی اٹھانا پڑین۔ یاد رکھو کہ حق تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے کہ اسکا کوئی کام حکمت سے خالی نہین وہ اپنے بندونکی مصلحتون سے خوب واقف ہے۔ پس تمکو جس حال مین بھی رکھیگا تمھارے لئے اسمین بھلائی ہوگی لہذا اپنی طرف سے راحت کو اپنے لئے انتخاب کرنا اور اس ہوس مین آنیوالی مصیبت کیلئے ذخیرہ جمع کرنا گویا اپنا انتظام آپ

ہاتھ مین لینا اور اپنے انتخاب کو انتخاب خداوندی پر ترجیح دینا ہے جو سراسر حماقت ہے۔ علاوہ ازین یہ بھی قابل غور ہے کہ قبل از مرگ واویلا کرنیسے فائدہ کیا۔ اور آیندہ کی دُنیوی زندگی یعنی بڑھاپے یا ضعیفی کے زمانہ کی فکر سے نتیجہ کیا؟ نہ تم اس فکر کیلیئے پیدا ہوئے ہو اور نہ تمھارے فکر کرنیسے تمھارا رزق جو مقدر ہو چکا ہے کم یا زیادہ ہو سکتا ہے۔ تم تو آخرت کے مسافر ہو اور اسیکا سامان فراہم کرنیکے لئے دُنیا مین بھیجے گئے ہو لہذا اسکی فکر کرو اور دُنیا کی پروا بھی نکرو کہ کتنی ملتی ہے اور کیونکر گذر رہی ہے۔ (فصل) کفایت کی مقدار کا جو حساب ہمنے بیان کیا ہے وہ چونکہ تخمینی ہے اسلئے لوگونکی طبیعتون حالتون اور موسم کی ارزانی و گرانی کے اختلاف سے اسمین کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ مال کو دوا کی مثل سمجھو کہ بقدر ضرورت مفید و نافع ہوا کرتی ہے اور اگر اسمین زیادتی کردیجائے تو وہ بیماری کو بڑھا دیتی ہے اور اگر اسمین بہت ہی زیادتی کردیجائے تو جان ہی سے مار دیتی ہے پس جہان تک ہو سکے اخراجات و مصارف مین کمی کرو کہ اگر تکلیف بھی ہے تو چند ہی روز کی ہے کیونکہ زندگی ہی چند روزہ ہے۔ پس یہ تو جسطرح ہوگی گذر ہی جائیگی۔ نیز یاد رکھو کہ کھانے کا مزہ بھی بھوک ہی مین معلوم ہوا کرتا ہے پس جتنے یہان بھوکے رہوگے اُسیقدر جنّت کی نعمتون مین مزہ زیادہ آئیگا۔

(فصل) بخل کی حد بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اکثر آدمی خود اپنی حالت مین شک کرتے ہین اور نہین سمجھ سکتے کہ بخیل ہین یا سخی؟ اسلئے جاننا چاہئے کہ جہان مال خرچ کرنیکا شریعت حکم دے یا مروّت تقاضا کرے وہان مال کا خرچ نکرنا بخل کہلاتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنے بی بی بچون کو وہ نفقہ تو برابر دیئے جائے جو قاضی نے مقرر اور اسپر واجب کردیا ہے مگر اس سے زیادہ ایک لقمہ بھی دینا اسکو گوارا نہو تو چونکہ یہ سختی اگرچہ شریعت کے خلاف نہین لیکن مروّت کے خلاف ہے لہذا بخل مین داخل ہے۔ یا مثلاً تمنے کسی دُکاندار سے کوئی شے خریدی اور ذرا سے نقص یا عیب کی وجہ سے اسکو واپس کردیا تو واپسی اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر خلافِ مروّت ہے لہذا بخل کہلائیگا۔ یہ شُبہ نہونا چاہئے کہ جب یہ صورتین مروّت کے خلاف ہونیکی وجہ سے بخل مین داخل ہین تو پھر شریعت نے انکو جائز کیون کہدیا؟ بات یہ ہے کہ شریعت کا منشا اس قسم کی بیمروّتی کی باتونکو جائز کہدینے مین یہ ہے کہ عام لوگونکا باہمی نزاع دُور کرے اور بخیلون پر اتنا قلیل بوجھ ڈالکر جسکے وہ متحمل ہو سکین انتظام دنیوی کو قائم رکھے۔ مگر اسکے ساتھ ہی مروّت کا برتاؤ اور جو ضرورتین اتفاقیہ پیش آجائین انکا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ حدیث مین آیا ہے کہ "جس مال کے ذریعہ سے آدمی اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہے"! مثلاً کسی مالدار کو اندیشہ ہو کہ یہ شاعر میری ہجو کریگا اور اگر مین اسکو کچھ دیدون تو اسکا منہ بند ہو جائیگا مگر باوجود اس علم کے اسکو کچھ ندے تو وہ شخص بخیل سمجھا جائیگا۔ کیونکہ اسنے اپنی آبرو کو محفوظ رکھنے کی تدبیر نکی اور بدگو کو بدگوئی کا موقع دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ مال کی ذات تو مقصود اور محبوب نہین ہے۔ چنانچہ کوئی اُسکو چبانا یا نگلتا نہین البتہ چونکہ اس سے ضرورتین پوری اور منفعتین حاصل ہوتی ہین لہذا وہ مرغوب ہے۔ بدین وجہ جس جگہ اسکے خرچ کرنے مین فائدہ ہو وہان خرچ نکرنا غلطی ہے پس جو شخص ضرورت کے موقع پر بھی مال خرچ نکرے تو سمجھلو کہ اس شخص کو مال کی ذات

بخل کی حد اور حقیقت

کے ساتھ محبت ہے اور اس نفع سے جو کہ مال سے مقصود تھا اسکو مطلق بحث نہین۔ کبھی مال کی محبت یہان تک بڑھجاتی ہے کہ انسان کو اپنا فائدہ اور نقصان بھی نظر نہین آتا۔ ایسی حالت بہت خطرناک ہے جسکو جہل مرکب کہنا چاہئے۔ پس ایسی صورت مین عقل و شرع کے پابند بننے کیطرف زیادہ توجہ کرو اور جس جگہ پر خرچ کرنیکا یہ دونون حکم کرین وہان بے دریغ خرچ کرو۔ یہ تو بخل کا تذکرہ تھا اب رہی سخاوت سو اسکی کوئی حد مقرر نہین۔ پس اتنا سمجھلو کہ بخل کی حد سے باہر نکلکر جتنا بھی خرچ کیا جائیگا وہ سب سخاوت مین داخل ہے۔

(فصل) بخل کا علاج علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ علمی علاج یہ ہے کہ بخل کے نقصانات معلوم کرو کہ آخرت کی تباہی اور دُنیا کی بدنامی دونون اسکا نتیجہ ہین۔ خوب سمجھلو کہ یہ مال مرتے وقت بخیل کے ساتھ جانیوالا نہین اور صرف قبر کے گڑھے تک کا دھندا ہے۔ پس دُنیا مین انسان کو جو مال دیا گیا ہے وہ صرف اس غرض سے دیا گیا ہے کہ اپنی ضرورتون مین خرچ کیا کرے۔ سو اگر تم جانور بنکر اسکو اپنی نفسانی خواہشون کے پورا کرنے مین خرچ کردو گے تو بڑی ضروری نعمت یعنی آخرت کی لذتون سے محروم رہو گے۔ اور اگر دُنیا مین اولاد کیلئے چھوڑ مرو گے تو گویا اولاد کو تو آرام دیجاؤ گے مگر خود خالی ہاتھ چلے جاؤ گے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اس سے زیادہ حماقت کیا ہوسکتی ہے۔ ذرا غور کرو کہ اگر تمھارے پسماندہ بچے صالح اور نیکوکار اُٹھینگے تو کیا خدا انکی ضرورتون کا کفیل نہو گا۔ پھر تمھارے جمع کرنیسے کیا نفع؟ اور اگر خدانخواستہ وہ بدکار ہوئے تو تمھارا جمع کیا ہوا مال حقتعالیٰ کی معصیت مین خرچ ہوگا اور اسکا تمپر وبال پڑیگا۔ کہ معصیت کے سبب ذریعہ تم قرار پاؤ گے۔ جون جون دوسرے لوگ تمھارے مال سے مزے اُڑائینگے وون وون تمپر عذاب بڑھیگا اس قسم کی باتین سوچنے اور بخل کے نتائج پر غور کرنیسے اُمید ہے کہ انشاء اللہ بخل سے نجات ملجائیگی۔ اور عملی علاج یہ ہے کہ نفس پر جبر کرو اور خرچ کرنیکی بتکلف عادت ڈالو یعنی ضرورتونکے وقت خرچ کرنیکی خوبی کا تصور باندھکر اتنا زور ڈالو کہ خرچ کرنیکی رغبت ہونے لگے۔ اور پھر بتدریج بُرے خیالات اور مذموم اخلاق کو دُور کرتے رہو یہان تک کہ بخل کی جڑ کٹ جائے اور مال کا خرچ کرنا خالصاً لوجہ اللہ ہوجائے۔

بخل کا علاج علمی

بخل کا عملی علاج

چھٹی اصل رعونت اور شہرت وجاہ کی محبت کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "دار آخرت کی بھلائیان اُنہین کیلئے مخصوص ہین جو زمین پر رہکر بڑھنا چڑھنا اور فتنہ و فساد کرنا نہین چاہتے"۔ اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "بکریونکے گلّے مین دو بھیڑیے آپڑین تو وہ اتنا نقصان نکرینگے جتنا مال وجاہ کی محبت دیندار مسلمان کے دین کا نقصان کرتی ہے"۔ رعونت اور حُب جاہ بُری بلا ہے کہ ان سے قلب مین نفاق پیدا ہوجاتا ہے حقیقت مین وہ لوگ بڑے آرام مین ہین جنکو کوئی جانتا بھی نہین پریشان حال غبار آلود کہ نہ لوگ انکو پاس بٹھانا پسند کرتے ہین نہ اُمرا انکو اپنی کوٹھی بنگلون مین گھُسنے کی اجازت دیتے ہین اگر وہ نکاح کرنا چاہین تو کوئی انکو لڑکی دینا پسند نہین کرتا۔ پھٹے پُرانے کپڑے پہنے اور ذلت و مسکنت کی حالتمین پڑے ہوئے ہین انہین مین ایسے بندے ہوتے ہین کہ اگر کسی بات پر قسم کھا بیٹھین تو حق تعالیٰ انکی خاطر اسکو پوری فرماتا ہے یاد رکھو کہ

جہاں انسان کی شہرت ہوئی اور اسکو مسندِ عزت کی جگہ بیٹھنا اور لوگونکے آگے آگے چلنا پسند آیا تو بس تباہی آگئی۔ خدا کے بندے اپنے آپکو بہت چھپاتے ہین البتہ بلا طلب و بغیر خواہش اگر حق تعالیٰ ہی انکو ظاہر فرمادے تو اب انکو اپنا چھپانا مناسب نہین رہتا دیکھو انبیاء علیہم السلام خلفاء راشدین اور اکثر اولیاء کی دنیا مین شہرت ہوئی مگر چونکہ انہین سے کسی نے بھی اپنی شہرت کی آرزو یا خواہش نہین کی بلکہ محض حق تعالیٰ کی اطاعت تھی کہ اسنے جس حال مین رکھا اسپر راضی ہوگئے لہذا نہ تکبر پیدا ہوا اور نہ حُبِ جاہ کہلائی۔ کیونکہ حُبِ جاہ اسکا نام ہے کہ اپنی شہرت کی خود خواہش کرے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

(**فصل**) حُبِ جاہ کے معنی یہ ہین کہ انسان لوگونکے قلوب پر قبضہ کرنا چاہے اور اسکی خواہش کرے کہ انکے دل میرے مطیع ہوجائین میری تعریف کیا کرین میری حاجت کے پورا کرنے مین لپکین اور جان تک سے دریغ نکرین مال کیساتھ بھی انسان کو اسی غرض سے محبت ہوتی ہے کہ وہ رفع حاجت کا ذریعہ ہے اور جاہ و شہرت کی خواہش بھی اسی لئے ہوتی ہے کہ کوئی ضرورت بند نہ رہے پس مقصود کے اعتبار سے دونون ایک ہی نفع کے سبب ہین۔ البتہ چونکہ حبِ جاہ سے مال بھی حاصل ہوسکتا ہے اور نہ اسکو کوئی چُرا سکتا ہے نہ لُوٹ سکتا ہے۔ اور مال کے ذریعہ سے بسا اوقات جاہ حاصل نہین ہوتا اور مال مین چوری کا اور لُوٹ کا بھی خطرہ رہتا ہے اسلئے حبِ جاہ کا درجہ حبِ مال سے بڑھا ہوا ہے۔ اور عام قاعدہ ہے کہ جب کسیکی تعظیم کا اعتقاد لوگونکے دلمین پیدا ہوجاتا ہے تو لامحالہ لوگ اسکی تعریفین کرتے اور دوسرونکو اس مضمون پر اپنا ہمخیال بنانا چاہتے ہین اور جب انکو اسکی دُھن لگتی ہے تو بسا اوقات کامیاب بھی ہوجاتے ہین۔ پس اسیطرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخرکار حبِ جاہ مین بلا تکلف و بلا مشقت کامیابی ہوجاتی ہے۔ برخلاف اسکے مال کے جمع کرنے مین بیسیون تدبیرین اور حیلے کرنے پڑتے ہین اور پھر بھی خاطرخواہ مال جمع ہونا مشکل ہوتا ہے بدینوجہ انسان کو مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت و خواہش زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ فقرا بھی حب جاہ مین مبتلا پائے جاتے ہین حبِ جاہ کے بکثرت ہونیکا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہر آدمی کو اپنی بڑائی اور عزت کی بالطبع خواہش ہوتی ہے اور ہر شخص چاہتا ہے کہ مین ایسا بے مثل و یکتائے روزگار ہوں کہ بس مین ہی مین ہون۔ حالانکہ یہ حقیقت الٰہیہ ہے اور یہ شان خداوند متعال ہی کو شایان ہے کہ یکتائی اسکی شان ہے اور تمام مخلوق اس واجب الوجود کے نورِ قدرت کا پرتو ہے۔ پس جو انسان حب جاہ کے مرض مین گرفتار ہے وہ گویا اللہ عز اسمہٗ کے ہم پلہ ہوجانیکا خواہشمند ہے اور اسکے ساتھ اس نسبت کے قائم رکھنے سے ناراض ہے جو دھوپ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے۔ گویا اسکا نفس فرعون کیطرح اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی[عـه] پکار رہا ہے۔ بس اتنا فرق ہے کہ فرعون نے یہ کلمہ زبان سے نکالدیا اور لوگونکے سامنے کہدیا تھا اور دوسرے لوگ اسکو اپنے دلون مین چھپائے ہوئے ہین مگر چونکہ شان یکتائی کسیکو حاصل نہین ہوسکتی اور اس آرزو مین کامیاب ہونا محال ہے اسلئے انسان کا نفس چاہتا ہے کہ اگر مستقل وجود مین کامیاب نہو تو کم سے کم اتنا تو ضرور ہو کہ ساری مخلوق پر قبضہ حاصل ہوجائے کہ جس شے پر جو چاہون تصرف کرون پھر چونکہ

حبِ جاہ و حبِ مال کا فرق

مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت زیادہ ہونیکی وجہ اور اسکا سبب

حبِ جاہ کا دوسرا سبب

عـه مین ہی تمھارا بڑا پروردگار ہون ۱۲

آسمان ستارون پہاڑ سمندر اور دوسری بڑی بڑی مخلوقات پر قبضہ ہونا دشوار نظر آیا تو ذرا نیچے اُتر کر اسکا متمنی ہوا کہ صرف زمین ہی کی مخلوق پر مالکانہ تصرف حاصل ہوجائے یعنی حیوانات مسخر ہوجائیں اور معدنیات و نباتات تابع فرمان بنجائیں اور آن علویات آسمانی اور بڑی مخلوقات ارضی کی جنپر مالکانہ تصرف ہونا ناممکن ہے پوری واقفیت اور تحقیق تام حاصل ہوجائے۔ تاکہ ہاتھ کا قبضہ نہو تو علم ہی کا قبضہ قائم رہے اور دُنیا کی آبادی مین سے ذوی العقول مخلوق یعنی انسان اپنے قلوب کے اعتبار سے میرے مطیع و فرمانبردار بنجائیں کہ میری عظمت و بڑائی کے معتقد ہوکر مجکو صاحب کمال سمجھنے لگیں اور ہاتھ باندھے ہوئے میری تعظیم کریں اور میری شُہرت کا آوازہ ان ملکون تک پہونچ جائے جہان مین خود نہین پہونچ سکتا۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

(**فصل**) انسان ایکدن ضرور مرنیوالا ہے اور جاہ و شہرت سب مرنیکے بعد ختم ہوجائیگی پس اگر یہ ناپائدار شہرت حاصل بھی ہوئی اور مخلوق مین عزت ہو بھی گئی تو کیا ہوا۔ یہ تو کوئی خوبی اور کمال کی بات نہین۔ کمال تو ایسی چیز کا حاصل کرنا ہے جسمین موت کسی قسم کا خلل یا کمی نہ پیدا کرے اور وہ معرفتِ الٰہی ہے کہ صاحب معرفت شخص دُنیا سے انتقال بھی کرجاے تب بھی معرفت کے بیشمار مراتب مین اسکی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ لہٰذا اس رعونت اور طلب شُہرت کا علاج کرو اور اسکی محبت دل سے نکالو۔ یون سمجھو کہ اگر تمام دُنیا تمکو سجدہ بھی کرینگے تو کے دن کیلیے؟ آخر ایکدن وہ ہوگا نہ تم باقی رہوگے اور نہ سجدہ کرنیوالے باقی رہینگے۔ تعجب ہے کہ زمانہ تو تمھارے ساتھ یہان تک بُخل کرتا ہے کہ شہر یا قصبہ تو درکنار تمھارے محلّہ پر بھی تمکو پورا قبضہ نہین دیتا اور تم زمانہ کی ہمدردی مین ایسے ڈوبے کہ دائمی نعمت اور جاوید سلطنت کے چھوڑنے پر راضی ہوگئے۔ کہ دُنیا کی اس مُکدّر و حقیر شُہرت اور چند ایسے احمق و ضعیف لوگونکی تعظیم و تکریم پر نازان ہوگئے جنکو نہ کسیکی موت و حیات کا اختیار ہے اور نہ کسیکے ضرر اور نفع پر دسترس ہے اور اسکی بدولت اس پائدار عزت اور عالم ملکوتی کی شہرت کو کھو بیٹھے جو حق تعالیٰ اور اسکی برگزیدہ و پاک مخلوق یعنی فرشتون مین تمکو حاصل ہوتی۔ ہان یہ ضرور ہے کہ انسان مال کیطرح بقدر ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے تاکہ اسکی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور ظالم حاکمون کی دستبرد سے بیخوف ہو باطمینان قلب عبادت مین مشغول رہسکے لہٰذا اتنی طلب جاہ مین مضائقہ نہین مگر اسکے ساتھ ہی اسکا خیال رکھنا ضرور ہے کہ یہ بقدر ضرورت جاہ اپنی عبادتون مین ریا اور دکھاوا کرکے حاصل نکرو کہ ریا حرام ہے۔ نیز متقّی اور صوفی صورت بناکر بھی مخلوق کو دھوکہ نہ دو کہ درویشانہ یا عالمانہ صورت کی بدولت مخلوق مین عزت حاصل کروگے تو خدا کے نزدیک مکّار سمجھے جاوٴگے کیونکہ جو مضمون قلب کو حاصل نہوا ور محض صورت بناکر اسکا اظہار کیا جاے وہ دھوکا اور مکر کہلاتا ہی او مکر و دھوکا حرام ہے۔ بہرحال طلب جاہ بڑی خطرناک چیز ہے کہ اسکی ہوس انسان کو ایک حالت پر قناعت نہین کرنے دیتی۔ پس اگر سچ پوچھو تو دین انہین لوگونکا محفوظ ہے جنکا حال مخفی ہے اور انکو کوئی جانتا ہی نہین کہ وہ کس رُتبے کے ہین۔

(**فصل**) اکثر حُبِ جاہ کا سبب اپنی مدح و ثنا کی خواہش ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ انسان کو اپنی تعریف مین لذت آتی ہے

رعونت وطلب شہرت کا علاج

بقدر ضرورت جاہ کی تحصیل جائز ہے

اور لذت آنیکی تین وجہیں ہیں اوّل چونکہ کمال حق تعالیٰ کی صفت ہے اور ہر شخص کو مرغوب ہے کہ میرے اندر بھی یہ صفت پیدا ہو لہٰذا نفس اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے۔ کیونکہ سمجھتا ہے کہ تعریف کرنیوالا میرے کمال سے واقف ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بیوقوف اور جاہل شخص کی تعریف کرنیسے اتنی خوشی نہیں ہوا کرتی جتنی کسی ہوشیار اور عقلمند آدمی کی مدح کرنیسے ہوتی ہے۔

دوم تسخیر کی خواہش ہر شخص کو ہے اور اپنی مدح سنکر چونکہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مدّاح کے قلب پر میرا قبضہ و اثر ہوگیا ہے لہٰذا نفس کو اسمین مزہ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی صاحبِ عزت شخص تعریف کرے تو زیادہ مسرت ہوتی ہے اور کوئی محتاج یا بھک منگا فقیر مدح کرے تو بالکل خوشی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اُسکے قلب پر قبضہ کرنا کوئی کمال یا خوبی نہیں سمجھا جاتا۔

سوم یہ خیال ہوتا ہے کہ میری آوازۂ شہرت کے بلند ہونیکا ذریعہ پیدا ہوگیا۔ کیونکہ لوگونکو میری تعریف کرنیکی طرف توجہ ہوئی اور اب یہ آہستہ آہستہ پھیلکر دنیا بھر مین بہت جلد میری شہرت کرادیگی لہٰذا مدح سے نفس پھولتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مجمع مین تعریف ہونیسے جتنی مسرت ہوتی ہے تنہائی مین مدح ہونیسے اتنی مسرت نہیں ہوتی۔

اِس محبِ مدح نے لوگون کو برباد کردیا کہ اسیکی بدولت ریا اور طرح طرح کی معصیت مین مبتلا ہوگئے۔ پس اسکا علاج کرو اور سوچو کہ تعریف کرنیوالا تمھاری کس بات کی تعریف کرتا ہے؟ اگر مال اور عزت کی تعریف کررہا ہے تو سمجھو کہ یہ تو کوئی کمال کی چیز نہیں ہے مسرت تو حقیقی کمال یعنی معرفت الٰہی کے حصول پر ہونی چاہیے۔ اور وہمی کمال تو رونے کا مقام ہے نہ کہ مسرت کا۔ اور اگر تمھارے زہد اور اتقا کی تعریف کرتا ہے تو اسکی دو صورتین ہین یا یہ کہ درحقیقت تم زاہد اور متقی ہو اور تمھاری تعریف اس بارہ مین سچی ہورہی ہے۔ اور یا محض تمہین خوش کرنیکے لئے تمھاری جھوٹی تعریف کیجارہی ہے۔ پس اگر سچی تعریف ہے تو دل مین سوچو اور غور کرو کہ ان باتون کا اپنے اندر آجانا اور حق تعالیٰ کا قبول فرمالینا خوشی کی بات ہے نہ کہ دوسرون کا بیان کرنا۔ کیونکہ لوگونکے اظہار کو قبولیت اور قربِ الٰہی مین کچھ دخل نہیں ہے اور اگر زہد و اتقا کی تعریف جھوٹی ہورہی ہے تب تو خوش ہونا کھلی حماقت ہے کہ اسکی مثال تو ایسی ہوئی جیسے کوئی شخص تمھاری تعریف کرینگے کہ آپکی آنتون اور معدہ مین عطر کی خوشبو آرہی ہے حالانکہ تم واقف ہو کہ اسمین تو نجاست اور فضلہ بھرا ہوا ہے اور پھر اس بیجا مدح اور بیموقع بلکہ صریح جھوٹی تعریف پر خوش ہونے لگو تم ہی بتاؤ کہ اس سے زیادہ بیوقوفی کیا ہوگی؟ اور جاہ و شہرت کا علاج ہم اوپر بیان کرچکے ہین اُس پر عمل کرنیسے اُمید ہے کہ حبِ جاہ اور حبِ مدح کی جڑ جاتی رہیگی

ساتوین اصل دُنیا کی محبت کا بیان

دُنیا صرف مال و جاہ ہی کی محبت کا نام نہین بلکہ موت سے پہلے جس حالتمین بھی تم ہو وہ سب دُنیا ہے۔ اور دُنیا کی محبت تمام گناہونکی جڑ ہے۔ دُنیا کے تمام جھگڑون بکھیڑون اور مخلوقات اور موجودہ چیزونکے ساتھ تعلق رکھنے کا نام دُنیا کی محبت ہے۔ البتہ علم و معرفت الٰہی اور نیک کام جنکا ثمرہ مرنیکے بعد ملنے والا ہے انکا وقوع اگرچہ دُنیا مین ہوتا ہی مگر درحقیقت وہ دُنیا سے مستثنےٰ ہین اور انکی محبت دُنیا کی محبت نہین بلکہ آخرت کی محبت ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ہمنے دُنیا کی تمام

حب مدح کی وجوہات

حب مدح کا علاج

حب دنیا کا بیان

چیزون کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تاکہ لوگون کو آزمائین کہ کون انپر فریفتہ ہوکر آخرت ضائع کرتا ہے اور کون بقدر ضرورت سفر کا توشہ سمجھکر اپنی آخرت سنوارتا ہے" دیکھو آدمی کو جاہ و مال کے علاوہ زمین کی بھی محبت ہوا کرتی ہے مثلاً مکان بنائے یا کھیتی کرے۔ نباتات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً جڑی بوٹی ہو کہ اسکو دواؤن مین استعمال کرے یا ترکاری و دیگر پیداوار یا پھل پھول ہو کہ اسکو کھائے اور مزے اڑائے۔ معدنیات کی بھی محبت ہوتی ہے۔ مثلاً برتن اور اوزار بنائے یا زیور بنا کر پہنے یا نقد جمع کرے۔ حیوانات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً شکار کرے اور کھائے یا انپر سواری لے اور اپنی زینت بڑہائے۔ آدمیون کی بھی محبت ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ عورتون کو منکوحہ خادمہ بنائے یا مردون کو غلام اور نوکر و خدمتگار بنائے۔ انہین چیزون کی محبت کا نام ہوائے نفس ہے جسکو حقتعالے نے فرمایا ہے کہ جسنے اپنے نفس کو خواہش سے روک لیا اسکا ٹھکانا جنت ہے۔" یاد رکھو کہ دُنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشہ ہے اور اسی سے اکثر باطنی امراض مہلکہ مثلاً غرور و نخوت کینہ و حسد ریا و تفاخر اور برتری کی حرص پیدا ہوتی ہے۔ اور جب انسان کو حیاتِ دُنیوی کی درستی و آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے تو حرفت و صنعت و زراعت و تجارت کے ناپائدار شغلون مین ایسا پھنس جاتا ہے کہ آگے پیچھے اور مبدء و معاد کی اسکو کچھ خبر ہی نہین رہتی اور ظاہر و باطن دونون دُنیا ہی کے ہو رہتے ہین قلب محبتِ دُنیا مین مشغول ہوجاتا ہے اور بدن اسکی اصلاح و تدبیر مین مصروف۔ حالانکہ دُنیا توشۂ آخرت ہے اور اس سے مقصود یہی ہے کہ مُسافرانِ آخرت باسانی اپنا سفر ختم کرسکین مگر بیوقوف اور احمق لوگون نے اسکو مقصود اصلی سمجھلیا اور طرح طرح کے مشغلون اور قسم قسم کی خواہشون مین ایسے پڑے کہ آنیوالے وقت کو بالکل بھول گئے۔ اِن لوگونکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی نیت سے روانہ ہوا اور جنگل مین پہونچکر سواری کے گھاس دانہ اور مرکب کے موٹا تازہ کرنے کی فکر مین لگجائے اور ہمراہیون سے پیچھے رہجائے۔ افسوس ہے اسکی حالت پر کہ تن تنہا جنگل مین رہگیا اور قافلہ کوچ کرگیا۔ جس نیت سے چلا تھا یعنی حج وہ بھی گیا گذرا ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندون نے موٹی تازی سواری کو بھی چیر پھاڑ ڈالا اور اسکو بھی اپنے مُنہ کا نوالہ بنا گئے۔ دیکھو دُنیا آخرت کی کھیتی اور منزل کا پڑاؤ ہے اور تم اپنے جسمِ خاکی پر سوار ہوکر سفرِ آخرت کررہے ہو اسلئے تمکو چاہیے کہ اپنی سواری کا گھاس دانہ بقدر کفایت اُٹھاؤ اور سفری ضرورتون مین کام آنیوالا سامان مہیّا کرکے وہ بیج بوؤ جسکو آخرت مین کاٹو اور پھر دائمی زندگی آرام سے گذار سکو۔ اور اگر اس ماتحت سواری کی پرورش و فربہی مین مشغول ہوجاؤ گے تو قافلہ کوچ کرجائیگا اور تم منزل مقصود پر نہ پہونچ سکو گے دُنیا مین مخلوق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کشتی پر کچھ آدمی سوار ہون اور کشتی کسی جزیرہ کے کنارے پر آکھیرے اور کشتی کا ملّاح سوارونکو اجازت دیدے کہ جاؤ جزیرہ مین اُترکر اپنی ضرورتین پوری کرآؤ مگر ہوشیاری سے کام لینا کہ جگہ خطرناک ہے اور ابھی سفر دور و دراز کا سر پر ہے۔" غرض سواریان اُترین اور ادھر ادھر منتشر ہوکر کئی اقسام ہوگئین بعض تو ضروری حاجت سے فارغ ہوتے ہی لوٹ پڑے اور فضول وقت گذارنا انکو اچھا نہ معلوم ہوا۔ واپس دیکھا کہ کشتی خالی پڑی ہے لہذا اپنی پسند کیموافق ساری

کشتی مین اعلےٰ درجہ کی ہوادار اور فراخ جگہ منتخب کر کے بیٹھ گئے ۲ اور بعض جزیرہ کی خوشگوار ہوائین کھانے اور خوش الحان پرندون کی سُریلی آوازون کے سُننے مین لگ گئے۔ سبز مخملی فرش اور رنگ برنگ کے پھول بوٹون اور طرح طرح کے پتھرون درختون کی گلکاریون مین مشغول ہو گئے۔ مگر پھر جلد ہی ہوش آگیا اور فوراً کشتی کی جانب واپس ہوئے۔ یہان پہونچکر دیکھا کہ جگہ تنگ رہگئی ہے اور پُربہار وفضا کی جگھون پر ان سے پہلے آجانیوالے لوگ بستر لگا چکے ہین لہذا اس تنگ ہی جگہ مین تکلیف کے ساتھ بیٹھ گئے ۳ اور چند لوگ اس جزیرہ کی عارضی بہار پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ دریائی خوشنما سیپیون اور پہاڑی خوبصورت پتھرون کے چھوڑنیکو انکا دل ہی نہ چاہا پس انکا بوجھ لادکر انہون نے اپنی کمر پر رکھا اور سمندر کے کنارہ پر پہونچے کہ کشتی پر سوار ہون۔ دیکھا تو کشتی لبریز ہو چکی ہے کہ اسمین نہ اپنے بیٹھنے کی جگہ ہے اور نہ اس فضول بوجھ کے رکھنے کیلئے کوئی جگہ ہے۔ اب حیران ہین کہ کیا کرین اِدھر تو بوجھ کے پھینکنے کو نفس گوارا نہین کرتا اور اُدھر اپنے بیٹھنے تک کو جگہ نہین ملتی۔ غرض قہر درویش بجان درویش۔ نہایت دقت کے ساتھ ایک نہایت تنگ جگہ مین گھس بیٹھے اور کنکرون پتھرون کے بارِ گران کو اپنے سر پر لاد لیا۔ اب انکی حالت کا تم ہی اندازہ کر لو کہ کیا ہو گی۔ کمر الگ دُکھیگی۔ گردن جُدا ٹوٹیگی اور جس مصیبت و تکلیف کے ساتھ وقت کٹیگا اُسکو انکا دل ہی خوب سمجھیگا۔ اور ۴ بعض لوگ جزیرہ کے دل فروز حسن پر ایسے عاشق ہوئے کہ کشتی اور سمندر سبکو بھول گئے۔ پھول سونگھنے اور پھل کھانے مین مصروف ہو گئے اور کچھ خبر نہ رہی کہ کہان جانا ہے اور یہان رہکر کن درندون اور موذی جانورون کی غذا بننا ہے آخر جب سبکے بعد بادلِ ناخواستہ ساحل پر پہونچے تو کشتی مین تام کو بھی جگہ نظر نہ آئی۔ تھوڑی دیر بعد کشتی لنگر اُٹھا کر وہان سے چلدی اور یہ لوگ کنارہ پر کھڑے حسرت بھری نظرون سے اپنے ہمراہیون کو دیکھتے رہگئے۔ آخرکار نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرہ کے درندون نے انکو پھاڑ ڈالا۔ اور موذی جانورون نے انکے نازک اور خوبصورت بدن کو ٹکڑے کر دیا۔ یہی حال بعینہ دنیا دارون کا ہے۔ اب تم خود غور کر کے سمجھلو کہ کن لوگون پر کونسی مثال چسپان ہوتی ہے

(**فصل**) جو شخص اپنے نفس کی ماہیت سے واقف ہو گیا اور معرفت الٰہی حاصل کر لی اور جسنے دُنیائے دنی کی حقیقت سمجھ لی وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ حق تعالےٰ کی محبت کے بغیر آخرت کی جاوید نعمتین ہرگز نہین مل سکتین اور حق تعالیٰ کی محبت کے ساتھ دُنیا کی محبت کا جمع ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جسطرح ایک برتن مین آگ اور پانی کا جمع ہونا ناممکن ہے اور جب تک انسان دُنیا سے مُنہ نہ پھیریگا کہ ان فانی تعلقات کو منقطع کرے اور بقدر ضرورت دُنیا پر قناعت کر کے باطمینان ہر لحظہ فکر و ذکر الٰہی مین مشغول ہو جائے اسوقت تک حقتعالیٰ کی محبت پیدا نہو گی۔ اگر تمھاری ایسی حالت ہو جائے اور نورِ بصیرت کے مشاہدہ سے یہ اسرار منکشف ہو جائین تب تو کسیکے سمجھانے اور بتلانے کی حاجت نہین ورنہ شریعت کے تابع بنکر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دُنیا

یعنی دنیا اور حب خدا جمع نہین ہو سکتین

کی کسقدر مذمت فرمائی ہے۔ تخمیناً تہائی قرآن اسی دلفریب سبزہ زار زہر ہلاہل کی برائیوں سے بھرا ہوا ہے چنانچہ فرماتا ہے "جنھوں نے سرکشی کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ جہنمی ہیں" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "تعجب ہے اُن بندوں پر جو عالم بقا کو سچا سمجھیں اور پھر اس ناپائدار پر فریفتہ ہوں"

جو لوگ دنیا کو مقصود سمجھکر اسکے کمانے میں مشغول ہوجاتے ہیں وہ سدا پریشان رہتے ہیں کہ انکی طلب کبھی ختم نہیں ہوتی انکا فکر کبھی رفع نہیں ہوتا انکی آرزو کبھی پوری نہیں ہوسکتی اور انکا رنج وغم کبھی دور نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ابوہریرہ رضہ کا ہاتھ پکڑا اور ایک کوڑی پر لاکھڑا کیا جہاں مُردوں کی کھوپریاں اور نجاست وغلاظت کے ڈھیر اور بوسیدہ ہڈیاں اور پھٹے پرانے کپڑے پڑے ہوئے تھے اور فرمایا کہ دیکھو ابوہریرہ یہ ہے دُنیا کی حقیقت۔ ایک وقت وہ تھا کہ اُن کھوپریوں میں بھی تمھاری طرح امیدیں اور آرزوئیں جوش مارتی اور حرص وہوس سے لبریز تھیں مگر آج کس بُرے حال کوڑی پر پڑی ہیں کہ چندروز میں خاک ہوجائینگی اور انکا پتہ نشان بھی نہ رہیگا۔ اور دیکھو یہ غلاظت اور فضلہ جو تمکو نظر آرہا ہے یہ وہی تمھاری غذا ہے جسکے پیٹ کے اندر بھرنے میں حلال اور حرام کا بھی امتیاز نہیں ہوتا ایکدن تھا کہ رنگ برنگ کے کھانے بنکر تمھارے پیٹ میں تھا اور آج یہاں کوڑی پر کس گندی حالت میں پڑا ہوا ہے کہ اسکی بو سے بھی لوگ بھاگتے اور گھنیاتے ہیں۔ دیکھو یہی پرانے چیتھڑے کسیوقت تمھارے چمک دمک والے لباس تھے اور آج ہوائیں انکو ادھر سے اُدھر اوڑائے پھرتی ہیں اور کوئی پرسان حال نہیں دیکھو یہ ہڈیاں کسیدن تمھاری سواری کے جانور اور مویشی تھے کہ جنپر جانیں دیتے اور قتل وقتال کیا کرتے تھے۔ اے ابوہریرہ رضہ یہ دُنیا کی حقیقت ہے جسکا قابل عبرت انجام دُنیا ہی میں ظاہر ہوگیا ہے پس جسکو رونا ہو وہ رووے"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایکدن دُنیا کی حقیقت منکشف ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ ایک بدصورت بڑھیا بناؤ سنگار کیے ہوئے زیور پوشاک پہنے بنی ٹھنی بیٹھی ہے۔ آپنے پوچھا کہ اے بڑھیا تو کتنے لوگوں سے نکاح کرچکی ہے؟ دُنیا نے جوابدیا کہ بیشمار آدمیوں سے آپنے فرمایا کہ اُن شوہروں کا انتقال ہوگیا یا تجکو طلاق دے بیٹھے؟ دُنیا نے جوابدیا کہ طلاق دینے کی ہمت تو کسکو ہوتی ہے میں نے ہی سبکو مار ڈالا۔ یہ سُنکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے موجودہ شوہروں پر افسوس کہ انکو گذشتہ شوہروں کی حالت پر عبرت نہیں ہوتی؟ "مسلمانو ہوشیار ہو اور سنبھلو دُنیا بڑی بیوفا ہے۔ اس سے بچو کہ اسکا جادو ہاروت وماروت کے سحر سے زیادہ اور جلد اثر کرتا ہے۔ اگر پُرانا نمک جَو کی روٹی کیساتھ کھا کر اور ٹاٹ پہنکر زندگی گذار دوگے تب بھی گذر جائیگی مگر آخرت کی فکر کرو کہ وہاں کی رتی برابر نعمت کا نہ ملنا بھی بڑی تکلیف کا سبب ہے

(فصل) بعض لوگ دھوکہ کھا جاتے اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا بدن کتنا ہی دُنیا میں مصروف رہے مگر ہمارا قلب دُنیا سے فارغ اور خالی رہتا ہے۔ یہ شیطانی وسوسہ ہے بھلا کوئی شخص دریا میں چلے اور پاؤں نہ بھیگیں یہ کیسے ہوسکتا ہے

دُنیا کی حقیقت کوڑی پر نظر آتی ہے

اگر تمکو دُنیا کی طلب ہوگی اور ضرورت سے زیادہ دُنیا کے کمانیکی تدبیر و نمین لگو گے تو ضروری بات ہے کہ پریشان رہو گے اور دین کو ہاتھ سے کھو بیٹھو گے۔ نیز یاد رکھو کہ دُنیا کی یہ طلب کبھی ختم نہوگی اور اسکی حرص ہمیشہ بڑھتی ہی رہیگی کیونکہ دُنیا کی مثال سمندر کے کھاری پانی کی سی ہے کہ جتنا پیو گے اسیقدر پیاس زیادہ لگیگی۔ بھلا جو چیز ایکدن تمسے چھوٹ جانیوالی ہے اسمین مصروف ہونا اگر اپنے رنج کا سامان کرنا نہین تو کیا ہے؟ دُنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ چھونے مین نرم ہے مگر منہ مین قاتل و مُہلک زہر لئے ہوئے ہے۔ اس بیوفا کی مفارقت یقینی ہے۔ لہذا اسکے ہاتھ آجانے پر خوش ہونا اور ہاتھ نہ آنے پر رنج و ملال کرنا دونون فضول ہین۔ دُنیا کے زر و مال کو اپنے اطمینان کا ذریعہ سمجھنا بڑی حماقت ہے۔ جہان ہمیشہ رہنا نہین وہان اطمینان کیسا؟ دُنیا کی مثال ایسی ہی جیسے کسی مہمان نواز نے اپنا مکان آراستہ کیا اور شیشہ و آلات سے سجاکر مہمانون کو بُلایا اور انکو اسمین بٹھاکر عطر اور خوشبو اور پھولون سے بھرا ہوا طباق انکے سامنے رکھدیا۔ صاحب مکان کا مطلب اس سے یہ ہے کہ طباق مین رکھے ہوئے پھولونکو سونگھو اور پاس والونکے آگے سرکادو کہ وہ اسیطرح نفع اُٹھائین اور بخوشی خاطر برابر والون کے سامنے کردین۔ یہ ہرگز مطلب نہین کہ سارے طباق پر تم ہی قبضہ کر بیٹھو۔ پس اگر کوئی شخص آدابِ مجلس سے واقف نہوا ور طباق کو اپنا نذرانہ سمجھکر اپنی بغل مین دبالے تو اُسکی اس حماقت پر تمام حضار مجلس ہنسینگے اور اسکا مذاق اُڑائینگے اور اسکے بعد یہ نتیجہ ہوگا کہ مالکِ مکان زبردستی اُس سے طباق چھینکر دوسرونکے سامنے رکھدیگا۔ تم ہی سوچو کہ اسوقت اسکو کیسی ندامت ہوگی۔ اسیطرح دُنیا حق تعالیٰ کی میزبانی کیجگہ ہے۔ اس سے حق تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ مسافرانِ آخرت آئین اور بقدرِ ضرورت اسطرح نفع اُٹھائین جسطرح مُستعار چیزون سے نفع اُٹھاتے اور اپنی حاجتین رفع کیا کرتے ہین۔ اسکے بعد بخوشی خاطر اسکو دوسرونکے حوالہ کرکے اپنا راستہ لین اور آخرت مین آپہونچین پس مُستعار چیز سے دل لگانا حقیقت مین چلتے وقت اپنے آپ کو شرمندہ اور رنجیدہ بنانا ہے۔

دنیا کی طلب ختم نہوگی

دنیا سے نفع اٹھانا ضروری ہے

آٹھوین اصل نخوت و تکبّر کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبّر کرنیوالون کا بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ کبریائی خاص میری چادر ہے۔ پس جو شخص بھی اسمین شریک ہونا چاہیگا مین اُسکو قتل کرونگا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "جسکے قلب مین رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبّر ہوگا وہ جنت مین نہ جائیگا" جو لوگ باوجود صاحب عزت و مال ہونیکے تواضع کرتے اور عاجزی و انکساری کیساتھ لوگون سے ملتے ہین انکو مُبارک ہو کہ انکے بڑے درجے ہین۔ انکی دُنیا مین بھی عزت بڑھتی ہے اور آخرت مین بھی۔ تکبّر کے معنی یہ ہین کہ انسان اپنے آپکو صفاتِ کمالیہ مین دوسرون سے زیادہ سمجھے۔ اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے اور پھر اسکے آثار ظاہر ہونے لگتے ہین مثلاً راستہ مین چلتے وقت دوسرون سے آگے قدم رکھنا۔ مجلس مین صدر مقام یا عزت کی جگہ بیٹھنا۔ دوسرونکو نظرِ حقارت سے دیکھنا

تکبر کی حقیقت اور آثار

اگر کوئی سلام کرنے مین پیش قدمی نہ کرے تو اُسپر غصّہ ہونا۔ کوئی تعظیم نکرے تو ناراض ہونا۔ کوئی نصیحت کرے
تو ناک بھون چڑھانا۔ حق بات معلوم ہوئے پیچھے بھی اسکو نہ ماننا۔ اور عوام الناس کو ایسی نگاہ سے دیکھنا
جسطرح گدھوں کو دیکھتے ہین۔ نعوذ باللہ منہا۔ چونکہ تکبّر بڑی بڑی خباثتون کا مجموعہ ہے اسلئے جہنّم مین جانیکا گویا ذریعہ ہے
اوّل کبریائی کہ وہ حق تعالیٰ ہی کیلئے مخصوص اور اسیکی شان کو زیبا ہے۔ پس انسان ضعیف البنیان جسکو دوسرے
کا اختیار تو درکنار اپنے ہی نفس کا اختیار نہین وہ اس صفتِ الٰہی مین ساجھی ہونیکی کس طرح جرأت کرسکتا ہے اور
چونکہ متکبّر شخص باوجودِ اس ذلت وضعف کے حق تعالیٰ کی مشارکت چاہتا اور اس صفت کمالیہ مین اسکے
ساتھ منازعت کرتا ہے اسلئے پرلے درجہ کا احمق اور خبیث النفس سمجھا جائیگا۔ **دوم** تکبر کے سبب حق بات کے
انکار کی نوبت آتی ہے جس سے دینی سعادت کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ اور متکبّر اللہ کی مخلوق کو بہ نظرِ حقارت
دیکھنے لگتا ہے جو کہ حق تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔ کان لگاکر سُنو ایک بزرگ کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
اپنی رضامندی کو اپنی طاعت مین چھپا رکھا ہے لہذا کسی عبادت کو کتنی ہی چھوٹی کیون نہو حقیر نہ سمجھو۔ کیا
خبر ہے کہ اسکی رضامندی اِسی مین چھپی ہوئی ہو اور اسیطرح حق تعالےٰ نے اپنی ناراضی اور غصّہ کو معصیت
مین چھپا دیا ہے پس کسی معصیت کو کیسی ہی ذراسی کیون نہو کبھی معمولی نہ سمجھو۔ کیا خبر ہے شاید اسی مین
اسکی ناراضگی وغصّہ چھپا ہوا ہو۔ اسیطرح اپنی ولایت وقُرب کو اپنے بندون مین مخفی رکھا ہے لہذا کسی بندہ
کو کیسا ہی گنہگار کیون نہو کبھی حقیر نہ سمجھو۔ کیا خبر ہے کہ شاید یہی بندہ خدا کا ولی ہو جسکا ظہور اسکے انتقال کے
وقت دفعۃً ہوجائے۔ **سوم** تکبّر نفس کو کوئی پسندیدہ صفت حاصل نہین کرنے دیتا۔ تکبّر کرنیوالا شخص تواضع سے
محروم رہتا ہے حسد اور غصّے کے دُور کرنے پر قادر نہین ہوتا ریاکاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اسکو دشوار ہوتا ہے۔
کسی مسلمان بھائی کی خیرخواہی اس سے ہو نہین سکتی۔ غرض اپنی عظمت اور بڑائی کے غرّہ مین مست اور بہمہ صفت
موصوف ہونیکے خیالِ باطل مین ناصح کی نصیحت سے مستغنی اور نفسِ امّارہ کی اصلاح سے بالکل محروم رہتا ہے اور
چونکہ جبتک یہ بدخصلت دفع نہو جائے آیندہ بھی اسکی اصلاح کی توقع نظر نہین آتی لہذا اسکے علاج مین جلدی کرنی
چاہیے۔ اوّل تو سوچنا چاہیے کہ ہماری حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ ابتدا تو نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے
اور انتہا مُردار لوتھڑا اور کیڑے مکوڑون کی غذا۔ اَب رہی متوسط حالت کہ جسکا نام زندگی اور حیاتِ دُنیا ہے
سو اسکی حالت یہ ہے کہ منون نجاست پیٹ مین بھری ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ الخ[1]
کے معنی سمجھو کہ انسان معدوم محض شے تھا اور اس قابل ہی نہ تھا کہ ذکر و بیان مین آسکے۔ اسکے بعد مٹّی بنا اور
پھر نطفہ ہوا پھر مضغہ گوشت بنا کہ نہ کان تھے نہ آنکھ اور حیات تھی نہ طاقت۔ اسکے بعد حق تعالیٰ نے سب
کچھ دیدیا مگر اسپر بھی بیسیون امراض کا ہر وقت نشانہ بنا ہوا ہے کہ بھوک و پیاس کا محتاج جُدا ہے اور ذرا

[1] مارا جائیو انسان وہ کسقدر ناشکرا ہے ۱۲ منہ

سی تکلیف مین بیکار ہو کر بیٹھ جاتا ہے کیسی شے کا علم چاہتا ہے مگر نہین ہو سکتا۔ نفع حاصل کرنا چاہتا ہے مگر نقصان ہو جاتا ہے۔ کوئی لحظہ موت سے امن نہین۔ خدا جانے کسوقت بیمار ہو جائے کسوقت عقل چھین جائے کسوقت کوئی عضو بیکار ہو جائے اور کسوقت روح پرواز کر جائے پھر انجام کار موت کا شکار اور اُسکے بعد تنگ و تاریک گھاٹیون کا سامنا ہونا۔ حساب کتاب حشر و نشر پیش آنا۔ جنت و دوزخ مین دائمی زندگی کا فیصلہ اور شاہنشاہی فرمان کا صادر ہونا۔ بھلا تمھین بتلاؤ کہ ایسے گرفتارِ مصیبت اور ذلیل و ناکارہ غلام کو زبردست قدرت والے جبّار و قہار شاہنشاہ کی ہمسری کا خیال کیونکر زیبا ہو سکتا ہے؟ جس شخص کی یہ حالت ہو کہ نجاست اسکے ہاتھ کو لگے تو دو دو مرتبہ دھوئے اور پھر اسی نجاست کو ہر وقت پیٹ مین لئے پھرے۔ اسکو تکبّر کرنا کسیطرح بھی زیب نہین دیتا۔

عموماً چار باتون مین انسان کو تکبّر ہوتا ہے۔ علم۔ تقویٰ۔ حسب و نسب۔ و رمال و جمال۔ اور چونکہ ہر ایک کا علاج علیحدہ ہے لہذا ہم ہر مضمون کو مفصّل جُدا جُدا بیان کرتے ہین:۔

عالم کے تکبر کے اسباب

اوّل علم علماء تکبر سے بہت کم خالی ہوتے ہین کیونکہ علم کے برابر کسی چیز کی فضیلت نہین ہے لہذا اسکو حاصل کر کے دو خیال پیدا ہو جاتے ہین **اوّل** یہ کہ ہماری برابر اللہ کے یہان دوسرون کا رُتبہ نہین ہے **دوم** یہ کہ لوگون پر ہماری تعظیم واجب و ضروری ہے۔ پس اگر لوگ تواضع کے ساتھ نہ پیش آوین تو انکو تعجب ہوتا ہے۔ پہلا تکبر دینی تکبّر ہے اور دوسرا تکبّر دُنیوی ہے۔ ایسے عالم کو جاہل کہنا چاہئے۔ کیونکہ علم کا منشا تو یہ تھا کہ انسان اپنے شرِ نفس کی حقیقت اور پروردگار جلّ جلالہٗ کی عظمت کو معلوم کرتا اور سمجھتا کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور اُسکا حال کسیکو معلوم نہین پس جو شخص اپنے آپکو قابلِ عظمت سمجھے ہوئے ہو تو گویا وہ اپنی اصلیت سے ناواقف اور خاتمہ کے اندیشہ سے بیخوف ہے جو کہ بڑی معصیت ہے۔ کیونکہ جاہل اگر کسی گناہ کے ارتکاب مین اپنی ناواقفیت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے تو کچھ عجب نہین مگر عالم چونکہ جان بوجھکر معصیت کر رہا ہے اسلئے معذور نہین ہو سکتا۔ سب جانتے ہین کہ قانون دان شخص کا جُرم عام لوگونکے جُرم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے پس تعجب ہے کہ عالم ہو کر جاہل بنگیا اور باوجود اسکے اپنی جہالت سے بیخبر ہے کہ اسیکا نام جہل مرکب ہے۔ یاد رکھو کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ حقیقی علم انسان کو جتنا بھی زیادہ حاصل ہوگا اسیقدر اسکا خوف اور خشیہ بڑھیگا۔ حق تعالیٰ نے تو اپنے محبوب پیغمبرؐ کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے متبع مسلمانونکے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین ایسے لوگ بھی پیدا ہونگے جو قرآن پڑھینگے مگر اُنکی زبانون ہی پر رہیگا کہ نہ حلق سے نیچے اُتریگا اور نہ قلب تک اسکا اثر پہونچیگا۔ لوگون سے کہینگے کہ ہم قاری ہین ہم عالم ہین ہمارے برابر دوسرا نہین سُنلو یہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہونگے۔ سلف صالحین کے حالات دیکھو۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نماز مین امام بنے اور سلام پھیر کر کہنے لگے

متکبر کا علم واقع مین جہل مرکب ہے

کہ صاحبو اپنے لئے کوئی دوسرا امام تلاش کرلو یا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھلیا کرو کہ مین امامت کے لائق نہین ہون۔ کیونکہ اسوقت میرے نفس مین یہ خطرہ آیا کہ میری برابر ساری جماعت مین کوئی شخص نہ تھا لہذا مجکو امام تجویز کیا گیا"۔ یاد رکھو کتنا ہی بڑا عالم کیون نہو یہ ضرور نہین کہ اسکا خاتمہ بخیر ہی ہوجائے۔ اور کیسا ہی جاہل کیون نہو یہ یقین نہین کہ اسکا انجام بخیر نہوا ور بُری حالت مین مرے۔ جب عالم ہو کر اتنا سمجھتے ہو تو پھر تکبر کس بنا پر کرتے ہو؟ کیا علم پر عمل کرنا تمپر فرض نہین ہے؟ حدیث مین آتا ہے "قیامت کیدن عالم لایا جائیگا اور جہنم مین ڈالدیا جائیگا کہ اسکی آنتین اسکے گرد اسطرح گھومتی ہونگی جسطرح چکی کے گرد گدھا گھومتا یا کولھو کا بیل چکر لگاتا ہے۔ لوگ تعجب کے ساتھ پوچھینگے کہ آپ یہان کیسے آئے؟ وہ کہیگا کہ مین نے علم پر عمل نکرتا تھا۔ دوسرونکو نصیحت کیا کرتا مگر اپنی خبر نہ لیتا تھا"۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ دیکھو حق تعالےٰ نے بلعم باعور کو جو بڑا زبردست عالم تھا اُس کتے کی مثل فرمایا ہے جو زبان باہر نکالدے۔ اور علماء یہود کو گدھا فرمایا ہے جسپر کتابین لدی ہوئی ہون"۔ اور یہ اسلئے کہ وہ شہوات نفسانی مین گرفتار تھے۔ تکبر کرتے اور اپنے آپکو بڑا سمجھتے تھے۔ دوسرونکو نصیحت کرتے تھے اور خود غافل تھے۔ پس ان واقعات اور احادیث مین غور کروگے تو تکبر جاتا رہیگا۔ اور اگر اسپر بھی نجائے تو سمجھو کہ یہ بے فائدہ علوم یعنی منطق و فلسفہ اور مناظرہ وغیرہ کے پڑھنے پڑھانے مین مشغول رہنے کا ثمرہ ہے اور یا اپنی خباثت باطنی کا اثر ہے کہ اسکی وجہ سے دوا نفع نہین دیتی بلکہ اُلٹا ضرر بڑھاتی ہے۔ پس انکے اثر کو کم کرنیکی کوشش کرو۔

تکبر کا دوسرا سبب تقویٰ اور زہد ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد بھی اکثر تکبر کرنے لگتا ہے۔ اور بعض کی تو یہان تک حالت ہوجاتی ہے کہ لوگونکو ایذا پہونچانا اپنی کرامت سمجھتے ہین۔ مثلاً اگر کسی شخص سے انکو ایذا پہونچے تو جھلاکر کہتے ہین کہ "ذرا دیکھتے رہو اللہ تعالیٰ اسکو کیسی سزا دیتا ہے۔ اسنے ہمپر ظلم تو کیا ہے مگر عنقریب سزا بھی ایسی ملیگی کہ یاد رکھیگا"۔ اسکے بعد اگر تقدیر سے وہ شخص بیمار پڑگیا یا مرگیا تب تو اپنے دعوی کا ثبوت بھی پیش کرتے اور خوش ہوکر کہتے ہین کہ "دیکھا اللہ کے فقیرونکو ایذا دینے کا کیسا نتیجہ پایا"۔ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافرون نے انبیاء علیہم السلام کو ہزارہا ایذائین پہونچائین مگر کسینے بھی انتقام کا فکر نہین کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایذا دینے والے کفار مشرف بایمان ہوگئے اور دنیا و آخرت کی بہبودی سے دامنون کو بھر لیا۔ اگر حضرات انبیا اپنے دشمنون سے انتقام لیتے یا انکا مرجانا چاہتے تو بھلا خدا کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی؟ کیا کوئی عابد ولی کسی نبی سے بڑھ سکتا ہے؟ استغفر اللہ۔ عابد کو تو ہر شخص کے سامنے تواضع کرنا چاہئے۔ مثلاً اگر کسی عالم گناہگار کو دیکھے تو اسکے سامنے علم کیوجہ سے جھک جائے اور اسکے گناہ کا خیال نکرے کہ علم کی بڑی فضیلت ہے۔ اور اگر جاہل فاسق کو دیکھے تو یون سمجھے کہ کیا خبر ہے شاید اسکی باطنی حالت مجھسے بدرجہا بہتر ہو اور اسمین کوئی ایسی محمود صفت ہو جو اسکے ظاہری گناہونکو چھپالے۔ اور میرے اندر کوئی ایسی خباثت ہو جسکے باعث میری ظاہری عبادتین بھی حبط ہو جائین۔

سو حق تعالیٰ تو قلوب کو دیکھتا ہے۔ صورت کو نہین دیکھتا اور کسیکے قلب کا حال سوائے علام الغیوب کے دوسرے کو معلوم نہین پھر تکبر کیسا؟ علاوہ اسکے یہ کہ خود تکبر بھی تو ایک باطنی خباثت ہی ہے پس اپنی حالت کا بدتر ہونا تو خود ظاہر ہوگیا کہ اپنے اندر تکبر موجود ہے اور وہ شخص جو فاسق نظر آرہا ہے تکبر سے خالی ہے۔ بنی اسرائیل مین ایک فاسق شخص ایک مرتبہ ایک عابد کے پاس اس نیت سے آبیٹھا کہ حق تعالیٰ اسکی برکت سے مجھپر رحم فرما دیگا۔ عابد اپنے دلمین کہنے لگا کب مجھے اس سے نسبت کیا۔ کہان یہ اور کہان مین۔ اسکے بعد اس سے کہا کہ "جاؤ دور ہو" اسیوقت اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ ان دونون سے کہدو از سرِ نو عمل کرین کہ پہلا کیا کرایا بُرا تھا یا بھلا دونون کا حبط کر دیا گیا یعنی فاسق کے گناہ محو ہوگئے اور عابد کی نیکیان مٹ گیئن اب آیندہ جیسا کرینگے ویسا بھرینگے" اِسیطرح ایک گستاخ شخص ایک عابد کی گردن پر سجدہ کی حالت مین آسوار ہوا۔ عابد نے غصہ ہوکر کہا کہ دفع ہو اللہ تیری کبھی مغفرت نکریگا" اسیوقت وحی نازل ہوئی کہ "بلکہ اے متکبر تیری مغفرت کبھی نہوگی۔ کیا میری مغفرت تیرے ہاتھ مین ہے کہ قسم کھا کر مجتنگی کے ساتھ ہمارے ایک بندہ کو اس سے نا امید بناتا ہے؟" حضرت عطاء سلمیؒ باوجود نہایت درجہ متقی اور عابد و زاہد ہونیکے جب کبھی تیز ہوا چلتی یا بادل گرجتا تو یون فرمایا کرتے تھے کہ مجھ بدنصیب کی وجہ سے لوگون پر یہ مصیبت نازل ہوتی ہے۔ پس اگر عطاء مرجائے تو ان مصیبتون سے لوگون کو خلاصی ملجائے" دیکھو اس اخلاص اور کثرتِ عبادت پر انکو کسقدر تواضع اور خدا کا خوف تھا۔ اور اس زمانہ مین تو یہ حالت ہے کہ دو چار ظاہری اعمال پر نازان ہوتے اور حق تعالےٰ پر احسان جتاتے اور اسکی حکومت و سلطنت جبروتی کی باگ اپنے ہاتھ مین لینی چاہتے ہین کہ کسیکو مارین اور کسیکو جلائین۔ حالانکہ ان عبادتون مین ریا و سُمعہ کا احتمال جُدا ہے اور انجام و خاتمہ کا خطرہ الگ۔

تکبر کا تیسرا سبب نسب ہے کہ اپنے آپکو شریف اور عالی خاندان سمجھکر تکبر کرتے ہین اسکا علاج یہ ہے کہ اپنے نسب مین غور کرو کہ وہ چیز کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کا نسب اسکے باپ کا ناپاک نطفہ اور ذلیل مٹی ہی تو ہے کہ ہر شخص اسی سے پیدا ہوا ہے پس دوسرونکے خصائل اور غیرون یعنی باپ دادا کی خوبیون پر ناز کرنا کیسی غلطی کی بات ہے۔ اگر آباؤ اجداد کو گویائی مرحمت ہو تو یقیناً وہ کہین کہ "صاحبزادہ! دوسرونکے محاسن پر فخر کرنیوالے تم کون؟ تم تو انکے پیشاب کا کیڑا ہی ہو جنہون نے قابلِ فخر کام کئے تھے۔ پس پیشاب کے کیڑے اور ناپاک نطفہ کو تو اپنی اصلیت دیکھنی چاہیئے نہ کہ آباؤ اجداد کے قابلِ تعریف اور بہادرانہ کام کہ میرے باپ ایسے بہادر تھے اور دادا ایسے سخی تھے۔ پھر اگر دُنیاداروں کے نسب پر تکبر اور فخر کیا جائے تب تو حماقت کا کچھ ٹھکانا ہی نہین۔ کیا خبر ہے کہ وہ نسب والے کہان گئے؟ ممکن ہے کہ جہنم کا کوئلہ بنگئے ہون اور آرزو کرتے ہون کہ کاش گتے اور سؤر پیدا ہوتے تاکہ اس مصیبت سے نجات ملتی پس اُنکی حالت تو ایسی اندیشہ ناک اور انکے صاحبزادے دُنیا مین اُنکی اولاد ہونے پر ناز کرین؟ اور اگر دیندارونکے

حسب نسب پر تکبر کا علاج

نسب پر فخر وناز ہو کہ ہم ایسے شیخ اور ولی کی اولاد مین ہین تو اس تکبر مین دوسری حماقت ہے کہ انکو جو کچھ عزو شرف حاصل ہوا تھا وہ انکی دینداری اور تواضع کی بدولت ہوا تھا۔ سو جب وہ اپنی دینداری پر خود ہی متکبر نہ تھے تو انکی اولاد کس عزت و شرافت پر تکبر کرتی اور انکی ناخلف اولاد قرار پاتی ہے۔ دیندار آباؤ اجداد کا تو یہ حال تھا کہ وہ بعض وقت انجام و خاتمہ کے خوف سے لرز اُٹھتے اور تمنائین کیا کرتے تھے کہ کاش گھاس ہوتے کہ کوئی جانور چر لیتا۔ کاش پرند ہوتے کہ کوئی شکاری جانور یا انسان کھا لیتا۔ بھلا جنکو علم و عمل دونون حاصل تھے وہ تو تکبر سے کوسون بھاگتے تھے اور تم باوجودیکہ دونون صفتون سے بے بہرہ ہو محض انکی اولاد ہو کر نسب پر فخر کرتے اور متکبر بنے جاتے ہو **چوتھا سبب مال وجمال** ہے کہ آدمی اپنے مالدار یا حسین ہونے پر فخر کرتا ہے یون چیزون پر بھی تکبر کرنا حماقت ہے۔ بھلا مال جیسی ناپائدار چیز کہ ڈاکہ پڑ جائے یا کو نبھل ہو جائے تو سب جاتا رہے اسیطرح جمال جیسی عارضی چیز کہ مہینہ بھر بخار آئے تو سارا حُسن و جمال خاک مین ملجائے اور چیچک نکل آئے تو صورت کا روپ ہی بدلجائے۔ فخر کے قابل کس طرح ہو سکتے ہین حسین صورت اگر اپنی اندرونی نجاستون مین غور کرے تو اپنے ظاہری جمال پر کبھی فخر نکرے جس حُسن و جمال کو بناوٹ و آرایش کی حاجت ہے وہ ہرگز فخر کے قابل نہین اگر ہفتہ عشرہ غسل نہ کیا جائے تو دیکھلو بدن کے رنگ اور بُو کا کیا حال ہوتا ہے میل کچیل سینک تھوک بول و براز جیسی نجاستون سے سارا اندرون بھرا ہوا ہے۔ پھر بھلا نجاست کے ڈھیر اور غلاظت کی کوٹھڑی کو کیا زیبا ہے کہ اپنے آپ کو صاحب جمال سمجھے اور اسپر نازان اور متکبر ہو۔

مال وجمال پر تکبر اور اسکا علاج

نوین فصل خودپسندی کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اپنے نفس کو پاک صاف اور اچھا نہ سمجھا کرو" یہ کافرون کی شان ہے کہ اپنے اعمال اور اپنے آپکو اچھا سمجھین" حدیث مین آتا ہے کہ خودپسندی تباہ کر دیتی ہے۔ کیونکہ آدمی جب اپنے آپکو نیکوکار سمجھنے لگتا ہے تو مطمئن ہو جاتا اور سعادت اُخروی سے محروم رہجاتا ہے" حضرت بشر ابن منصورؒ نے ایک مرتبہ نماز پڑھی اور دیر تک پڑھی۔ اتفاق سے ایک شخص انکو دیکھ رہا تھا۔ چونکہ خودپسندی کے احتمال کا موقع تھا اسلئے نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے "میان میری اس حالت سے دھوکہ نہ کھائیو۔ شیطان نے چار ہزار برس اللہ کی عبادت کی مگر انجام اسکا جو ہوا وہ سبکو معلوم ہے" غرض مسلمان کی شان نہین کہ اپنی عبادت کو عبادت اور طاعت کو طاعت سمجھے کیونکہ اول تو قبولیت کا علم نہین جس سے پتہ چلے کہ عبادت واقع مین عبادت ہوئی یا یون ہی بیکار گئی۔ دوم اعتبار تو خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا حال کوئی جانتا نہین کہ کس حال پر ہوتا ہے۔ خودپسندی بھی تکبر کی ایک شاخ ہے مگر فرق صرف اتنا ہے کہ تکبر مین دوسرے لوگون سے اپنے نفس کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور خودپسندی مین دوسرے لوگونکی ضرورت نہین بلکہ اپنے نفس کو اپنے خیال مین کامل سمجھ لینا اور حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتون کو اپنا استحقاق خیال کرنا یعنی انکو اللہ کا فضل و کرم نہ

خودپسندی کی مذمت

اور خودپسندی اور تکبر کا فرق

سمجھنا اور انکے زوال سے بخوف ہوجانا خودپسندی و عُجب کہلاتا ہے اور اگر یہاں تک نوبت پہونچ جائے کہ حقتعالےٰ کے نزدیک اپنے آپکو ذی رتبہ اور باوقعت سمجھنے لگے تو یہ ناز کہلاتا ہے اور اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دُعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب اور اپنے موذی دشمن کو سزا و عذاب نہ ملنے سے حیرت ہوتی ہے اور نفس کہتا ہی کہ ہم جیسوں کی دُعا قبول نہوا اور ہمارے دشمن پامال نہوں" یاد رکھو کہ اپنی عبادت پر نازان ہونا اور اپنے آپکو مقبولِ خدا اور کسی قابل سمجھنا بڑی حماقت ہے۔ ہان اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہو اور اسکے چھن جانیکا بھی خوف دلمین رکھو اور اِتنا ہی سمجھو کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے فلان عمل یا علم کے سبب مجکو مرحمت فرمادی ہے اور وہ مالک و مختار ہے جس وقت چاہے اسکو چھین لیلے۔ تو یہ خودپسندی نہیں ہے کیونکہ خودپسند شخص نعمت کا منعم حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔

ناز کی علامت

خودپسندی بڑی جہالت ہے لہٰذا اسکا علاج کرنا چاہئے اگر غیر اختیاری خوبیوں مثلاً قوت وزور یا حُسن وجمال پر عُجب ہو تب تو یون سوچو کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے مین میرا دخل ہی کیا ہے کہ جسپر ناز کرون حقتعالےٰ کا محض فضل واحسان ہے کہ اسنے بلا استحقاق یہ خوبیان مجکو عطا فرمادین۔ علاوہ ازین ظاہر ہے کہ یہ سب خوبیان معرض زوال مین ہین۔ کہ ذراسی بیماری وضعف لاحق ہوا تو سب جاتی رہینگی پس دوسرکے ناپائدار عطیہ پر عُجب کیسا۔ اور اگر علم وعمل یا زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت یعنی اختیاری افعال پر ناز ہو تو اسمین غور کرو کہ یہ کمالات اور محاسن کیونکر حاصل ہوئے؟ اگر حق تعالیٰ ذہن رسا اور طاقت وہمت۔ دماغ وبینائی۔ ہاتھ پاؤن قصد وارادہ مرحمت نہ فرماتا تو کوئی کمال کیونکر حاصل ہوتا۔ اسیکا حکم تھا کہ کوئی مانع پیش نہین آیا ورنہ مین مجبور تھا کہ خود کچھ بھی نہ کرسکتا تھا۔ یہ ضرور مسلّم ہے کہ انسان کو اختیار وارادہ دیا گیا ہے جس سے وہ اچھے یا بُرے کام کرتا ہے مگر اختیار وارادہ کی عطا بھی تو اُسی خدا کی ہے۔ اور پھر تمام اسباب کا مہیا کردینا اور کامیابی دینا غرض ابتدا سے لیکر انتہا تک سب کچھ خدا ہی کے اختیار مین ہے۔ پس ایسی حالت مین ناز کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہی۔ اگر خزانہ کی کنجی بادشاہ کے ہاتھ مین ہو اور وہ خزانہ کھولکر تمھارے حوالہ کردے اور تم اسمین سے جواہرات اپنی خواہش کے موافق اپنی گود مین بھرلو اور پھر ناز کرنے لگو کہ مین نے اتنا روپیہ حاصل کیا تو ظاہر بات ہے کہ احمق سمجھے جاؤگے۔ کیونکہ اگرچہ جواہرات کے سمیٹنے والے تم تھے مگر خزانہ تو شاہی تھا اور کنجی تو بادشاہ ہی کے ہاتھ مین تھی اُسی نے تمپر اپنا احسان کیا۔ اُسی نے کنجی عطا فرمائی اور اُسیکی اجازت سے تم خزانہ کی کوٹھری مین داخل ہوئے۔ پھر اتنی بے اختیاری پر تمکو اپنے فعل پر ناز اور خودپسندی کیونکر درست ہوسکتی ہے۔

غیر اختیاری خوبی پر ناز ہونے کا علاج

اختیاری خوبیوں پر نازاں ہونیکا علاج

(فصل) تعجب تو اسپر آتا ہے کہ عاقل وسمجھدار اور پڑھے لکھے ہوشیار لوگ اس موقع پر جاہل بنجاتے اور اپنی عقل وعلم پر ناز کرنے لگتے ہین۔ اگر کسی جاہل یا بیوقوف کو تونگر پاتے ہین تو تعجب کرتے ہین کہ ایسا کیون ہوا؟

ہم تو عالم و عاقل ہو کر مال سے محروم رہیں۔ اور یہ جاہل و نادان ہو کر مالدار و متمول بنجائے؟ بھلا کوئی پوچھے کہ علم و عقل تمکو نصیب ہوا اور جاہل اس نعمت سے محروم رہا پھر اسپر تعجب و افسوس کیوں ہوا؟ کیا ایک نعمت کو دوسری نعمت کا سبب سمجھکر اُسپر اپنا استحقاق جتاتے ہو زیادہ تعجب کی بات تو یہ تھی کہ علم اور مال دونوں چیزیں تم ہی کو دیدی جاتیں اور جاہل فقیر دونوں سے محروم رہتا کہ مخلوق میں ایک کو تو سب کچھ اور دوسرے کو کچھ بھی نہ ملا بھلا کوئی بادشاہ تمکو گھوڑا دے اور دوسرے کو غلام تو کیا یہ کہنے کی تمکو ہمت ہوگی کہ واہ صاحب اسکو غلام کیوں دیا گیا اسکے پاس گھوڑا تو ہے ہی نہیں اور میں چونکہ گھوڑا رکھتا ہوں لہذا غلام بھی مجھ ہی کو ملنا چاہئے تھا۔ ایسا خیال کرنا بڑی بیوقوفی اور جہالت کی بات ہے عقلمندی کی بات یہی ہے کہ عطاء خداوندی پر شکر کرو اور حق تعالیٰ کا بڑا کرم سمجھو کہ اُسنے ابتداءً بلا استحقاق تمپر کرم فرمایا اور عقل و علم جیسی نعمت بخشی جسکے مقابلہ پر مال کی کچھ بھی حقیقت نہیں پھر شکر گذاری و عبادت کی توفیق بخشی اور دوسروں کو اس سے محروم رکھا اور یہ محرومی بھی کسی جرم سابق کی سزا یا قصور کا بدلہ نہیں پس جب ایسا خیال کروگے تو خوفِ الہی پیدا ہوگا اور سمجھوگے کہ جسنے بلا استحقاق انعام فرمایا اگر وہ بلا قصور کے اُس نعمت کو چھین بھی لے تو کوئی چون و چرا نہیں کرسکتا۔ اور کیا خبر ہے کہ یہ نعمت مکر اور استدراج ہو اور وبالِ جان اور عذاب کا سبب بنجائے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "ہمنے اُن پر ہر نعمت کے دروازے کھولدیئے یہانتک کہ جب وہ خوش ہوگئے اور پھولے نہ سمائے تو یکایک انکو پکڑ لیا" جب یہ خیالات ذہن نشین ہونگے تو خشیہ اور خوف کیسے کیفیت بھی دُور ہوگی اور کسی نعمت پر نازاں اور خوش نہوگے اور عجب سے باسانی نجات ملجائیگی۔

دسویں اصل ریا کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے "افسوس اُن نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بےخبر ہیں جو کہ دکھاوا کرتے ہیں" ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اعمال میں اخلاص پیدا کرے اور ریا و نمود سے اپنے اعمال اور طاعتوں کو بچائے کیونکہ ریا شرک اصغر ہے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کیدن جب اللہ تعالیٰ بندوں کو جزا اور انعامات بخشیگا تو ریاکاروں سے فرمائیگا کہ انہیں کے پاس جاؤ جنکے دکھانے کو نمازیں پڑھتے اور عبادتیں کیا کرتے تھے اور اپنی عبادتوں کا ثواب اور طاعات کا صلہ بھی انہیں سے لو۔ دیکھو کیا دیتے ہیں"۔ دوسری طویل حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کی شاہنشاہی عدالت میں غازی اور عالم اور سخی کی پیشی ہوگی اور تینوں اپنے جہاد فی سبیل اللہ تعلیم و تعلم اور مشغلۂ علم دین اور اپنی خیرات و صدقات کا اظہار کرینگے حکم ہوگا کہ یہ سب اعمال تمنے چونکہ محض دکھاوے اور نام کیلئے اس غرض سے کئے تھے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص غازی ہے۔ فلاں شخص بڑا عالم ہے فلاں شخص بڑا سخی ہے سو یہ بات حاصل ہو لیں کہ دنیا میں تمکو شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں نے تمکو غازی اور عالم اور سخی کہکر پکارا

علم اور عقل پر ناز نہ کرے اور مال کا استحقاق نہ سمجھے

ریاکاروں کا صلہ آخرت میں شہرت دنیا میں مل چکا ہوگا

توجس غرض کیلئے اعمال کئے تھے جب وہ حاصل ہو چکی تو اب تمھارا حق ہی کیا رہا جسکا صلہ چاہتے ہو۔ لہذا جاؤ جہنم مین" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس عمل مین ذرہ برابر بھی ریا ہوگا اسکو حق تعالی ہرگز قبول نہ فرمائیگا" جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بگوش ہوش شنو اور عبرت پکڑو۔ حضرت عیسے علیہ السلام فرماتے ہین "اگر کوئی شخص روزہ رکھے تو اسکو چاہئے کہ اپنے سر اور ڈاڑھی اور ہونٹونکو تیل سے چکنا کرلیا کرے تاکہ لوگ روزہ دار نہ سمجھین۔ اور خیرات کیا کرے تو اسطرح کرے کہ بائین ہاتھ کو بھی خبر نہو اور نماز پڑھے تو پردہ ڈال لیا کرے کہ کوئی دیکھے نہین" اسیلئے حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک شخص کو جو اپنا سر جھکائے بیٹھا تھا تنبیہ کے طور پر فرمایا تھا "گردن اوپر اٹھاؤ کہ خشوع قلب سے ہوا کرتا ہے نہ کہ گردن سے"

ریا کی ماہیت اور شرک ہونا

ریا کی ماہیت یہ ہے کہ لوگو نکے دلو نمین اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ سے وقعت اور منزلت کا خواہان ہو۔ اور یہ مقصود عبادت کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالے کی رضا مندی ہے اور اب چونکہ اس مقصود مین دوسرا شریک ہوگیا کہ رضاء خلق وحصول منزلت مقصود ہوئی لہذا اسکا نام شرک اصغر ہوا۔ یاد رکھو کہ ریا چھ طرح سے ہوا کرتا ہے **اول** بدن کے ذریعہ سے مثلاً شکستگی وضعف اور غنودگی اور پلکون کا جھپکانا ظاہر کیا جائے۔ تاکہ لوگ روزہ دار اور شب بیدار خیال کرین یا مثلاً غمگین صورت بنائے تاکہ لوگ سمجھین کہ انکو آخرت کی بڑی فکر ہے۔ یا مثلاً پراگندہ بال رہے تاکہ لوگ سمجھین دین مین اسقدر مشغول ہین کہ بال سنوارنیکی بھی فرصت نہین ورنہ خط بنوانے کا وقت ملتا ہے۔ یا مثلاً آواز پست اور آہستہ نکالے تاکہ لوگ سمجھین ریاضت ومجاہدہ کرتے کرتے اتنا ضعف ہوگیا ہے کہ آواز تک نہین نکلتی۔ **دوم** ہیئت کے ذریعہ سے مثلاً رفتار مین نرمی اور ضعف ظاہر کرنا یا سر جھکانا۔ مونچھون کا منڈوانا۔ سجدہ کے نشان کا باقی رکھنا۔ آنکھون کا بھیچنا اور ایسی صورت بنانا جس سے لوگ سمجھین کہ حالت وجد مین ہین یا مکاشفہ مین مشغول ہین اور یا فکر کے اندر مستغرق اور محو ہین **سوم شکل** وشباہت ولباس مین ریا۔

ریا کی صورتیں

مثلاً صوف اور موٹے جھوٹے کپڑے پہننا پنڈلی تک پائینچہ چڑھانا۔ کپڑون کا بوسیدہ اور میلا کچیلا رکھنا تاکہ لوگ صوفی سمجھین حالانکہ تصوف سے اتنے کورے ہین کہ اسکی حقیقت وماہیت بھی نہین جانتے۔ یا چوغہ اور ڈھیلی آستینون کا جبہ پہننا تاکہ لوگ عالم سمجھین یا عمامہ پر رومال باندھے رکھنا اور جرابین پہنے رہنا تاکہ لوگ سمجھین یہ نئے متقی ہین کہ راستہ کے غبار تک سے پرہیز کرتے ہین کہ خدا جانے کسکی ملکیت ہو گی پھر انمین بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہین **بعض** وہ ہین جو صوفیون اور دینداروں کے دلونمین قدر ومنزلت کے طالب ہوتے ہین اور ہمیشہ اسی نیت سے میلے کچیلے پرانے کپڑے پہنتے اور اس حالت مین رہتے ہین کہ اگر کوئی نیا کپڑا جسکا پہننا شرعاً مباح ہوا اور سلف نے بھی ایسا لباس پہنا اور استعمال کیا ہو انکو دیا جاوے کہ اسکو پہن لیجیے تو انکو ایسا ناگوار گذرتا ہے جیسے کسی نے ذبح کردیا۔ اور وجہ اسکی یہی ہے کہ اس سے انکا مطلب فوت ہوجاتا ہے۔ کیونکہ لوگ صاف ستھرا

دینداروں میں عزت وقعت کی طلب

کپڑا پہنے دیکھینگے تو انکی وہ قدر نکرینگے جو میلے کپڑون مین کرتے تھے بلکہ کہینگے کہ اب صوفی صاحب کے زہد مین کمی آگئی اور تصوف کا رنگ بدل چلا۔ اور بعض لوگ امیرون اور تاجرون مین وقعت پیدا کرنیکے خواہشمند ہوتے اور سوچتے ہین کہ اگر پھٹے پرانے کپڑے پہنے تب تو امرا کی نظرون مین وقعت نہو گی بلکہ انکو ہمارے پاس بیٹھنے سے بھی نفرت ہو گی۔ اور اگر لباس فاخرہ پہنا تو لوگ زاہد اور صوفی نہ سمجھینگے لہذا ایک نئی صورت اختیار کرتے ہین کہ بیش قیمت باریک کپڑونکو گیروا یا آسمانی رنگ کا رنگو لیتے ہین۔ اگر انکی قیمت دیکھیئے تو شاہانہ لباس کے برابر ہے اور رنگ و روپ ملاحظہ کیجیئے تو درویشانہ اور صوفیانہ ہے اسطرح پر اپنا مطلب حاصل کرتے اور ریا کار بنتے ہین چنانچہ اگر انکو پھٹے کپڑے پہننے کو دیئے جاوین اور کہا جاوے کہ انکو پہن لیجیے تو سخت ناگوار گذرتا ہے کہ ایسے کپڑون کا پہننا امیرونکی نظرون سے گرجانیکا سبب ہے۔ اور اگر پشمینہ یا بانات یا کوئی دوسرا بیش قیمت کپڑا جو شرعاً مباح و جائز ہو انہین پہنائیے تو وہ ہی موت سے زیادہ ہے کیونکہ اسکو پہنکر لوگون مین زاہد اور صوفی نہ سمجھے جائینگے اور گویا درویشون کی جماعت سے خارج ہو جائینگے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ انکا لباس ریا کاری کا لباس ہے۔ اللہ پناہ مین رکھے **چہارم** گفتگو اور زبان سے ریا۔ چنانچہ تمنے بعض دنیادار واعظون کو دیکھا ہو گا کہ زبانین موڑ موڑ کر مقفیٰ اور مسجع عبارتین بنا بنا کر سلف صالحین کی نقل اُتارتے اور محض دکھاوے کی غرض سے کبھی آواز کا لہجہ پتلا بناتے ہین اور کبھی غمگین کہ دلمین اثر خاک نہین مگر بناوٹ اور تصنع بنا رہا ہے کہ بڑے عالم اور صوفی ہین اور بالکل سلف کا نمونہ ہین۔ اسیطرح مثلاً حفظ حدیث اور مشائخ و علماء زمانہ سے ملاقات کا دعوی اور اظہار کرنا کہ فلان بزرگ کی ہمنے زیارت کی اور فلان شیخ سے ملے۔ یا مثلاً کسی حدیث کے متعلق صحیح یا ضعیف ہونیکا جلدی سے حکم لگا دینا تاکہ لوگ محقق اور محدث سمجھین یا بدکاری و معصیت کے تذکرہ پر زبان سے آہ اور ہائے افسوس کے کلمے نکالنا۔ یا خلاف شرع باتون سے نفرت ظاہر کرنا اور کُڑھنا۔ حالانکہ دلمین رنج یا نفرت کا اثر نام کو بھی نہین بلکہ سب محض اس غرض سے ہوتا ہے کہ لوگ انکو پارسا اور اللہ والا متبع شریعت سمجھین **پنجم** عمل مین ریا مثلاً قیام زیادہ کرنا۔ رکوع و سجدہ مین دیر تک رہنا۔ سر جھکانا کسیطرف توجہ نکرنا۔ پلکون کو جھکائے رکھنا وغیرہ تاکہ لوگ انکو عابد و زاہد اور باعفت و پارسا سمجھین۔ حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ انکے دل ان خوبیون سے بالکل کورے اور خالی ہین اور اسکی شناخت یہ ہے کہ جب اکیلے نماز پڑھتے ہین تو تھوڑا سا چھوڑ دیتے ہین اور اگر کسیکو معلوم کر لین کہ وہ انکی نماز کو دیکھ رہا ہے تو فوراً سکینت و وقار کے ساتھ نماز کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھنے لگتے ہین تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ انکی نماز خشوع اور خضوع سے بھری ہوئی ہے۔ تم ہی بتلاؤ کہ یہ ریا نہین تو اور کیا ہے **ششم** اپنے شاگردون اور مریدون کی کثرت کا اور مشائخ کا بکثرت تذکرہ کرنا تاکہ لوگ سمجھین کہ انکی بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات ہوئی ہے اور بعض لوگ اسکے خواہان ہوتے اور تدبیر کرتے ہین کہ کسیطرح سلاطین و امرا اور علماء و صلحا انکی زیارت کرنیکو آنے لگین تاکہ اسکی شہرت ہو جائے کہ فلان شخص ایسے بزرگ ہین کہ انکی خدمت مین ایسے ایسے بڑے لوگ حاضر ہوتے اور بادشاہ و

اُمرا میں نمود و عزت کی طلب

کلام میں ریا

افعال و اعمال میں ریا

عالم سب ہی انکی دست بوسی کو اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ یاد رکھو کہ یہ سب دین میں ریاکاری ہے۔ اور ریا حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

(فصل) ریا کے حرام ہونیکی دو وجہ ہیں **اول** یہ کہ اسمیں لوگوں کو دھوکہ دیکر اپنا معتقد بنانا لازم آرہا ہے اور دھوکا دینا حرام ہے۔ حتیٰ کہ کوئی شخص اگر کسیکو ایسی طرح روپیہ دے کہ دیکھنے والے سمجھیں ہبہ کر رہا ہے اور درحقیقت وہ ہبہ نہو بلکہ قرض دے رہا ہو تو چونکہ اسمیں بھی دھوکا لازم آرہا ہے اسلئے یہ بھی معصیت ہے۔ چہ جائیکہ بناوٹ اور تصنع کی صورت بناکر لوگوں کے خیالات میں اس بات کا ڈالنا کہ یہ نیکوکار اور قابل تعظیم ہیں اور اسطرح پر لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنا کہ اسکے دھوکہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے پھر ایسے مکار شخص کو فاسق کیوں نہ کہا جائے۔ **دوم** ریاکاری حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے حضور میں خادم بنکر کھڑا ہو اور اس کھڑے ہونیسے اسکی غرض اپنے آپ کو شاہی خدمتگار اور ذلیل و محتاج غلام ظاہر کرنیکی نہ ہو بلکہ بادشاہ کے غلاموں میں سے کسی غلام کو تکنا یا کسی کنیز کو گھورنا مقصود ہو تو ظاہر ہے کہ وہ شاہی دربار کا گستاخ سمجھا جائیگا اور بے ادبی کا مجرم قرار پائیگا۔ اسیطرح جب عبادت میں حقتعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہو بلکہ اسکے بندوں کی رضا مطلوب ہوئی کہ وہ اسکو نیکوکار سمجھیں اور اسکے معتقد ہوں تو گویا بندوں کو خدا کی بہ نسبت اپنے نفع اور نقصان پر زیادہ قادر سمجھا اور دل میں بندوں کی یہاں تک عظمت بٹھالی کہ عبادت انہیں کے نذر گذاردی۔ یہی وجہ ہے کہ ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے۔ پھر اس غرض اور نیت میں جتنا فساد زیادہ ہوگا اُسیقدر گناہ بھی زیادہ ہوگا کیونکہ **بعض** ریاکاروں کا مقصود تو صرف یہی ہوتا ہے کہ لوگ ہماری عزت کیا کریں اور ہمیں مقتدا سمجھیں اور **بعض** کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ لوگ ہمکو دیندار سمجھکر ہمارے پاس امانتیں رکھیں ہمکو اپنی اوقاف کا متولی بنائیں یا یتیموں کے مال ہماری سپردگی میں دیں کہ اُنکو اپنے قبضہ میں لاکر اُڑانے کھانے کا موقع ملے۔ ظاہر ہے کہ اسکا گناہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اور **بعض** کا یہ منشا ہوتا ہے کہ ہمکو نیکبخت سمجھکر عورتیں اور لڑکے ہمارے پاس آنے لگیں اور اس ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے یعنی زنا و لواطت کرنیکا بخوبی موقع ملے۔ یا اُن ضعیف دل عورتوں بچوں سے ہمارے ہاتھ مال آئے اور اسکو فسق و فجور اور لہو و لعب میں خرچ کر سکیں اسکا گناہ پہلی دونوں صورتوں سے زیادہ ہے۔ کیونکہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو معصیت کا آلہ اور جبار و قہار پروردگار کی مخالفت کا وسیلہ بنالیا (والعیاذ باللہ)

(فصل) اسیطرح جن عبادتوں میں ریا ہوتا ہے وہ بھی مختلف درجے کی ہیں کہ ان میں بعض کا گناہ بعض سے بڑھا ہوا ہے **اول** اصل ایمان میں ریا۔ جیسے منافق کہ اسکے دلمیں ایمان نام کو بھی نہیں مگر اپنی صورت مسلمانوں کی سی بنا رکھی ہے۔ تاکہ لوگ کافر سمجھکر اسکے جان اور مال کو حلال نہ سمجھ لیں یا مثلاً ملحد و مرتد جسکا ایمان جاتا رہا مگر وہ کسی مصلحت یا لحاظ سے اپنے آپکو مسلمان ہی ظاہر کر رہا ہے۔ اس ریا کا گناہ بہت سخت ہے چنانچہ کلام مجید میں ہے "منافق جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائینگے" دوسرا درجہ اصل عبادتوں میں ریا کرنا ہے

ریا کے حرام ہونیکی دو وجہ اول

وجہ دوم

ریا کی کیفیت میں کمی بیشی سے گناہ کی زیادتی

عبادات کے فرق سے جرم ریا کی کمی بیشی

مثلاً لوگوں کے سامنے تو نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا مگر تنہا ہوں اور کوئی شخص پاس نہ ہو تو نہ نماز رہے نہ زکوٰۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عبادت محض لوگوں کے دکھانیکو تھی۔ سو کتنا ہی پردہ ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ تو دلوں کے حالات سے واقف ہے اور خوب جانتا ہے کہ عبادت کس نیت سے ہو رہی ہے۔ اسکا درجہ اگرچہ پہلے درجہ سے کم ہے مگر تاہم سخت ہے اور شرکِ اصغر ہے۔ **تیسرا درجہ** جو سب میں ادنیٰ ہے وہ یہ ہے کہ فرائض عبادتوں میں تو ریا نہو مگر مستحبات اور نوافل لوگوں کے دکھلانیکو کئے جاویں۔ مثلاً لوگ موجود ہوں تو نفلیں زیادہ پڑھے اور فرضوں کو بھی سنبھال کر ادا کرے۔ جب عرفہ اور عاشورہ کا دن آئے تو اسکا روزہ بھی ضرور رکھے۔ اگر زکوٰۃ کا وقت ہو تو لوگوں کی موجودگی میں اس مد کے اندر عمدہ اور نفیس مال نکالے۔ اور اگر سفر وغیرہ کی حالت یا خلوت و علیحدگی کا وقت ہو تو نہ نماز اچھی طرح ادا ہو نہ وہ نفل نمازیں قائم رہیں اور نہ نوافل روزے رکھے جائیں۔ فرض نماز بھی پڑھے تو کوے کی سی ٹھونگیں مارے گویا ازبر یاد ہے۔ اسیطرح زکوٰۃ دے مگر سر کے اوپر سے محض بوجھ اتار نیکے لئے ردی مال میں سے دے پس اسکا گناہ ایمان اور فرائض میں ریا کرنیکے گناہ سے کم ہے۔ مگر یہ بھی حرام اور دین کی بربادی کیلئے کافی ہے۔

ریا کے قصد میں تفاوت کی وجہ سے گناہ میں کمی بیشی

یہ بھی یاد رکھو کہ ریا کے قصد میں تفاوت کیوجہ سے بھی گناہ کے اندر بھی کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ عبادت سے مقصود محض دکھاوا ہو کہ عبادت کا قصد ہی نہو مثلاً بلا وضو لوگوں کے دکھانیکو نماز پڑھنا۔ یا لوگوں کے دکھاویکو روزہ رکھنا کہ خلوت میں گئے اور افطار لیا۔ پس اسکا گناہ تو نہایت ہی سخت ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ عبادت بھی مقصود ہو اور اسکے ساتھ ہی اسمیں ریا کی بھی آمیزش ہو سو اسکے تین درجے ہیں **پہلا درجہ** یہ کہ مقصود محض عبادت ہو جسکی شناخت یہ ہے کہ اگر تنہا ہوتا تب بھی اسیطرح نماز پڑھتا جیسے لوگوں کی موجودگی میں پڑھ رہا ہے مگر چونکہ دوسروں نے نماز پڑھتے ہوئے اسکو دیکھا اسلئے طبیعت خوش ہو گئی اور نماز کا پڑھنا گران معلوم نہوا۔ پس اگر اتنی ہی بات ہے تب تو امید ہے کہ حق تعالیٰ اس عبادت کو قبول فرمالے اور اسپر ثواب بھی مرحمت فرمادے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس ریا کی سزا بھی دے یا اسکی وجہ سے عبادت کے اجر و ثواب میں کمی فرمادے۔ **دوسرا درجہ** یہ ہے کہ عبادت کا قصد مغلوب اور دکھاوے کا خیال غالب ہو کہ جتنی عبادت لوگوں کی موجودگی میں کرتا ہے اسقدر تنہائی اور خلوت کیحالت میں نہیں ہو سکتی پس یہ عبادت جسکی ریاکاری کی یہ حالت ہو کسی طرح بھی قبول ہونیکے قابل نہیں کیونکہ اسمیں عبادت کا بھی اگرچہ ذراسا قصد اور ارادہ شامل ہے مگر وہ اتنا مغلوب ہے کہ اسکا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ لہذا اسکو صریح ریاکاری سمجھا جائیگا اور ایسی عبادت پر سخت عذاب کا اندیشہ ہے **تیسرا درجہ** یہ ہے کہ عبادت اور ریا دونوں مساوی اور برابر درجہ میں ہوں۔ مثلاً عبادت سے جسقدر طاعتِ خدا مقصود ہو اسیقدر لوگوں کو دکھلانا بھی مقصود ہو یہ ایسی حالت ہے جسمیں نفع اور نقصان چونکہ برابر ہے اسلئے ممکن ہے کہ اسپر عذاب ہو اور نہ ثواب ملے۔ مگر چونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جملہ شرکاء میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز میری ذات ہے" تو کچھ عجب نہیں کہ اس صورت میں بھی

نقصان کو نفع پر ترجیح دیکر عبادت کو باطل کہا جائے۔ پس غیب کی خبر تو خدا کو ہے کہ ایسے شخص سے کیا معاملہ ہوگا لیکن بظاہر حال یہ حالت گناہ سے خالی نہین معلوم ہوتی۔

(فصل) ریا کبھی تو جلی ظاہر ہوتا ہے مثلاً یہ حالت کہ تنہائی مین ایسی عبادت نہین ہوتی جیسی لوگونکے سامنے ہوتی ہے اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص تہجد پڑھتا تو ہمیشہ ہے مگر جب کوئی مہمان آجاتا ہی تو اسکے سامنے تہجد کیلئے اُٹھنے کے لئے اسکا نشاط اور مسرت زیادہ ہوجاتی ہے۔ پس یہ بھی ریا ہے مگر پہلے کی بہ نسبت اسمین خفا ہی اور اس سے زیادہ مخفی ریا یہ ہے کہ کسیکے موجود ہونے سے نشاط مین بھی زیادتی نہو مگر اثناء عبادت مین یا عبادت سے فارغ ہونیکے بعد اگر کوئی شخص اس عبادت پر مطلع ہوجائے تو اسکے دلمین ایک قسم کی فرحت اور خوشی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کے اندر ریا اس طرح چھپا ہوا ہے جیسے راکھ کے اندر آگ چھپی ہوتی ہے کہ دوسرونکے مطلع ہونے پر اسلیئے تو سرور پیدا ہوتا ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ خفی ریا یہ ہے کہ اطلاع سے بھی خوشی نہو لیکن اسکا آرزومند رہے کہ کاش لوگ میری تعظیم کرین سلام اور مصافحہ مین ابتدا اور معاملات مین میری رعایت کرین۔ اور اگر کوئی شخص اسکے ساتھ کچھ بُرائی کر بیٹھتا ہے تو اسکو تعجب ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ یہ بھی ریا ہے۔ کیونکہ ان خیالات اور آرزؤن سے معلوم ہوا کہ لوگون پر اپنی طاعت وعبادت کا احسان رکھنا چاہتا ہے۔ اور گو اسنے لوگون سے اپنے ریا کو چھپا رکھا ہے مگر اسکا اتنا اثر ضرور ظاہر ہے کہ توقیر اور احترام کی خواہش ہے۔ اس قسم کے ریا بھی جنسے صدیقین ہی خالی ہوتے ہین۔ گناہ[1] مین داخل ہین اور اعمال کے حبط ہوجانیکا اندیشہ ضرور ہے۔ البتہ اگر اس عبادت پر لوگونکے مطلع ہوجانیسے خوشی اس بنا پر ہوئی ہو کہ اللہ کا شکر ہے جسنے ہمسے عمل نیک اور فعل جمیل ہی کا اظہار فرمایا اور ہماری کسی معصیت یا فعل قبیح پر کسیکو مطلع نہین ہونے دیا محض اپنے فضل سے شانِ ستّاری ظاہر فرمائی۔ اگرچہ مین تو طاعت ہو یا معصیت دونون مین سے کسیکا اظہار بھی نہین چاہتا تھا مگر الحمد للہ کہ لوگ مطلع ہوئے تو فعل خیر ہی پر ہوئے فعل شنیع پر نہوئے۔ یا مثلاً اسوجہ سے خوشی ہو کہ اس عبادت پر لوگونکے مطلع ہونیسے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن بھی مجھسے اچھا ہی معاملہ فرمائیگا۔ کیونکہ دُنیا مین ستّاری فرمانا علامت ہے آخرت مین رُسوائی سے بچانیکی۔ یا اسوجہ سے خوشی ہو کہ اس اطلاع کے سبب دوسرونکو بھی ہمت ہوگی اور میرا یہ فعل دوسرونکی عبادت کا سبب بنجائیگا۔ تو اس قسم کی خوشی مین کوئی مضائقہ نہین اور اسکی علامت یہ ہے کہ دوسرے شخص کی عبادت پر بھی کوئی مطلع ہوجائے تو اس اطلاع سے بھی اسکو اتنی ہی خوشی ہوتی ہو جتنی اپنی عبادت پر دوسرونکے مطلع ہونیسے ہوتی ہے کیونکہ عبادت دیکھکر لوگون کا اس عبادت مین رغبت اور ہمت کرنا اپنی عبادت ہو یا دوسرے کی دونون صورت مین حاصل ہے۔ پس اگر مطلع ہونیوالونکے اس عبادت مین رغبت کرنیکا خیال اس خوشی کا سبب ہوا ہوگا تو اپنا نفس اور غیر دونون اس خوشی مین ضرور مساوی ہونگے۔ چونکہ ریا کا مادہ نظر سے پوشیدہ ہوتا اور لوگونکے دلون پر چھپکے حملہ کرکے بُرا اثر ڈالا کرتا ہے لہذا متقدمین نے اسمین بہت ہی کچھ احتیاط ملحوظ

ریا ظاہر و خفی اور اخفی اور اشد خفا

[1] گناہ ہین مگر صغیرہ ۱۲ مولانا

رکھی اور اپنی عبادتوں کو لوگون کی نظرون سے بیحد چھپایا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہین کہ قیامت کیدن فقراء سے خطاب ہوگا کہ کیون صاحبو۔ کیا ہمنے تمھارے لئے ارزانی نہین کر رکھی تھی کیا تمکو لوگ سلام مین ابتدا نہین کرتے تھے؟ کیا تمھاری ضرورتین دوسرونکی بہ نسبت جلد رفع نہین ہوتی تھین؟ پس چونکہ تم اپنے اعمال کا بدلہ دُنیا ہی مین لے چکے ہو لہٰذا یہان تمھارے لئے کچھ نہین رہا۔ پس اے مُسلمانو اگر خلاصی چاہتے ہو تو لوگونکو چوپاؤن اور بچون کیطرح

گمنامی کا دینی فائدہ

لا یعقل سمجھو کہ انکا موجود ہونا اور نہونا دونون برابر ہون۔ انکا جاننا اور نہ جاننا انکی واقفیت اور ناواقفیت غرض کوئی بات بھی قابلِ اعتبار نہ رہے۔ چونکہ خدا ہی کا جاننا کافی ہے لہٰذا اپنی عبادت اسیکو دکھلاؤ کہ وہی اجر دے سکتا ہے اور وہی عبادت کا قدر دان ہے۔ اسکے سوا دُنیا اور دین مین کوئی ایسا نہین جو کسیکو کچھ بھی دے سکے۔ اگر ایسا کروگے تو اپنی عبادتون سے ضرور نفع پاؤگے ورنہ سخت ضرورت کیدن یعنی میدان حشر مین خالی ہاتھ رہجاؤگے۔

(فصل) شاید تمھارا یہ خیال ہو کہ اس قسم کے خفی ریا سے تو بچنا محال ہے البتہ جلی ریا سے آدمی بچ سکتا ہے۔ پھر نہ معلوم کونسی عبادت صحیح ہے اور کونسی فاسد لہٰذا ہم اسکی بھی تشریح کیے دیتے ہین دیکھو عبادت مین ریا تین قسم کا ہوتا ہے اوّل یہ کہ شروع ہی سے ہو مثلاً نماز کا پڑھنا کہ اول سے لیکر آخر تک سارا محض لوگونکے دکھانے اور نمازی کہلانے کو ہو۔ یہ صورت تو نماز کیلئے مُفسد ہے کہ ایسی نماز ہی صحیح نہوگی۔ کیونکہ اسمین عبادت کی نیت ہی نہوئی اور بلا نیت کے کوئی عمل معتبر نہین اور اگر کوئی شخص نماز تو خلوت ہو یا جلوت دونون صورتون مین پڑھتا ہے مگر اول وقت مین پڑھنا ریا کی نیت سے ہوتا ہے تو اس صورت مین بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرض ادا ہو جائیگا۔ البتہ اول وقت کی فضیلت

ریا کی تین قسمون مین پہلی قسم یعنی شروع عبادت مین ریا

حاصل نہوگی کہ اسمین ریا موجود ہے۔ رہی یہ بات کہ ریا کا قصد عبادت مین شامل ہوا اسکا گناہ جُدا ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اثناء عبادت اور تکمیل طاعت مین ریا ہو مثلاً نماز پڑھنے مین کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آگئی یا کوئی تماشہ ہونے لگا تو دل للچایا کہ نماز توڑ کر اُدھر متوجہ ہوتے۔ پس اگر ایسی حالت ہے کہ تنہائی کا موقع ہوتا اور کسیکا لحاظ مانع نہوتا تو ضرور نماز کو توڑ دیتا مگر چونکہ آدمی بیٹھے ہوئے ہین اسلئے انکی شرم اور اس خیال سے کہ دیکھنے والے یون کہینگے کہ "دیکھو فضول مشغلہ کیلئے میان نے اپنی نماز توڑ دی"۔ نماز کو نہ توڑے اور بادل ناخواستہ پڑھے جائے تو اس نماز کو بھی باطل کہینگے۔ کیونکہ عبادت مین اوّل سے لیکر آخر تک نیت کا قائم رہنا ضرور ہے اور جب درمیان مین ریا کیوجہ سے نیتِ عبادت جاتی رہی تو نماز بھی جاتی رہی۔ یا مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور لوگونکو اپنی طرف دیکھتا ہوا پاکر

اثناء عبادت مین ریا

اس خیال سے کہ میری عبادت پر یہ لوگ مطلع ہوگئے ہین اسکی طبیعت کو اسقدر خوشی ہوئی کہ عبادت کی اصل نیت بالکل مغلوب ہوگئی اور نماز کا کوئی رکن ایسی حالتمین ادا ہوا جسمین اس خوشی کو زیادہ دخل تھا تو غالب ہے کہ یہ نماز بھی صحیح نہین ہوئی کیونکہ

---

۳ اسمین صورۃً ایک قسم کی تحقیر ہے اسلئے میرے نزدیک سبکو فرشتہ سمجھے کیونکہ فرشتون سے انسان ریا نہین کرتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انسے کوئی کام نہین پڑتا۔ اسلئے اُن سے طالبِ توقیر و تعظیم نہین ہوتا ۱۲ مولانا تھانوی مدظلہٗ

اسمین اگرچہ نیت منقطع نہین ہوئی مگر ایسی مغلوب ضرور ہوگئی کہ اسکا عدم او روجود برابر ہے۔ لہذا اس نماز کو بھی باطل کہا جائیگا۔ ہان اگر ایسی معمولی خوشی ہو کہ وہ نیت پر غالب نہ آئے اور عبادت کا محرک اور اصل باعث محض رضاء حق اور حکم خداوندی ہی رہے تو یہ نماز صحیح ہوجائیگی مگر قصد ریا کا گناہ ضرور ہوگا۔ **تیسری صورت** یہ ہے کہ عبادت سے فارغ ہوجانیکے بعد ریا پیدا ہو مثلاً لوگون کے اس عبادت پر آگاہ ہوجانیسے اسکو مسرت ہوئی یا لوگون سے بطور فخر اسکا اظہار کرتا پھرا۔ تو اسکو عبادت کے صحت اور فساد سے کوئی علاقہ نہین اسلئے کہ جسوقت ریا ہوا ہے اسوقت عبادت ختم ہوچکی تھی۔ البتہ اس مسرت اور اظہار کا گناہ ہوگا۔ پھر یہ عبادت کا اظہار صراحۃً یا کنایۃً یا تعریضاً جس طرح اور جس حیثیت سے ہوگا اس سے ریا کے جلی اور خفی ہونیکا اندازہ خود ہوسکیگا۔ کہ صراحۃً اظہار ہے تو ریا بھی جلی ہے اور اشارۃً ہے تو ریا خفی ہے۔

عبادت کے بعد ریا کا حکم

(**فصل**) ریا بڑا مہلک مرض ہے لہذا اسکا علاج بڑے اہتمام و توجہ سے ہونا چاہیے۔ یاد رکھو کہ ریا کا سبب اکثر یا تو حُبِ مدح اور اپنی تعریف کی خواہش ہوتی ہے یا مالِ دُنیا کی حرص وطمع یا مذمت کا خوف مثلاً کوئی شخص میدان جنگ مین اس غرض سے بہادری دکھائے کہ لوگ اسکو شجاع کہین۔ یا اس نیت سے عبادت کرے کہ لوگ اسکو عبادتگذار و پرہیزگار کہین یہ تو حُبِ مدح ہے اور اسکا علاج وہی ہے جو حبِ مدح کے متعلق پہلے بیان ہوچکا ہے۔ کہ یہ شہرت اور دنیا کی نیکنامی محض فرضی اور وہمی نا قابل اعتبار کمال ہے۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ تعریف کرنیوالے اور انکی تعریفین اور قصیدے اور سپاسنامے یہین رہجائینگے اور کسی سے کچھ بھی نفع حاصل نہوگا۔ حقیقی کمال وہ ہے جو مرنیکے بعد بھی ساتھ رہے یعنی معرفتِ الٰہی کہ اسکو کبھی فنا ہی نہین اسکے علاوہ ریا مین خصوصیت کیساتھ یہ خیال کرنا بھی اس مرض کیلیے مفید ہے کہ یہی بہادری اور یہی عبادت جو آج مجکو لوگونکی زبان سے شجاع اور عابد کہلا رہی ہے کل قیامت کیدن حشر کے میدان ساری مخلوق کے سامنے مجکو رُسوا اور ذلیل کرائیگی کہ میرا نام فاجر و مکار اور ریاکار پُکارا جائیگا۔ اسیطرح یہ کہ میرا کیا کرایا سب بیکار ہوجائیگا اور وہ اعمال جنکو بڑی محنت اور مشقت کیساتھ جمع کیا تھا حبط ہوجائینگے۔ بس لوگونکی خوشنودی اور دُنیا کی اس ناپائدار مدح کے معاوضہ مین حقتعالیٰ کا غصہ اور محشر کی رُسوائی و ذلت خریدنا کسقدر عقل کے خلاف ہے۔ علاوہ ازین یہان دنیا مین جنکی رضامندی چاہتے ہین اگر حق تعالیٰ چاہے تو ہمسے انکو بھی ناراض کردے اور مدح کے بدلے وہی لوگ ہماری اُلٹی مذمتیں کرنے لگین کیونکہ قلوب اور زبانین تو سب اسکے قبضہ مین ہین بس چند روزہ موہوم و محتمل تعریف کو حقتعالیٰ کی رضامندی پر جو کہ اصل سعادت ہے کسطرح ترجیح ہوسکتی ہے؟

ریا کا سبب اول یعنی حب مدح کا علاج

اسیطرح اگر مذمت کا اندیشہ ریا کا باعث ہوا تو یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ اگر مین عند اللہ پسندیدہ ہون تب تو لوگونکی مذمت مجکو کچھ نقصان نہین پہونچا سکتی پھر اس سے کیون ڈرون؟ خصوصاً جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ مخلوق کی اس مذمت کے موہوم اندیشہ کیوجہ سے حق تعالیٰ کو ناراض رکھنا دُنیا مین بھی ذلیل اور رُسوا کردیتا ہے۔

سبب دوم یعنی خوف مذمت کا علاج

بھلا اگر یہ باطنی ریا لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مجھے لوگوں کی مذمت سے ڈر معلوم ہوتا ہے اور اسلیئے میں نیکوکاروں کی سی صورت بناتا اور پرہیزگار بنا پھرتا ہوں تو پھر اس خوف سے کچھ بھی نفع نہو گا اور جس بات کا اندیشہ ہے وہ سامنے آجائیگی مکاری کھلنے کی وجہ سے مذمتیں ہونے لگینگی۔ اور اگر اخلاص کے ساتھ حق تعالیٰ کو راضی رکھنے کیلیئے طاعت کرونگا تو جن لوگوں کی مذمت کا مجھے خوف ہے وہ بھی میرے دوست بنجائینگے اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائیگی۔

سبب سوم حرص وطمع کا علاج

ریا کا تیسرا سبب حرص اور طمع ہے۔ پس اگر یہ وجہ ہو تو خیال کرنا چاہیئے کہ جس چیز کی طمع ہے اسکا حاصل ہو جانا ایک موہوم بات ہے اور اس ریا کی بدولت حق تعالیٰ کی رضامندی کا ہاتھ سے جاتا رہنا یقینی۔ پھر بھلا کسی نفع کی موہوم امید پر خدا کے غصہ کو سر پر لینا کون پسند کرسکتا ہے؟ چونکہ حق تعالیٰ مقلب القلوب ہے اسلیئے یاد رکھو کہ ریاکاری سے جس دنیوی مطلب کے لئے عبادت کررہے ہو وہ بھی حاصل نہو سکیگی۔ بلکہ مخلوق کے سامنے طمع کرکے ذلت اور رسوائی جدا اٹھاؤگے۔ انکے احسانمند الگ بنوگے کہ ہمیشہ گردن نیچی رہیگی۔ اور اگر بے طمع ہو جاؤگے تو حق تعالیٰ تمھاری تمام ضرورتوں کا خود کفیل ہو جائیگا اور مخلوق خودبخود تمھاری مطیع بنجائیگی اور پھر اخلاص کی بدولت جو کچھ دائمی لذیذ نعمتیں تمکو آخرت میں ملینگی وہ اسکے علاوہ ہونگی۔ غرض ان یقینی اور سچی باتوں کو ذہن نشین کرلوگے تو ریا کا نام ونشان بھی نہ رہیگا اور حق تعالیٰ اخلاص کی توفیق بخشدیگا۔

عبادت کو پوشیدہ رکھنے کا طریقہ

(**فصل**) اسکے بعد غالباً تمہیں یہ فکر ہوگا کہ ریا سے نفرت تو بیشک پیدا ہوگئی مگر بعض عبادتوں میں مخلوق کے مطلع ہونے پر یکایک جو ریا پیدا ہو جاتا ہے اسکا علاج معلوم نہیں ہوا۔ لہذا اسکی تدبیر بھی بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہانتک ہوسکے خلوت میں بیٹھکر تنہائی کی حالت میں عبادت کیا کرو اور اپنی عبادت کو ایسا چھپایا کرو جیسا اپنے عیوب اور معصیتوں کو چھپایا کرتے ہو۔ حضرت ابوحفص حدادؒ کی مجلس میں کسی شخص نے ایکمرتبہ دُنیا اور دُنیاداروں کی مذمت بیان کی تو شیخ نے جتادیا کہ "ہمارے حلقہ میں آج سے مت بیٹھا کرو کہ تم اسکے اہل نہیں ہو۔ کیونکہ جو کام تمہیں چھپانا چاہیئے تھا اسکو تم نے مجمع میں ظاہر کردیا" یاد رکھو کہ عبادت کا اخفا شروع شروع ذرا دشوار معلوم ہوگا مگر چند روز کروگے تو عادت پڑجائیگی بلکہ خلوت کی عبادت ومناجات میں لذت آنے لگیگی بااینہمہ اسکا لحاظ رکھو کہ جسوقت بھی اپنی عبادت پر لوگوں کی اطلاع سے دل میں مسرت پیدا ہو تو فوراً پہلی باتوں کو یاد کرو اور سوچو کہ کمزور مخلوق کا میری عبادت پر مطلع ہو جانا میرے لئے ذرہ برابر بھی مفید نہیں لہذا اس بے نفع بات پر میرا خوش ہونا فضول اور حق تعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بنجانا خطرناک حالت ہے۔ جب یہ خیال کروگے تو وہ مسرت کراہت سے بدل جائیگی۔ اور جب کراہت کا پلہ بھاری ہوگا تو عبادت اُسی اخلاص کیجانب لوٹ جائیگی جو کہ مقصود ہے۔ اور چونکہ اس سے زیادہ مضمون کے تم مکلف بھی نہیں ہو اسلیئے اگر اسپر بھی قلب میں مسرت کا اثر باقی رہے تو یہ طبعی بات ہے جسکا فکر وخیال کرنا فضول ہے کہ اختیاری نہیں ہے۔ اور جو بات اختیاری نہیں اسپر

مواخذہ بھی نہین۔ الغرض تمھارا کام صرف اسقدر ہے کہ اپنی عبادت کو بالقصد ظاہر اور لوگون مین شائع اور مشہور کرتے نہ پھرو۔ اور اگر بطور خود لوگون کو اسکی اطلاع ہو جائے اور اسپر تمکو مسرت لاحق ہو تو اسکے مٹانیکی کوشش نکرو۔ اور جس طرح ممکن ہو اسکو کراہت سے بدلو تاکہ اس مسرت کا کسی عمل پر کوئی اثر نہ پیدا ہو اسکے بعد جو کچھ حالت رہے اپ اسکا دور کرنا چونکہ تمھاری قدرت سے باہر ہے لہذا اسکا مطلق فکر نکرو۔

(**فصل**) اس نیت سے عبادت کے ظاہر کرنے مین کچھ حرج نہین کہ لوگونکو رغبت ہوگی اور وہ بھی میری طرح حق تعالی کی عبادت کرنے لگینگے۔ ہان نیت کا صاف اور خالص ہونا ضرور ہے کہ اگر نفس امارہ اس حیلہ سے تمھارا شکار کرنا چاہے یا اس سے کسی چھپی ہوئی خواہش کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو ہرگز اسکی جرءت نکرنا بلکہ عبادت کو مخفی ہی رکھنے کے پابند بنے رہنا۔ اور اسکی علامت یہ ہے کہ عبادت کے اظہار کیوقت تمھارے دل کی خواہش یہ قائم رہے کہ اگر دوسرے لوگ اس بوجھ کو اٹھالین اور کسی دوسرے ہی کی عبادت دیکھکر لوگونکو رغبت پیدا ہو جائے تو بہت اچھا ہے لہذا دل کو ٹٹول لیا کرو کہ اسمین کیا خواہش ہے۔ کیونکہ اگر یہ خواہش ہوئی کہ میری ہی عبادت دوسرے لوگون کی رغبت کا ذریعہ بنے اور مین مقتدا بنون اور مخلوق میری مقتدی ہو تو بس یہی ریا اور طلب شہرت و حب جاہ ہے۔ کیونکہ اس صورت مین ظاہر ہے کہ اخلاص جاتا رہا۔ اسی بنا پر اپنے گناہون کا چھپانا اور ظاہر نکرنا جائز ہے بشرطیکہ اس نیت سے ہو کہ لوگ فاسق نہ کہین۔

گناہونکے مخفی رہنے پر خوش اور آشکارا ہونے پر رنجیدہ ہونے مین کچھ مضائقہ نہین۔ عام ہے کہ حق تعالی کے حکم کی موافقت کے باعث ہو کہ وہ معصیت کے چھپانیکو پسند اور اظہار کو ناپسند فرماتا ہے یا اپنے اوپر سے ایذا رفع کرنیکے سبب سے ہو کہ معصیت کے فاش ہونے پر لوگونکو میری مذمت اور برائیان کرنیکا موقع ملیگا اور اس سے میرے دل پر صدمہ ہوگا! اور یہ صدمہ اختیاری نہین بلکہ طبیعت کا اقتضا ہے اور یا حق تعالی کی شان ستاری ظاہر ہونے پر خوشی ہو۔ بہر حال کسی نیت سے بھی ہو گناہونکے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہین۔ البتہ عبادت پر اس نیت سے خوش ہونا کہ لوگ تعریف کرینگے اور متقی و عابد سمجھینگے بیشک حرام ہے کہ یہ خوش ہونا گویا عبادت کی اجرت لینا اور مخلوق کی مدح کو اپنی طاعت کا معاوضہ بنانا ہے جو کہ ناجائز ہے۔ اس مضمون کو دوسرے طریقہ سے یون سمجھو کہ معصیت کے ظاہر ہونے مین عموماً حیا اور شرم آتی ہے اور حیا چونکہ ریا نہین لہذا اس غرض سے معصیت کا چھپانا اور اسپر خوش ہونا بھی حرام نہین برخلاف عبادت کے کہ اسکے ظاہر ہونے پر خوش ہونیکی بجز اسکے کہ عبادت کا معاوضہ موہوم اور دنیا کے دنی کا فائدہ قرار دیا ہے اور کوئی معقول وجہ نہین ہے لہذا حرام ہے۔ ہان ریا کے خوف سے طاعت اور عبادت کا چھوڑ دینا بھی مناسب نہین ہے بلکہ عبادت بدستور کرتے رہو اور اگر اسمین ریا پیدا ہو تو اسکے دور کرنیکی کوشش رکھو۔ البتہ اگر ایسے کام جنکو مخلوق

بلا قصد اطلاع عبادت پر غیر اختیاری مسرت مضر نہین

اظہار عبادت بعض جگہ مفید ہے

گناہ کے مخفی رہنے پر خوشی گناہ نہین ہے

سے تعلق ہو مثلاً نماز مین امام بنتا یا مقدمات مین قاضی و پنچ قرار پانا یا قضاء یا وعظ گوئی۔ اگر ان امور مین ریا کا غالب اندیشہ ہو کہ نفس ضرور شرارت کریگا اور نیت مین اخلاص بالکل قائم نہ رہیگا تو بیشک ان کامون سے بھاگنا چاہیے کہ سلف کا یہی طرز تھا اور اسی مین بہتری ہے۔ اب رہے نماز روزہ اور صدقات وغیرہ کے اعمال سو ریا کے اندیشہ سے انکو ترک کرنا جائز نہین البتہ اگر بالکل ہی اخلاص نہو اور اوّل سے آخر تک رضاء حق تعالیٰ اور عبادتِ خداوندی کی قطعی نیت نہو محض اپنی جیسی محتاج مخلوق کے دکھلانیکو یہ کام کیے جائین تو اسوقت انکا کرنا بھی حرام ہے اور چھوڑ دینا اولی ہے۔ اور اگر کسی نیک کام کے تم عادی و پابند ہو اور اتفاق سے لوگ جمع ہوجاوین تو اسوقت ریا کے احتمال کیوجہ سے اپنے معمول کو ترک مت کرو بلکہ عادت کیموافق اپنا کام کرو اور ریا کو جہان تک ہوسکے دفع کرو کہ پاس نہ آنے پائے۔

خاتمہ

(حسنِ خلق اور کمین نفس کے دھوکہ کا بیان)

اخلاق مذمومہ کہ جنسے نفس کا تزکیہ کرنا ضروری ہے یون تو بہت ہین مگر اصول یہی دس ہین جنکو ہم تفصیل کے ساتھ ذکر کرچکے اور انمین باہم ایسا تعلق ہے کہ ایک کیساتھ دوسرا اور دوسرے کیساتھ تیسرا لگا ہوا ہے۔ لہذا جب تک سب ہی سے نجات نہ ملیگی اسوقت تک نفس قابو مین نہ آئیگا اور ایک کی اصلاح کرنا اور دوسرے سے بے پروا رہنا کچھ مفید نہو گا۔ کیونکہ جو شخص دس بیماریون مین گرفتار ہو وہ تندرست اسیوقت کہا جا سکتا ہے جبکہ اسکی دسون بیماریان جاتی رہین اور جسطرح کوئی خوبصورت آدمی حسین اسیوقت کہلا سکتا ہے جبکہ ہاتھ پاؤن آنکھ کان غرض سارے اعضا مناسب اور خوبصورت ہون۔ اسیطرح انسان کو حسنِ خلق اسیوقت حاصل ہوگا جبکہ اسکی تمام باطنی حالتین قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہوجاوین۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ "مسلمان وہی ہے جسکا خلق کامل ہو اور مومنین مین افضل وہی ہے جسکا خلق سب سے بہتر ہو۔" بس اسی اصل کا نام دین ہے اور اسکی تکمیل کیلیئے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام دُنیا مین تشریف لائے تھے۔ حسنِ خلق کی تحقیق اور تحدید اور ثمرات ونتائج مین محققین کے اقوال مختلف ہین مگر ہم اختصار کے طور پر اسکی تحقیق کرتے ہین۔

جاننا چاہیئے کہ خَلق اور خُلق یعنی خ کا زبر یا پیش جدا جدا دو لفظ ہین کہ خَلق سے مراد صورت ظاہری ہے اور خُلق سے مراد صورت باطنی۔ کیونکہ انسان جس طرح جسم سے ترکیب دیا گیا اور ہاتھ پاؤن آنکھ کان وغیرہ اعضا اسکو مرحمت ہوئے ہین کہ جنکو قوتِ بصارت یعنی چہرہ کی آنکھین ادراک کرسکتی ہین اسیطرح انسان روح اور نفس سے ترکیب دیا گیا ہے اور اسکا ادراک بصیرت یعنی دل کی آنکھین کرتی ہین۔ یہ ترکیبین ظاہری آنکھون سے نظر نہین آتی۔ اور ان دونون ترکیبون مین حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جدا جدا صورتون اور قسم قسم کی شکلون پر

پیدا فرمایا ہے کہ کوئی صورت اور سیرت حسین اور اچھی ہے اور کوئی صورت اور سیرت بُری اور بھونڈی ہے ظاہری شکل وہیئت کو صورت کہتے ہین اور باطنی شکل وہیئت کو سیرت کہتے ہین۔ مگر سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے کہ اسکو حق تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ چنانچہ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي[۱] مین روح کو اپنا کہکر ذکر فرمایا اور قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي[۲] مین اسکا اظہار فرمایا کہ روح امر ربانی ہے اور جسم کیطرح سفلی اور خاکی نہین ہے کیونکہ جسم کی نسبت مٹی کی جانب فرمائی اور إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ[۳] ارشاد ہوا۔ اس مقام پر روح اور نفس سے ہماری مُراد ایک ہی شے ہے یعنی وہ شے جو حق تعالیٰ کے الہام والقا سے اپنی اپنی استعداد کیموافق اشیاء کی معرفت اور ادراک حاصل کرتی ہے۔ بہرحال ثابت ہوا کہ زیادہ قابل لحاظ امر ربانی یعنی سیرت انسانی ہے کہ جب تک اِس باطنی ترکیب کی شکل وہیئت مین حُسن موجود نہوگا اُسوقت تک انسان کو خوب سیرت نہین کہا جاسکتا۔ اور چونکہ

سیرت کے بھی چار اعضاء ہین

اعضاءِ صورت یعنی ہاتھ پاؤن کیطرح سیرت کو بھی حق تعالےٰ نے باطنی اعضاء رحمت فرمائے ہین جنکا نام قوتِ علم قوتِ غضب قوتِ شہوت اور قوت عدل ہے لہذا جبتک یہ چارون اعضاء سڈول اور حد اعتدال پر نہونگے اسوقت تک سیرت کو حسین نہ کہا جائیگا۔ ان باطنی اعضاء مین جو بھی کمی بیشی اور افراط و تفریط ہوگی اسکی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کسیکی ظاہری شکل و صورت جسمیہ مین افراط و تفریط ہو کہ پاؤن مثلاً گز بھر ہون اور ہاتھ تین گز کے۔ یا ایک ہاتھ مثلاً آدھ گز کا ہو اور دوسرا ہاتھ گز بھر کا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی خوبصورت نہین کہا جائیگا پس اسیطرح اگر کسیکی قوت غضبیہ مثلاً حد اعتدال سے کم ہے اور قوت شہوانیہ اعتدال سے بڑھی ہوئی ہے تو اسکو خوب سیرت نہین کہسکتے۔ اب ہم چارون اعضاء مذکورہ کا اعتدال و تناسب اور حُسن بیان کرتے ہین۔

قوت علمیہ کا حسن

اول قوتِ علم۔ اسکا اعتدال اور حُسن یہ ہے کہ انسان اسکے ذریعہ سے اقوال کے اندر سچ اور جھوٹ مین امتیاز اور اعتقادات کے متعلق حق اور باطل مین تفریق کرسکے اور اعمال مین حَسن اور قبیح یعنی اچھا اور بُرا پہچان سکے پس جسوقت یہ صلاحیت پیدا ہوجائیگی تو اسوقت حکمت کا وہ ثمرہ پیدا ہوگا جسکو حق تعالیٰ باین الفاظ ارشاد فرماتا ہے کہ "جسکو حکمت نصیب ہوئی اُسکو خیر کثیر عطا ہوئی"۔ اور درحقیقت تمام فضیلتون کی جڑ اور اصل یہی ہے۔

قوت غضبیہ و شہوانیہ کا حسن

دوم وسوم۔ قوتِ غضب اور قوتِ شہوت انکا اعتدال اور حُسن یہ ہے کہ دونون قوتین حکمت اور شریعت کے اشارہ پر چلنے لگین اور مہذب و مطیع شکاری کتے[۴] کیطرح شریعت کی فرمانبردار بنجاوین کہ جسطرف بھی اُنکو شریعت چلائے بلا عذر و بے تامل اُسی جانب لپکین اور شکار پر حملہ کرین اور جسوقت وہ انکو روکنا چاہے تو فوراً ٹھیر جاوین اور چُپ ہوکر اپنی جگہ بیٹھ جاوین۔ **چہارم قوت عدل**۔ اسکا اعتدال یہ ہے کہ قوتِ غضبیہ اور شہوت دونوکی باگ اپنے ہاتھ مین لے اور انکو دین اور عقل کے اشارہ کا ماتحت بنائے رکھے گویا عقل حاکم ہے اور یہ قوت عدل اسکی پیشکار۔ کہ جدھر حاکم کا اشارہ پاتی ہے اسی جانب جھک جاتی اور اُسکے احکام جاری کردیتی ہے۔

قوت عدل کا حسن

[۱] اور آدم کے پتلہ مین پھونکدیا مین نے اپنی روح کو ۱۲ [۲] (اے محمد) کہدو کہ روح میرے پروردگار کا امر ہے ۱۲ [۳] بیشک مین نے پیدا کیا آدم کو مٹی سے ۱۲ منہ

اور قوت غضبیہ وشہوانیہ گویا شکاری کے تعلیم یافتہ کتے اور فرمانبردار گھوڑے کیطرح ہین کہ انمین حاکم کا حکم اور ناصح کی نصیحت کا نفاذ اور اجرا ہوتا ہے پس جسوقت یہ حالت قابل اطمینان اور لایق تعریف ہوجائیگی اُسوقت انسان حسن الخلق اور خوب سیرت کہلائیگا۔ اور انکی بدولت انسان کے اخلاق وعادات درست ہوجائینگے۔

قوت غضبیہ کے اعتدال اور کمی وبیشی کے نتائج

قوت غضبیہ کے اعتدال کا نام شجاعت ہے اور یہی عنداللہ پسندیدہ ہے کہ اسمین زیادتی ہوگی تو اسکا نام **تہور** ہے اور اگر کمی ہوگی تو **بزدلی** کہلائیگی اور یہ دونون حالتین ناپسندیدہ ہین۔ حالتِ اعتدال یعنی شجاعت سے لطف وکرم دلیری وجودت بردباری واستقلال نرمی وملاطفت اور غصہ کے ضبط کا مادہ اور ہر کام مین دُوراندیشی ووقار پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر اسمین زیادتی ہوتی ہے تو ناعاقبت اندیشی ڈینگ مارنا شیخی بگھارنا غصہ سے بھڑک اٹھنا تکبر اور خودپسندی پیدا ہوتی ہے اور اگر اسمین کمی ہوتی ہے تو بزدلی وذلت بےغیرتی وکم حمیتی خساست اور وہ حرکات ظاہر ہوتی ہین جو چھچھورا پن کہلاتی ہین اور **شہوت** کی حالت

قوت شہوانیہ کے اعتدال وافراط وتفریط کے ثمرات

اعتدال کا نام پارسائی ہے۔ پس اگر شہوت اپنی حد اعتدال سے بڑھجائیگی تو حرص وہوا کہلائیگی۔ حالت معتدلہ یعنی پارسائی اللہ پاک کو پسند ہے اور اس سے جو خصائل پیدا ہوتے ہین وہ سخاوت وحیا وصبر وقناعت واتقا کہلاتے ہین اور طمع کم ہوجاتی ہے۔ خوف وخشیہ اور دوسرونکی مدد کرنیکا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور حد اعتدال سے بڑھنے اور گھٹنے سے حرص ولالچ خوشامد چاپلوسی اُمرا کے سامنے تذلل اور فقرا کو بہ نظر حقارت دیکھنا بیحیائی فضولخرچی ریا وتنگدلی اور نامردانگی وحسد وغیرہ خصائلِ بد پیدا ہوتے ہین **قوت عقل** مین اگر اعتدال ہوتا ہے تو

قوت عقل کے اعتدال وافراط وتفریط کے آثار

انسان مدبر ومنتظم اور ذکی وسمجھدار ہوتا ہے کہ اسکی رائے صائب ہوتی اور ہر مضمون مین اسکی طبیعت چلتی اور جودت دکھلاتی ہے اور اگر حد اعتدال سے بڑھجائے تو دھوکہ بازی فریب دہی اور مکاری کہلاتی ہے اور اگر عقل کی قوت مین کسی قسم کا نقصان اور ضعف ہوگا تو کندذہنی وحماقت اور بےوقوفی کہلائیگی کہ ایسا آدمی جلد دوسرے کے دھوکہ مین آجائیگا۔ غرض جسوقت یہ ساری قوتین حد اعتدال پر ہونگی تو اسوقت انسان کو حسن الخلق یعنی خوب سیرت کہا جائیگا کیونکہ اعتدال سے بڑھنا اور گھٹنا دونون حالتین حسن سے خارج ہین خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُھَا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ”نہ اپنے ہاتھ گردن سے باندھلو کہ بخل کرو اور نہ بالکل کھولدو کہ اسراف کرنے لگو نیز فرماتا ہے ہمارے بندونکی یہ شان ہے کہ نہ وہ اسراف کرتے ہین اور نہ بخل بلکہ اسکے بین بین حالت پر رہتے ہین“

بدخلقی کا علاج نفس پر جبر کرنا ہے

فصل) ان بداخلاقیون کی اصلاح چونکہ ریاضت اور مجاہدہ سے ہوسکتی ہے لہذا اگر کسی مین کوئی خُلق بُرا موجود ہو تو اسکو چاہیے کہ نفس پر جبر کرے مثلاً اگر بخل کی عادت ہو تو جبراً وقہراً اسکو ترک کرے اور نفس کو ناراض کرکے خرچ کرنیکی عادت ڈالے۔ اور اگر فضول خرچی کا خوگر ہو تو نفس کو فرضی سخاوت سے روکے اور خرچ کرنا جبراً بند کرے تاکہ کم خرچی کی عادت ہوجائے۔ پھر جب عادت اصلاح پر آجائیگی تو وہی بین بین کی حالت پیدا ہوجائیگی

ل سارے کامون مین بہتر انکے متوسط درجے ہوا کرتے ہین ۱۲ منہ

حسن خلق میں تکلف اخلاق حسنہ کا وسیلہ ہے

جوکہ حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ جبراً قہراً خرچ کرنیسے سخی یا بہ تکلف عاجزی کرنیسے متواضع کہلاؤ گے نہیں ہرگز نہیں سخاوت اور تواضع تو اس طبعی حالت کا نام ہے جو بلا تکلف اور بے تصنّع مال کو موقع پر صرف کرائے اور دوسرونکے سامنے انکساری کا مضمون خودبخود ظاہر کرائے نہ کہ بہ تکلف۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ انشاء اللہ اس جبرو قہر اور تکلف کے ساتھ خرچ کرنا یا لوگونکے سامنے جھکنا اصل سخاوت اور سچی تواضع کا وسیلہ بنجائیگا۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ایک کام کو کرتے کرتے اسکی عادت ہوجایا کرتی ہے اور جب عادت ہوجائیگی تو خصلتِ محمودہ سے دل ایسا متصف ہوجائیگا کہ وہ عمدہ خصلت طبعی بنجائیگی۔

حسن خلق کے مراتب اور ثمرات

جسطرح حُسن ظاہری مین کمی اور بیشی ہوا کرتی ہے کہ کوئی زیادہ خوبصورت ہوتا ہے اور کوئی کم اسیطرح حُسن باطنی مین بھی لوگ متفاوت ہوتے ہین پس سب سے زیادہ خوب سیرت تو سرورِ عالم رسول مقبول سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہین کہ آپکی شان مین آیت کریمہ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ[1] نازل ہوئی ہے۔ آپکے بعد جس مسلمان کو آپ کے اخلاق کے ساتھ جتنی مناسبت ہوگی اسیقدر اسکو حسین سیرت کہینگے۔ اور ظاہر ہے کہ سیرت باطنی مین جسقدر بھی جسکو حُسن حاصل ہوگا اُسیقدر اسکو سعادتِ اُخروی حاصل ہوگی کہ کامل درجہ کا حسین معشوق اور محبوب بنجاتا ہے اور پرلے درجہ کا قبیح و بدباطن شخص کمال بغض و نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور درمیانی حالت مین محبت و نفرت کے ہزارہا درجے نکلینگے جنپر انکی مقدار و کیفیت کی مناسبت سے ثمرات اور نتائج متفرع ہونگے پس خوب سیرتوں اور بدسیرتونکے افراد کی جانچ اس پیمانہ سے بآسانی کیجا سکتی ہے جو ہمنے بیان کردیا۔

اخلاق کی تشخیص کسی صادق دوست سے کراؤ

(فصل) انسان کو اپنے نفس کیحالت معلوم کرنے مین اکثر دھوکہ ہوجاتا ہے کہ بدخلق شخص بھی کبھی اپنے آپکو خلیق اور خوب سیرت سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو غصہ آجاتا ہے اور وہ یہہ سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ واسطے غصہ آیا ہے جو خوب سیرتی کیلئے ہونا ہی چاہیئے۔ یا مثلاً اپنی عبادتوں کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہے اور نفس یہ دھوکہ دیکر مطمئن بنا دیتا ہے کہ تمنے تو اسغرض سے عبادتوں کا اظہار کیا ہے تاکہ لوگ اس نیک کام کی رغبت اور اسمین تمھارا اقتدا کرین یا مثلاً عابد زاہد متقی پابند صوم و صلوٰۃ بنتا ہے اور باوجودیکہ یہ سب ریا اور دکھاوے کی نیت سے ہوتا ہے مگر نفس اس عیب کو ظاہر نہین ہونے دیتا غرض اسیطرح یہ نفس امارہ بڑے دھوکے دیتا اور بدحالی مین مبتلا رکھنے کیلئے عیب کو خوبی بنا کر ظاہر کیا کرتا ہے لہذا مناسب ہے کہ اپنی حالت کسی اپنے مخلص اور صادق دوست سے پوچھو کہ وہ تمھین کیسا سمجھتا ہے۔ چونکہ تمھاری خصلتوں اور عادتوں کا دوسرے لوگ اچھی طرح اندازہ کرسکتے ہین۔ کیونکہ جن سے واسطہ اور سابقہ پڑتا ہے اور انکو تمھارے اخلاق کے امتحان کا موقع ملے وہی اچھی طرح جانچ سکینگے لہذا تمھارا دوست اگر اسکو تمھاری خیرخواہی ملحوظ ہوگی تو بے تکلف تمکو بتائیگا کہ فلان عادت تمھاری خراب ہے پس اسکی اصلاح مین تمکو مشغول ہوجانا چاہیئے اور اگر چند عادتین خراب ظاہر ہون تو اغلب کی فکر پہلے کرو اور جسکا نتیجہ زیادہ خراب نکل رہا ہو اسکا علاج سب سے مقدم

[1] واقعی تم بڑے خلق پر (پیدا کئے گئے) ہو ۱۲

سمجھو مثلاً دُنیا کی محبت کہ اِس بلا سے شاذ و نادر ہی کوئی شخص خالی ہوگا حالانکہ یہی تمام گناہونکی جڑ ہے پس اسکا علاج مقدم اور سب سے زیادہ ضروری ہے کہ "تنہائی مین بیٹھکر سوچے کہ دُنیا کی جانب اسقدر توجہ اور آخرت سے روگردانی کیون ہے ؟ اگر خلوت مین فکر کروگے تو سمجھ مین آجائیگا کہ سوائے جہالت اور غفلت کے اسکا سبب کوئی نہین ہے۔ تھوڑی دیر کیلیے مان لو کہ تمھاری عمر سَو برس کی بھی ہوئی اور تمہین تمام سطح زمین کی سلطنت بھی ملگئی مگر پھر کیا ؟ آخر فنا ہونا ہے اور عنقریب وہ دن آنیوالا ہے کہ تم نہ رہوگے اور نہ یہ سلطنت و ملک رہیگا۔ یہ سب تو فنا ہوجائینگے مگر ابدی سلطنت جسکے ختم ہونیکا کوئی وقت ہی نہین تمھارے ہاتھ سے ضرور جاتی رہیگی۔ اور اگر ابد یعنی خلود و دوام کی مقدار تمھارے خیال مین نہ آسکے تو یون تصور کرو کہ "تمام دُنیا اس کنارہ سے لیکر اُس کنارہ تک اناج سے بھری ہوئی ہے اور ایک پرندہ پورے ایکہزار برس مین اس بھری ہوئی دُنیا مین سے ایک دانہ اُٹھا لیتا ہے۔ تو ہزار ہزار سال مین اناج کا ایک ایک دانہ اُٹھانے پر بھی ایک نہ ایک دن یہ دُنیا اناج سے ضرور خالی ہوجائیگی لہذا یہ مدّت بھی جسکی ہزاران ہزار گونہ پر تمھاری گنتی کی حد ختم ہوتی ہے ابد اور دوام کے نام سے موسوم نہین ہوسکتی کیونکہ ابد اور دوام اس مدت سے بھی لکھوکھا اور کرور ہا گُنا زیادہ ہے۔ کیونکہ وہ تو اتنی بیشمار مدّت کا نام ہے جسکی کہین انتہا ہی نہین پھر بھلا اس عارضی اور فنا ہوجانیوالی سلطنت کیجانب توجہ کرنا اور ابدی و دائمی مملکت سے بے پروا اور مستغنی بنتا نفس نے کیون پسند کرلیا ؟ پھر یہ بھی سوچو کہ ذراسی دُنیا کی معمولی تجارت مین تم کیسی کیسی مصیبتین اُٹھالیتے اور طلب ریاست مین کیسے کیسے دشوار سفر اختیار کرلیتے ہو حالانکہ ان مصیبتون اور دشواریون کے بعد بھی مال اور ریاست کا ملنا موہوم ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی موت آجائے اور تجارت کا نفع یا سفر کا انجام دیکھنا نصیب نہو۔ یا اگر ریاست بھی ملجائے تو ممکن ہے کہ وہ عیش و آرام اور سکون و اطمینان حاصل نہو جو ریاست سے مقصود ہوتا ہے۔ بہرحال ایسی موہوم دُنیوی راحت کی توقع پر بھی یہ صعوبتین اور مصیبتین تمکو گران نہین گذرتین کیونکہ اپنے خیال مین جتنی عمر اپنی سمجھے ہوئے ہو اسکے مقابلہ پر اس تکلیف و محنت کے ایک یا دو برس کی کوئی حقیقت نہین سمجھتے اور یون خیال کرتے ہو کہ برس روز سفر مین رہنے کی تکلیف کے سبب عمر بھر کا عیش ملجائیگا۔ حالانکہ جو نسبت تمھاری عمر بلکہ تمام دُنیا کی عمر کو ابد اور دوام کے ساتھ ہے اسکا ایک شمہ بھی ایک برس کو تمھاری خیالی عمر کیساتھ حاصل نہین پھر دُنیا کی زندگی کو اگر آخرت کی ابدی نعمت کے حاصل کرنے مین صرف کرو اور اس چندروزہ محنت اور تکلیف کو وہانکی دائمی لذت کیلئے گوارا کرلو تو کیا مشکل ہے۔ مگر یہ ہو کیسے ؟ نفس نے تو ایک شوشہ چھوڑدیا اور دھوکہ مین ڈال رکھا ہے کہ غفلت کیے جاتے ہو اور کہتے ہو کہ خدا کریم ہے معاف کرنیوالا ہے سب کچھ بخشدیگا اور عمل کیے بغیر ہمکو جنت مین بھیجدیگا۔ بھلا مین پوچھتا ہون کہ کھیتی اور تجارت مین ایسا کیون نہین خیال کرلیتے کیا آخرت کا خدا کوئی اور ہے اور دُنیا کا کوئی اور ؟ اور جب دونون کا خدا ایک ہے تو دُنیا کمانیکے متعلق اپنے ہاتھ پاؤن توڑ کر گھر

دُنیا کی محبت کا علاج

ابد یعنی خلود و دوام کا تصور

نفس کا دھوکا کہ خدا کریم ہے اور اسکی آڑ مین غفلت

مین کیون نہین بیٹھتے اور کیون نہین خدا پر بھروسہ کرتے کہ جب وہ رزّاق اور قادر ہے تو بغیر محنت کئے بھی تمھارا پیٹ بھر دیگا۔ اور کیون نہین اسکی اُمید رکھتے کہ وہ کسی ویرانہ کا دبا ہوا خزانہ تمکو سوتے مین دکھلا دیگا جس سے بلا محنت اور مزدوری کے تم مالا مال ہو جاؤ گے؟ مگر افسوس یہان تو یون جواب دیتے ہو کہ معاش کے اسباب کا اختیار کرنا ضروری ہے کہ مدفون خزانہ ہاتھ لگجانا ایک اتفاقی بات ہے اور شاذ و نادر کبھی کسیکے لئے ایسا اتفاق ہو جاتا ہے ہمیشہ نہین ہوتا۔ پس ایسا ہی آخرت کے متعلق بھی سمجھو کہ خراب اعمال اور بدکاریون پر معافی و مغفرت کی توقع رکھنا اس سے بھی زیادہ شاذ و نادر ہے کیونکہ حق تعالیٰ صاف فرما چکا ہے "انسان کو وہی ملیگا جو وہ کریگا" اور "متقی بندے فاسق و فاجر لوگون کی برابر نہین ہو سکتے۔" وغیرہ وغیرہ۔ اور دنیا کے معاملات مین تو اسباب کے اختیار کرنیکو ضروری بھی نہین فرمایا بلکہ انسے بے توجہ بنایا اور یون فرمایا ہے کہ "کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہین جسکا رزق ہمارے ذمہ نہو" پھر تعجب ہے کہ دنیا کمانے مین تو خدا پر بھروسہ نہین اور آخرت مین بدعملیون کی معافی پر وثوق اور بیجا توقع رکھکر اپنا دین برباد کر رہے ہو۔ یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے جسنے مخلوق کو تباہ اور اعمال سے کاہل بنا کر عبادت و طاعت سے روک رکھا ہے۔ حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

(معافی کی توقع شیطانی دھوکا ہے)

(**فصل**) اور اگر تم یہ کہو کہ چونکہ دُنیوی معاملات کے نتائج تو آنکھون سے دیکھتے اور رات دن تجربہ کرتے ہین اور آخرت کے معاملات مین سے کوئی واقعہ بھی کسینے مشاہدہ نہین کیا لہذا دنیا کمانے مین رغبت ہوتی ہے اور دین کی طلب مین غفلت ہے۔ کیونکہ جس شے کو آدمی نے دیکھا نہین اسکی واقعی تصدیق دل کے اندر نہین ہوا کرتی۔ اور یہ بھی بات ہے کہ ہر شخص نقد کو اُدھار پر ترجیح دیا کرتا ہے لہذا طالب دُنیا مین ساری تکلیفین برداشت کر لی جاتی ہین اور دین کے متعلق نوافل درکنار اصل ارکان اور فرائض بھی ادا ہونے مشکل و دشوار پڑ جاتے ہین۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر حقتعالیٰ تمھارے قلب کی آنکھین روشن فرمادے اور تم صاحب بصیرت بنجاؤ تو پھر دینی اُمور کے انجام بھی دُنیا ہی کیطرح تمھارے مشاہدہ مین آجاوینگے اور اگر بصیرت حاصل نہو تو بصیرت والون یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے ارشادات مین غور کرو اور دیکھو کہ اس بڑی جماعت مین کوئی بھی ایسا نہین تھا جو آخرت کی دائمی نعمت اور دائمی تکلیف کا قائل نہو اور یقینی بات ہے کہ آخرت کی دائمی بہبودی حق تعالیٰ کیطرف توجہ کئے بغیر حاصل نہین ہو سکتی اور جبتک دُنیا کیطرف سے مُنہ نہ پھیرو گے اُسوقت تک حق تعالیٰ کیجانب توجہ کیونکر ہوگی؟ پس جب ان باتونکو سوچوگے تو تمکو آخرت پر سچا ایمان اور قلب کو امورِ غیبیہ پر سکون و اطمینان حاصل ہو جائیگا کیونکہ جو شخص اندھا ہو اُسپر لازم ہے کہ وہ کسی آنکھون والے کا تابع ہو کر چلے کہ راستہ کی اونچ نیچ اور منزلِ مقصود تک پہونچنے والی سڑک اُسکو نظر آرہی ہے۔ بھلا اگر طب کے اندر تمکو دخل نہو اور بیمار ہو جاؤ تو تمہین بتاؤ کہ اسوقت طبیب کے کہنے پر تمکو چلنے کی ضرورت ہے یا نہین؟ خصوصاً اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ جسپر تمام اطبا کا اتفاق ہو تو اسمین تو تمکو کسی قسم کا شک بھی نہوگا

(غیب پر ایمان و یقین حاصل کرنیکا طریق)

بس یہی حال عقائد کا سمجھو کہ حضرات انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام اور تمام اہل بصیرت حضرات روحانی طبیب ہین اور وہ سب کے سب اسپر متفق ہین کہ آخرت ضرور ہونیوالی ہے اور اس چند روزہ زندگی کے نیک و بد اعمال کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے۔ لہذا اسمین شک کرنیکی گنجایش ہی نہین۔ ہان چند آدمی ایسے بھی ہین جو روح کی حقیقت کو سمجھے ہی نہین کہ وہ کیا چیز ہے

روح انسانی کی حقیقت

انکی نظر اسی روح جسمانی تک قاصر رہگئی جسکے ذریعہ سے انسان حس و حرکت کرتا ہے۔ یعنی وہ بخارات جو قلب سے اُٹھتے ہین اور بدن کی تمام رگون مین پھیل جاتے ہین پس انہون نے اسکو انسانی روح سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ روح تو حیوانات مین بھی موجود ہے پھر انسان اور حیوان مین فرق ہی کیا ہوا؟ خوب سمجھلو کہ روحِ انسانی کا انتساب حق تعالی کیطرف ہے کہ فرماتا ہے اے محمدؐ کہدو روح میرے رب کا امر ہے" پس یہی وہ روح ہے جسکا ہم ذکر کر رہے ہین۔ اور اس روح الٰہی کی حقیقت کو چونکہ یہ کوتاہ نظر طبیب اور منجم نہین سمجھ سکے۔ لہذا انکو دھوکہ ہوا اور آخرت کے منکر ہوکر دہریہ بنگئے اور کہنے لگے کہ جب روح بدن سے نکلگئی اور بدن کا حس و حرکت جاتا رہا تو وہ مٹی ہوکر مٹی مین ملگیا اور رل رلا گیا کہ نہ اسکو راحت کا شعور ہوسکتا ہے نہ تکلیف کا۔ ان کم سمجھون کی سمجھ پر افسوس اول تو ایک جم غفیر کے مقابلہ پر ان چند لوگون کا قول ہی قابلِ التفات نہین اور کچھ ہو بھی تو مین پوچھتا ہون کہ انکے قول کو تم بالکل یقینی سمجھتے ہو یا کچھ تھوڑا بہت اسمین غلطی کا احتمال بھی ہے؟ اگر احتمال ہے تو اب تم ہی بتاؤ کہ احتیاط کس بات کو چاہتی ہے ظاہر ہے کہ احتیاط کا مقتضے تو یہی ہے کہ آخرت کیلئے سامان جمع کرو اور اسکی فکر کرو۔ کیونکہ اگر تمکو بھوک ہو اور کھانا بھی سامنے رکھا ہوا ہو مگر کوئی شخص وثوق کے ساتھ کہے کہ اس کھانے مین زہر ملا ہوا ہے۔ اور دوسرا شخص کہے کہ نہین اسمین زہر نہین ہے۔ تو ظاہر ہے کہ احتیاط کی بنا پر تم اس کھانے سے ضرور پرہیز کروگے اور کہوگے کہ اگرچہ اسمین زہر ہونے کا یقین نہین مگر پھر بھی اسکا شبہ اور احتمال چونکہ ضرور ہے لہذا ایک وقت بھوکا رہنا اس مشکوک کھانا کھانے سے بہتر ہے۔ کیونکہ اسکی ایک شق مین مرجانیکا احتمال ہے اور دوسری صورت مین موت سے تو حفاظت ہے۔ ہان اگر ہے تو تھوڑی سی بھوک ہی کی تکلیف ہے جسکو آسانی سے برداشت کرسکتے ہین کہ ذراسی لذت اگر حاصل نہوئی نہ سہی زندگی تو باقی رہیگی۔ اگر زندگی ہے تو سب کچھ ہے۔ دیکھو ایک شاعر باوجود کثافتِ عقل کے کیا کہتا ہے۔ اسکے عربی اشعار کا ترجمہ یہ ہے "منجم اور طبیب نے مجھسے کہا کہ مرجانیوالے انسان کبھی زندہ نہونگے۔ مین نے انکو جواب دیا کہ جاؤ دور ہو۔ اگر تم سچے ہو تو میرا تو اسوقت بھی کچھ نقصان نہوگا۔ بس اتنا ہی کہ اعمال کچھ کام نہ آئینگے سو نہ سہی تکلیف تو نہوگی اور اگر تم جھوٹے نکلے تب تو ظاہر ہے کہ مین نفع مین رہا اور خسارہ تمکو اُٹھانا پڑا کہ تم آخرت کے منکر ہونیکی وجہ سے اسکا کچھ بھی سامان ساتھ نہ لائے۔ اور مین دُنیا ہی مین اسکا فکر کرکے طیار ہو آیا تھا" الغرض دُنیا مین رہکر دینی امور کی سعی کرنے اور نیک اعمال کا ذخیرہ فراہم کرلینے کی صورت مین تو بہرحال نفع ہی نفع ہے۔ اور اگر تم یہ کہو کہ نہین تو جاہل نجومی اور زندیق طبیب کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے اور اسمین غلطی کا مطلق احتمال ہی نہین تمام انبیاء علیہم السلام

احتیاط اور عقل بھی فکرِ آخرت کو مقتضی ہے

اولیاء کرام کو نعوذ باللہ دھوکہ ہوگیا پس نہ آخرت کوئی چیز ہے اور نہ ثواب و عذاب کوئی بات ہے۔ اگر خدا نخواستہ تمھارا خیال ایسا ہو جائے تو اب تمھارا مرض لاعلاج ہے کہ تمھارے مزاج کا فساد اور عقل کی رکاکت صراحۃً ظاہر ہوگئی اور پھر بھی تم اسکو عقلمندی سمجھتے ہو کہ بلا دلیل ایک وہمی اور لغویات کو یقینی اور بدیہی بتلاتے ہو۔ پھر ایسی صورت مین علاج اور صحت کی کیا صورت لہذا ہم بھی ایسے شخص کو نصیحت کرنے سے مُنہ پھیر لینگے۔ البتہ چلتے چلتے اتنا پھر بھی سمجھائینگے کہ اچھا میان اگر دُنیا ہی تمھاری محبوب ہے اور یہین کی راحت و آرام کے شیدا ہو تب بھی ہمارے کہنے کے موافق ناپائدار دُنیا کے تعلقات کا کم کرنا تمکو ضروری ہے کہ جو مزہ اور راحت و آرام آزادی مین ہے وہ پابندی مین نہین پس اگر تم نفس کے پابند ہوگئے اور خواہشات و تعلقات مین جکڑ گئے تو یاد رکھو کہ ہر قسم کی ذلت و رسوائی اُٹھانی پڑیگی جوتیان کھاؤ گے اور اپنی جیسی محتاج مخلوق کے آگے ہاتھ پھیلاتے اور خوشامدین کرتے پھروگے۔ دیکھو دُنیا کے تعلقات اور بکھیڑے ایسی بُری بلا ہین کہ بہتیرے کافر جنکو آخرت پر ایمان نہ تھا وہ بھی ان سے گھبرا اُٹھے اور تارکِ دُنیا ہوکر جوگی اور راہب بن گئے۔ انھون نے بھی اتنا سمجھ لیا کہ دُنیا دل لگانیکے قابل چیز نہین کہ اس ناپائدار جہان کو ایک دن چھوڑنا ضرور پڑیگا اور یہان رہکر جس کسی چیز سے بھی محبت یا تعلق رکھا جائیگا وہ بہت جلد ٹوٹ جائیگا۔ یا ہم اسکو چھوڑکر رخصت ہو جائینگے اور یا وہ ہمکو چھوڑکر چلا جائیگا۔ اور اس جُدائی سے بجز مُصیبت و رنج اور صدمہ و تکلیف کے کچھ بھی حاصل نہین پس جب کافرون کو آخرت کا بالکل انکار ہونیکی صورت مین دُنیا کے تعلقات ترک کرنیکے اندر راحت معلوم ہوئی تو تم تو پھر بھی مسلمان کہلاتے ہو پھر ان تعلقات مین پھنسنے کو راحت کا سامان کسطرح سمجھتے ہو۔ اور اگر کسی شخص کو دُنیا کی آفتین اور ناپائداری بھی نظر نہ آئے اور ترکِ خواہشات و تعلقات کو عقلاً بھی مفید نہ سمجھے تو بس اس احمق کو خدا سمجھے کہ ایسے ہی لوگون کے بارہ مین حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا الخ اے محمدؐ انکو چھوڑو کہ کھائین اور مزہ کرین اور انکی اُمیدین انکو غفلت مین ڈالے رکھین سو عنقریب انکو معلوم ہو جائیگا:۔

بحمد اللہ دوسری قسم کا مفصل بیان ختم ہولیا۔ حق تعالیٰ شانہٗ اسپر عمل کی توفیق بخشے اور اس تحریر کو وسیلۂ ہدایت بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہ وصفیہ محمد و آلہ واصحابہٖ اجمعین:۔

محبت دنیا کا آخری علاج

[illegible] دنیا کا علاج

تیسری قسم قلب کو اخلاقِ محمودہ کے ساتھ مزیّن و آراستہ کرنیکے بیان مین اور اسمین بھی دس ۱۰ اصول ہین

پہلی اصل توبہ کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے "مسلمانو تم سب اللہ سے توبہ کرو۔ بیشک وہ توبہ کرنیوالون سے محبت کرتا ہے"۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "جسنے گناہ کے بعد توبہ کرلی وہ ایسا ہوگیا جیسے گناہ ہی نہین کیا۔ حق تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے جتنی خوشی ہوتی ہے اسکا اندازہ اس سے کرو کہ مثلاً کوئی شخص کسی بے آب و گیاہ اور دہشتناک جنگل مین پہونچ جائے اور اسکی سواری جسپر روانہ ہوا تھا مع تمامی توشہ و سامان سفر کے گم ہوجائے اور وہ اسکو ڈھونڈتا ڈھونڈتا تھک جائے۔ آخر یہ سمجھکر کہ نہ سواری کے بغیر جنگل سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ توشہ کے بغیر فاقہ کی موت سے جان بچاسکتا ہے اپنی زندگی سے مایوس ہوجائے کیونکہ نہ پیدل چلنے کی طاقت ہے اور نہ وہان آب و دانہ میسر آنیکی امید اسلئے کسی درخت کے نیچے آلیٹے اور اپنے ہاتھ پر سر رکھکر اس فکر مین سوجائے کہ اب موت آیا چاہتی ہے اور پھر دفعۃً اسکی آنکھ کھلے اور وہ دیکھے کہ اسکی کھوئی ہوئی سواری اسکے پاس کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سامان جو اسپر لدا ہوا تھا سب بجنسہٖ موجود ہے تو زندگی سے ناامید ہونیکے بعد سرمایۂ حیات ہاتھ لگنے کی وجہ سے جتنی خوشی اسکو دفعۃً حاصل ہوگی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کو اسوقت خوشی ہوتی ہے جبکہ بندہ اسکی جانب رجوع کرتا اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے"۔

توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بُعد سے قُرب کیجانب لوٹ آنیکے ہین۔ مگر اسکے لئے بھی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ابتدا تو یہ ہے کہ قلب پر نورِ معرفت کی شعاعین پھیل جاوین اور دل کو اس مضمون کی پوری آگاہی حاصل ہوجائے کہ گناہ سم قاتل اور تباہ کردینے والی شے ہے۔ اور پھر خوف اور ندامت پیدا ہوکر گناہ کی تلافی کرنیکی سچی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہوجائے کہ جس گناہ مین مبتلا تھا اسکو فوراً چھوڑدے۔ اور آیندہ کیلئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنیکا مصمم قصد کرے اور اسکے ساتھ ہی جہانتک ہوسکے گذشتہ تقصیر و کوتاہی کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینون زمانون کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہوجائیگا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہوگیا جسکا نام توبہ کی انتہا ہے۔

(فصل) توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہوگیا ہوگا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے کیونکہ حقتعالیٰ تمام مسلمانونکو مخاطب بناکر فرماتا ہے "اے ایمان والو تم سب توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ"۔ چونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہونکو اُخروی زندگی کیلئے سم قاتل اور مُہلک سمجھے اور انکے چھوڑنیکا عزم کرے اور اتنا مضمون ایمان کا جزو ہے اسلئے ہر مومن پر اسکا واجب و ضروری ہونا ظاہر ہے۔ اب رہا تمام بنی آدم اور ہر فرد بشر پر توبہ کا وجوب سو اسکی وجہ یہ ہے کہ آدمی چار قسم کی صفات سے مرکب ہے کیونکہ اسکے خمیر مین اوّل حرص شہوت و فسق و فجور داخل ہے جو بہائم کی خصلت ہے۔ دوم غصّہ اور حسد اور بغض و عداوت کا مادّہ ہے جو درندون

(حاشیہ) توبہ سے حق تعالیٰ کی خوشی کا اندازہ

(حاشیہ) توبہ کے معنی اور ابتدا و انتہا

کی خاصیت ہے۔ **سوم** مکر و فریب اور دھوکہ دہی و مکاری اسمین رکھی ہوئی ہے جو شیطانی اخلاق ہین **چہارم** کبر و نخوت۔ تعلی و تفاخر حبِّ مدح و حبِّ جاہ حکمرانی و سلطنت حکومت و شان اور غلبہ و عزت کی طلب کا مادہ اسمین موجود ہے۔ اور یہ سب ربوبیت کی صفات ہین ان چارون خصائل کا اپنے اپنے وقت پر اور موقع پر غلبہ اور اثر ظاہر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے زمانۂ طفولیت مین بہائم اور حیوانات کی خصلتین غلبہ کیا کرتی ہین اور انسان شہوت و حرص مین گویا چوپایہ اور جانور بنجاتا ہے۔ اسکے بعد جب نوجوانی کا زمانہ آتا ہے تو درندونکی عادتون کا غلبہ ہوتا ہے کہ ایکدوسرے پر حسد کرتا ہے باہم عداوتین پیدا ہوتی ہین کسی سے بغض ہے اور کسی سے عناد کسی پر غصہ آرہا ہے کسیکو ذرا سی خلافِ طبع بات پر پچھاڑے کھاتا اور آپے سے باہر ہوا جاتا ہے چیختا چلاتا اور دڑوکتا ہے کسیکو نعمت یا خوشحال مین دیکھتا ہے تو جلتا کلسنا اور چھیننے جھپٹنے کی فکر مین طیش کھایا کرتا ہے۔ غرض اس حالت مین وہ اور درندہ گویا ایک جنس بنجاتے ہین پھر اسکے بعد جب عالمِ شباب کا شباب ہوتا ہے اور بدن مین قوت آجاتی ہے تو یہ بہائم و درندونکی خصلتین چاہتی ہین کہ اپنی خواہشین پوری کرین۔ یعنی مرغوب و پسندیدہ شے کو حاصل کرین اور دشمن و ناپسندیدہ امر کو خاک مین ملائین۔ پس اسوقت شیطانی اخلاق ظاہر ہوتے اور اپنا غلبہ کرتے ہین کہ ابھی کسی شے کی خواہش پیدا ہوئی اور فریب و دھوکہ بازی نے مدد کرنیکا اقرار کیا۔ ابھی کسی دشمن پر غصہ آیا اور فوراً مکاری و جعلسازی نے اپنی دانائی و ہوشیاری کو پیش کیا۔ غرض اخلاق شیطانیہ اس زمانہ مین خصائل بہیمیہ اور عادات سبعیہ کے نفاذ مین معین و مددگار بنتے اور انسان کو شیطانِ مجسم بنا دیتے ہین۔ اور جب اسمین کامیابی و ظفر اور اپنی حسب منشاء کارروائیون مین فتح نظر آنے لگتی ہے تو پھر تکبر و تعلی پیدا ہوجاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص اسکی مدح کرے ہر شخص اسکا مطیع و فرمانبردار ہوجائے ہر شخص اسکی بڑائی اور کمال کا معترف ہو۔ ہر شخص اسکو عقلمند اور واجب التعظیم سمجھے۔ غرض ایسی فرعونیت ذہن مین سماتی ہے کہ ہمچو ما دیگرے نیست کا مجسم پتلہ بنجاتا ہے۔ اور جب ان چارون خصلتون کا ظہور ہو لیتا ہے تو اب عقل کی قندیل اپنا منہ دکھاتی ہے جسمین ایمان کا چراغ روشن ہوتا اور اسکو بھلے اور برے مین امتیاز کا موقع دیتا ہے۔ اگر یہ روشنی ظاہر نہو تو خصائلِ مذکورہ کی ظلمت و تاریکی سے نجات ملنی دشوار ہوجائے۔ مگر ساتھ ہی اسکے یہ بھی ہے کہ قندیلِ عقل و مشعلِ ایمانی کا نور چالیس سال کی عمر مین کمال پر پہونچتا ہے۔ اور جو بد خصلتین بلوغ کے وقت سے پیدا ہونے لگی تھین اب انکی اصلیت اور حقیقت اچھی طرح کھلجاتی ہے۔ پس جسوقت یہ نور نظر آتا ہے تو انسان کا قلب گویا جنگ کا ایک وسیع میدان ہوتا ہے جسمین چارون خصائل مذکورہ کے ظلمانی لشکر کی خدائی لشکر یعنی عقل و نورِ ایمان کیساتھ جنگ ہوتی ہے اور دونون لشکرون مین سے ہر ایک چاہتا ہے کہ دوسرے کو مغلوب اور اپنا تابع فرمان غلام بنالے پس اگر نورِ عقل کمزور رہا تو شیطانی لشکر فتحیاب ہوکر قلب پر مسلط ہوجاتا اور دشمن سے بیخوف ہوکر قلبِ انسان پر قبضہ کرنے لگتا ہے اور اگر شیطانی گروہ پسپا ہوا اور میدان جنگ عقل و ایمان کے

ہر خصائل کا مادہ اپنے اپنے وقت پر غلبہ دکھاتا ہے

قلب انسان ظلمانی و حقانی لشکر کی جنگ کا میدان ہے۔

ہاتھ رہا تو انسان کی حالت سنور جاتی اور طبیعت مہذب بنجاتی ہے۔ اور چونکہ بنی آدم کی فطرت ہی اس جنگ کارزار کو مقتضی ہے اسلئے ہر شخص کیلئے اسکا پیش آنا لازمی ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ توبہ سے کوئی شخص بھی مستغنی نہیں کہ اس نور عقل ہی کا نام **توبہ** ہے جو معرکہ کیوقت ظلمانی لشکر یعنی خصائل شیطانیہ و بہیمیہ کا مدمقابل بنتا اور انسان کو اس پاک شریعت کا تابعدار بنانیکی کوشش کرتا ہے جس سے آخرت کی فلاح اور ابدی نجات حاصل ہوتی ہے۔ اور چونکہ کوئی انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہیں اسلئے کوئی وقت بھی ایسا نہیں جسمیں کوئی شخص توبہ سے مستغنی ہو کیونکہ انسان کسی حال اور کسی رتبہ کا بھی ہو ضروری ہے کہ یا تو اُسکے اعضا میں سے کوئی عضو کسی گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوگا۔ یا اُسکے قلب سے کوئی گناہ صادر ہو رہا ہوگا۔ یعنی یا تو جوارح کسی خلاف شرع حالت میں ملوث ہونگے یا قلب کسی مذموم خصلت یا ایسی بدعادت میں مبتلا ہوگا جسکی اصلاح کے لئے توبہ کی حاجت ہوگی۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی انسان فرشتہ سیرت اور ایسا مہذب بنگیا کہ اسکی کوئی عادت اور کوئی خصلت بھی ایسی نہیں جسکو اصلاح کی ضرورت ہو تب بھی کوئی وقت تو ایسا ضرور ہوگا جسمیں حق تعالیٰ کی یاد سے اسکو غفلت ہوگی۔ اور چونکہ حق تعالےٰ کا حکم ہے کہ "جب اپنے پروردگار کو بھولو تو فوراً یاد کرلو" اسلئے پھر بھی اس حالت سے رجوع کرنے اور غفلت سے یاد کیطرف پلٹنے کی ضرورت ہوئی۔ اور اسی رجوع کا نام توبہ ہے۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی شخص خدا کی یاد میں ہر آن مستغرق اور محو ہے کہ کوئی لحظہ بھی قلب کو غفلت نہیں ہوتی۔ اگرچہ اسدرجہ استغراق دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن ہے تو ہم کہینگے کہ یہ انسان جس مقام اور جس مرتبہ میں ہے اُس سے عالی مرتبہ پر پہونچنے سے پہلے پہلے پھر بھی توبہ کا محتاج ہے۔ کیونکہ ہر مقام اور ہر مرتبہ اپنے عالی اور مافوق مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ناقص ہے اور ناقص سے باہر نکلنا اور عالی و کامل پر پہونچنا ہر شخص پر لازم ہے۔ پس جب تک بھی اس درجہ میں رہیگا توبہ کا محتاج ہوگا۔ اور جب دوسرے درجہ پر پہونچیگا تو چونکہ وہ بھی اپنے مافوق کے اعتبار سے ناقص ہے اسلئے جبتک اُس سے باہر نہ نکلے اور اوپر نہ پہونچے اسوقت تک وہاں بھی توبہ کا حاجتمند ہوگا۔ اسیطرح سلسلہ چڑھتا رہیگا کہ جوں جوں ترقی کریگا ووں ووں توبہ کا ضرورتمند بنا رہیگا۔ اور چونکہ مراتب قُربِ خداوندی غیر متناہی ہیں کہ کوئی مرتبہ بھی ایسا نہیں جسکے مافوق اور بالا دوسرا مرتبہ نہو لہذا کوئی حالت بھی ایسی نہ نکلیگی جسمیں انسان کو نسبتہً ناقص مرتبہ میں رہنے کی وجہ سے خطاوار و عاجز اور عالی مرتبہ تک نہ پہونچنے کے سبب توبہ کا ضرورتمند نہ کہا جائے۔ یہی بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی معصوم و بے گُناہ ذات کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں رات دن میں ستر مرتبہ توبہ اور استغفار کیا کرتا ہوں"۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عام لوگوں کی توبہ ظاہری گناہوں سے ہوا کرتی ہے اور صالحین کی توبہ باطنی گناہوں اور مذموم اخلاق سے۔ اور متقین کی توبہ شک و شبہات میں مبتلا ہونے سے اور محبین کی توبہ اس غفلت سے جسنے ذکرِ الٰہی کو کسی لمحہ بھلا دیا تھا اور عارفین کی توبہ اُس مقام سے

ہوتی ہے جسپر پہونچے ہوئے ہین مگر اُسکے مافوق دوسرا مرتبہ ہے جسپر انکو پہونچنا چاہیے۔ اور چونکہ حق تعالیٰ کے قُرب کے مراتب و مقامات غیر متناہی اور بیشمار ہین اسلیئے عارفین کی توبہ کا کوئی منتہےٰ نہین اور نہ اسکے خاتمہ کا کوئی وقت۔

(**فصل**) توبہ کی جب تمام شرائط پوری ہوجائینگی تو اسکی قبولیت مین بھی شک نہوگا کیونکہ توبہ قبول ہونیکے یہ معنی ہین کہ انسان کے قلب مین انوار معرفت کی تجلیات کے قبول کرنیکی استعداد پیدا ہوجائے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کا قلب آیئنہ کی مانند ہے جسپر خواہشات نفسانیہ اور حرص و ہوا کے باعث غبار جم جاتا یا گُناہ کی وجہ سے سیاہی چھا جاتی ہے مگر نیک کام جو بمنزلہ نور کے ہین اپنی روشنی اور چمک دمک سے اُس تاریکی کو دُور کرکے آئینہ قلب کی صیقل کرتے رہتے ہین اسلیئے جب انسان کوئی نیک کام کریگا اور نادم و پشیمان ہو کر حق تعالیٰ کیطرف متوجہ ہوگا تو ضرور ایسی حالت ہوگی جیسے کپڑے پر صابون لگانیسے ہوتی ہے۔ کہ اگر صابون باقاعدہ لگایا گیا ہے تو کوئی وجہ نہین کہ مَیل نہ اُترے اسیطرح اگر دل اخلاص و توجہ کیساتھ خدا کیطرف متوجہ ہوا ہے تو ممکن نہین قلب مین صفائی و انشراح اور تجلیات معرفت کی استعداد و قابلیت پیدا نہو۔ ہان بعض بزرگون کو توبہ کے بعد قبولیت توبہ مین جو شک ہوا ہے وہ حقیقت مین قبولیت توبہ کے شرائط جمع ہونیمین شک ہوا ہے کہ خدا معلوم ساری شرطین پوری ہوئین یا نہین؟ جیسے کوئی شخص مُسہلہ دوا پیئے اور پھر بھی اُسکو دستو نکے آنے مین شک ہو تو یہ شک دوا کے دست آور ہونے مین نہین بلکہ اس امر مین شک ہے کہ مُسہل کی شرائط پوری طرح ادا ہو بھی گئین یا نہین؟ یعنی دوا کے اجزا پُوری مقدار پر تھے یا کم و بیش ہوگئے۔ موسم و وقت اسہال کے مناسب بھی تھا یا نہ تھا۔ اور اگر ان جملہ امور مین اطمینان ہو تو پھر دستونکے آنے اور غلیظ و متعفن مادہ کے خارج ہوجانے مین کبھی شک نہوگا۔ اسیطرح اگر توبہ کے تمام شرائط جمع ہوجانیکا پورا الیقین ہوجائے تو پھر اسکی قبولیت مین شک ہونیکے کوئی معنی ہی نہین ہین

شرائط توبہ پورا ہوجانے کے بعد قبولیت میں شک نہیں

غرض ثابت ہوگیا کہ ہر شخص کو توبہ کی ضرورت ہے اور ہر فرد بشر اس معالجہ کا محتاج ہے پس اسمین غفلت کرنا ٹھیک نہین کہ غفلت اور ہوائے نفس السیا مہلک مرض ہے جسکی وجہ سے انسان خدا کی معصیت پر اصرار و مداومت کرنے لگتا ہے اور ظاہر ہے کہ اصرار یعنی بار بار کرنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہوجاتا ہے۔ پس جب اس اصرار کو چھوڑ دوگے تو اس باطنی مرض سے نجات ملجائیگی۔ خوب یاد رکھو کہ غفلت کا باطنی مرض بخار جاڑہ اور پھنسی پھوڑے وغیرہ یعنی جسم کے ظاہری امراض سے بہت بڑھا ہوا ہے اور اسکی کئی وجہ ہین۔ **اوّل** یہ کہ بدن کے امراض نظر آتے ہین اور غفلت کا اندرونی مرض نظر نہین آتا۔ لہٰذا اسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شخص کے چہرہ پر برص کے سفید داغ ہون اور آئینہ موجود نہو جسمین مُنہ دیکھکر اپنا مرض معلوم کرے۔ تو یہ مرض زیادہ خطرناک ہوگا کہ ممکن ہے دوسرے کے کہنے کا اسکو یقین نہ آئے اور اسی بے اعتباری مین اسکا مرض دن بدن بڑھتا رہے۔ **دوم** اسوجہ سے کہ غفلت کے باطنی مرض کا انجام انسان نے دیکھا نہین اور اسی لیئے

مرض غفلت بڑے امراض سے بڑھا ہوا ہے۔

عفو و کرم الٰہی پر بھروسہ کر کے مطمئن اور بے فکر ہو بیٹھا کہ علاج کیطرف مطلق توجہ نہیں کرتا۔ برخلاف بدنی امراض کے کہ انکا نتیجہ و انجام اسکے تجربہ میں آچکا ہے۔ اور اسی لئے یہاں خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا بلکہ علاج میں نہایت درجہ کوشش کیجاتی ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہر قسم کے جملہ امراض کا پیدا کرنیوالا وہی خدا ہے خواہ امراض جسمانی ہوں یا روحانی اور ظاہری ہوں یا باطنی۔ **سوم** اس باطنی مرض کے طبیب مفقود ہو گئے جو کہ نہایت ہی افسوس و حسرت کے قابل ہے کیونکہ اس قلبی مرض کے طبیب علماء شریعت اور عقلاء زمانہ تھے اور وہ خود باطنی بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں پھر جب انکو اپنے ہی علاج کی خبر نہیں تو دوسروں کا علاج وہ کیا کرینگے۔ کہ سب سے زیادہ مہلک مرض دنیا اور مال دنیا کی محبت ہے اور اس زمانہ پر آشوب میں سب سے زیادہ اس مرض کے اندر علماء ہی گرفتار نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسرونکو دنیا کی محبت سے روکنے اور منع کرنیکی انکو جرأت نہیں ہوتی بلکہ اپنی رسوائی کے اندیشہ سے وہ یہ بھی نہیں ظاہر کر سکتے کہ دنیا کی محبت بُری چیز اور باطنی امراض میں ایسا مہلک مرض ہے جس سے جانبری دشوار ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ یہ مرض لاعلاج ہو گیا کیونکہ جب طاعون یا وبائی مرض عام طور پر پھیلجائے اور دوا کا نشان و پتہ بھی نہ مل سکے اور طبیب خود مریض بن اور اسی مرض کے بیمار بنے ہوئے ہوں تو بھلا اس سے نجات کیونکر حاصل ہو۔ سب سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ان روحانی طبیبوں یعنی علماء کی دیکھا دیکھی عوام الناس کو محبت دنیا کی رغبت بڑھ گئی اور پرہیز یا دوا علاج کیطرف توجہ کرنیکی کوئی سبیل بھی باقی نہ رہی۔ کیونکہ یہی وہ اصحاب ہیں جنکی تقلید کیجاتی ہے اور عام آدمی انہیں کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہیں پس جب انہیں کو محبت دنیا میں گرفتار دیکھینگے تو پھر اسکو اچھی بات سمجھکر کیوں نہ اقتدا کرینگے۔ اور جب اقتدا کرینگے تو پھر اصلاح کی کیا صورت؟ افسوس کہ جنکو طبیب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تھا انہوں نے بجائے علاج کے مرض کو اور بڑھا دیا۔ جو لوگ مصلح بنکر آئے تھے وہ مفسد بنگئے۔ اور جنکو راہبر تجویز کیا گیا تھا وہ خود گمراہ ہو کر دوسرونکا راستہ کھوٹا کرنیکے درپے ہو گئے۔ گویا شیرین چشمہ کے دہانہ پر پتھر بنکر اڑ گئے کہ نہ خود پانی پئیں اور نہ دوسرونکو پینے دیں۔ ای کاش ایسے دنیا خالی ہو جائے اور یہ پتھر دہانے سے سرک جائے۔ اگر وہ خود ناقابل ہیں تو سہی مگر چشمہ کا دہانہ کیوں روکے ہوئے ہیں۔ دُور ہوں و راالگ ہٹیں کہ دوسرے تشنہ کام تو سیراب ہو جائیں غرض اس باطنی مرض کا خلاصہ علاج یہ ہے کہ سبب ڈھونڈو اور گناہ کے اصرار پر توجہ کرو کہ کیوں ہے۔

کسی گناہ پر اصرار مفصلہ ذیل پانچ اسباب میں سے کسی ایک سبب سے ہوا کرتا ہے **اوّل** یہ کہ گناہ پر جو سزا حق تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے وہ گناہ کے کرتے ہی دست بدست نہیں ملا کرتی۔ اور ظاہر ہے کہ جس فعل کا نتیجہ دست بدست نہیں ملتا اسکی وقعت ذہن میں نہیں ہوتی اور گناہ پر اصرار ہونے لگتا ہے۔ اسکا علاج یہ ہے سوچنا اور جاننا چاہئے کہ جو چیز ایک نہ ایکدن ضرور آنیوالی ہے وہ قریب ہی ہے کیونکہ بعید اسکو کہنا چاہئے جو آوے نہیں اور جو ایکدن آنیوالی ہے وہ بعید کہاں خصوصاً موت کہ جسکا آنا یقینی بھی ہے اور اسکا وقت بھی مقرر نہیں تو اسکے بعید ہونیکے تو کوئی معنی ہی نہیں۔ کیا خبر ہے کہ آج ہی کا دن آخری دن اور یہی مہینہ آخری مہینہ اور یہی سال تمہاری عمر کا

طبیب خود مریض بن گئے اور علماء عامل دنیا میں ہوگئے

گناہ پر اصرار ہونے کی پانچ وجہیں اور انکا علاج

آخری سال ہو پس اسکی طرف سے غفلت کرنا حماقت ہے پھر یہ بھی سوچو کہ آیندہ کے افلاس کے اندیشہ سے معاش کے حاصل کرنیکی فکر میں تم کیسے کیسے دُور و دراز کے سفر اور مصائب برداشت کرتے ہو۔ کیا آخرت کی پائدار زندگی کا اتنا بھی فکر نہو جتنا دُنیا کی بہت ہی جلد ختم ہو جانیوالی ناپائدار زندگی کا ہوتا ہے۔ **دوسرا سبب** یہ ہے کہ نفس کو اپنی مرغوب خواہشوں اور لذتوں میں مزہ آرہا ہے لہٰذا اُنکا چھوڑنا اسکو گران گذرتا ہے۔" اسکا علاج یہ ہے کہ سوچو اور غور کرو کہ اگر کوئی انگریز ڈاکٹر کہے کہ "ٹھنڈا پانی تمہیں مضر ہے اسکے پاس بھی نہ جانا ورنہ مرجاؤگے" تو مین پُوچھتا ہون کہ ڈاکٹر کی اس نصیحت کا تم پر کیا اثر ہوگا؟ ظاہر ہے کہ زندگی برباد ہوجانیکے خوف سے ٹھنڈے پانی جیسی لذیذ نعمت کو بھی تم ضرور چھوڑدوگے حالانکہ وہ ایک انسان کا قول ہے اور انسان بھی کافر جسمین جھوٹ کے بیسیون احتمال ہین۔ پھر حق تعالیٰ کی مُضر بتلائی ہوئی خواہشات کو چھوڑنے مین کیون تامل ہے۔ کیا اللہ اور اسکے سچے رسول کا ارشاد کسی کافر طبیب کے قول کے بھی برابر نہین ہے؟ یا جسمانی مرض سے مرجانا کیا ہمیشہ آگ مین جلنے سے بھی زیادہ تکلیف والا ہے؟ پھر یہ بھی تو سوچو کہ جب تمھارا نفس اسقدر لذت پسند اور خواہشات کا پابند ہے کہ دنیا مین چند روز کیلئے بھی معمولی لذتوں کا چھوڑنا اسکو شاق گذرتا ہے۔ تو یہان ان ناپائدار لذتوں کے حاصل کرنیکی بدولت جب آخرت کی دائمی نعمتین چھن گئین تو انکے چھوڑنے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آگ مین جلنے کی برداشت وہ کسطرح کریگا؟ **تیسرا سبب** یہ ہے کہ نفس نے تمکو کاہلی کا سبق پڑھادیا اور یہ شوشہ چھوڑدیا ہے کہ توبہ کی ایسی جلدی ہی کیا ہے آج نہین تو کل کرلینگے۔ غرض اسیطرح دن پر دن گذرتے رہتے ہین اور توبہ کی توفیق نہین ہوتی اسی تعویق و تاخیر اور آج کل کرنے مین وقت برابر ہوجاتا اور موت آجاتی ہے پس اگر گناہ پر اصرار کرنیکا باعث یہ کاہلی ہوئی تو اس مضمون کو سوچنا چاہئے کہ انجام کا حال کسکو معلوم ہے کہ کیسا ہوگا اور کون کہہ سکتا ہے کہ تم کل کو زندہ بھی رہوگے اور توبہ نصیب ہوجائیگی؟ یاد رکھو کہ ایسے ہی لوگ جہنم کا ایندھن بنینگے جنھون نے توبہ کرنیکو امروز فردا مین رکھا یہان تک کہ موت نے آپکڑا نیز یہ بھی سوچنے کے قابل بات ہے کہ جب نفس کو لذت کا چھوڑنا آج دشوار ہورہا ہے تو کل کو جبکہ شہوت کی لذت اور مضبوط ہوجائیگی کیونکر چھوٹ سکیگی۔ اسکی مثال تو ایسی ہوگی جیسے تمکو کسی درخت کے اُکھاڑنیکا حکم کیا جائے اور تم کہو کہ اس سال تو نہین ہان اگلے سال اُکھاڑونگا۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ درخت کی جڑ دن بدن مضبوط ہوگی اور تمھاری قوت روز بروز گھٹیگی اور ضعف بڑھیگا۔ پس جس درخت کو آج نہین اُکھاڑ سکے اسکو آیندہ سال کسطرح اُکھاڑ سکوگے؟ **چوتھا سبب** یہ ہے کہ نفس نے حق تعالیٰ کے عفو و کرم کا آرزومند بنا رکھا اور یہ شوشہ چھوڑدیا ہے کہ خدا کو ہمارے گناہون کی پرواہی کیا ہے وہ بڑا غفور رحیم ہے سارے گناہ بخشدیگا۔" یاد رکھو کہ یہ نفس کی مکاری اور حیلہ جوئی ہے کہ شیطان نے اس دھوکہ پر چڑھا کر اپنا کام بنالیا اور اس غرہ کو اپنی کاربرآری کا آلہ گردان لیا۔ حدیث مین آیا ہے کہ عقلمند وہی ہے جسنے اپنے نفس کو مطیع بنایا اور مرنیکے بعد کام آنیوالا ذخیرہ جمع کیا۔ اور احمق ہے وہ جسنے خواہشات کا اتباع کیا اور پھر خدا سے عفو و کرم کی آرزو رکھی۔" **پانچوان سبب** یہ ہے کہ معاذ اللہ قیامت کے ہونے اور معاملہ آخرت کے

نیک عمل میں کاہلی کرنیکا دوسرا سبب اور اسکا علاج

تیسرا سبب اور اسکا علاج

چوتھا اور پانچوان سبب اور اسکا علاج

ہیں آنمیں شک یا شبہ ہے" اسکا علاج اخلاق ذمیمہ کے خاتمہ مین بیان ہوچکا ہے وہان دیکھو اور اسکے موافق عمل کرو۔

(**فصل**) یون تو تمام گناہون سے توبہ کرنا ضروری ہے مگر کبیرہ گناہون سے توبہ کرنا نہایت ہی ضروری ہے اور معلوم ہوچکا ہے کہ صغیرہ گناہ بھی اصرار کرنیسے کبیرہ ہوجاتا ہے بلکہ صغیرہ گناہ جب بار بار کیا جاتا ہے تو کبیرہ گناہ ایک مرتبہ کرنیکی بہ نسبت قلب کو زیادہ سیاہ کردیتا ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی سخت پتھر پر ایک ایک قطرہ کا بار بار متواتر ٹپکنا اور کہیں یکبارگی موسلا دھار مینھ کا برسنا" کہ ایک قطرہ باوجودیکہ حقیر اور بہت ہی بے وقعت چیز ہے مگر بار بار پڑنیکی وجہ سے ایک نہ ایک دن پتھر مین سوراخ کردیگا۔ برخلاف موسلا دھار مینھ کے کہ اگرچہ وہ کئی لاکھ قطرونکا مجموعہ ہے مگر یکبارگی برسنے سے اسکا وہ اثر نہو گا جو ایک قطرہ نے آہستہ آہستہ کر دکھایا تھا۔ اسیطرح چھوٹا گناہ آہستہ آہستہ قلب پر جو برا اثر کرتا رہتا ہے وہ کبیرہ گناہ کے یکبارگی اثر کی بہ نسبت بہت ہی اندیشہ ناک ہوتا ہے اور اسکی کئی وجہین ہین **اول** یہ کہ صغیرہ گناہ کی ذہن مین وقعت نہین ہوتی اور اسکو معمولی گناہ سمجھکر بے پروائی کیجاتی ہے۔ برخلاف کبیرہ گناہ کے کہ اسکی برائی کے سبب امید ہے کہ اس سے بچنے اور باز آجانیکی طرف توجہ ہوجائے۔ اسی بنا پر ایک شیخ کا مقولہ ہے کہ جس گناہ کی بخشش نہوگی وہ گناہ وہ ہے جسکو بندہ معمولی سمجھتا اور کہتا ہے کہ کاش سارے گناہ ایسے ہی ہوتے **دوسرا** سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو بسا اوقات انسان نعمت سمجھتا اور خوش ہوتا ہے چنانچہ لوگونکو اکثر کہتے سنا ہے کہ "دیکھا مین نے اسکو کیونکر جواب دیا کیسا بدلہ لیا کیسی آبرو خاک مین ملادی کیسا دھوکہ دیا" اور ظاہر ہے کہ گناہ پر خوش ہونا زیادہ مضر اور قلب کا زیادہ سیاہ کرنیوالا ہے **تیسرا** سبب یہ ہے کہ اکثر حق تعالیٰ کی پردہ پوشی کو بہ نظر حقارت دیکھتا اور اپنی کرامت و بزرگی سمجھنے لگتا ہے یعنی یہ خیال کرتا ہے کہ مین خدا کے نزدیک بڑے مرتبہ کا شخص ہون لہذا میرے گناہ ظاہر نہین ہوتے اور یہ خبر نہین کہ خدا کیطرف سے ڈھیل دی جارہی ہے تا کہ گناہ زیادہ ہوجائین تو یکلخت دھر پکڑا جائے اور اسفل السافلین مین پھینکدیا جائے **چوتھا** سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو اسکے صغیرہ ہونیکی بنا پر لوگونمین ظاہر اور شائع کرتا پھرتا ہے حالانکہ حدیث مین آیا ہے کہ "تمام گناہگار بخشدیے جائینگے مگر گناہون کا اعلان و افشا کرنیوالا نہ بخشا جائیگا۔" **پانچوین** اگر کسی عالم یا صوفی یعنی مقتدا سے کوئی کوئی صغیرہ گناہ ہوتا ہے تو اسکا اثر اور بھی زیادہ برا پڑتا ہے کہ عام لوگ اسکو دیکھکر اس گناہ مین بیباکانہ مبتلا ہوجاتے ہین اور اسطرح گناہ کا ایک سلسلہ قائم ہوجاتا ہے۔ گویا یہ صغیرہ گناہ اتنا دراز ہوجاتا ہے کہ اسکے مرنیکے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ اسکی دیکھا دیکھی جن لوگون نے بھی اس گناہ کو اختیار کیا ہے سبکا وبال اسکے سر پڑیگا اور سب کے گناہ اسکے نامۂ اعمال مین درج ہونگے۔ اور ظاہر ہے کہ باقی رہنے والا گناہ ختم ہوجانے والے گناہ سے بدتر ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس گناہ کا بقا صغیرہ ہی ہونیکی وجہ سے ہوا۔ پس خوشا قسمت جو اپنے مرنیکے ساتھ اپنے گناہ بھی دنیا سے لیجائے بنی اسرائیل مین ایک عالم نے جب اپنے گناہون سے توبہ کی تو اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اگر اسکے گناہ میرے اور اسکے ہی درمیان رہتے تو مین بخشدیتا مگر اسنے تو مقتدا بنکر میرے دوسرے بندونکو بھی گناہ مین

صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا کبیرہ سے زیادہ مضر ہے

مبتلا کیا اور جہنم میں داخل کرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ کرنا ہر گناہ سے ہر فرد بشر پر ضروری ہے اور توبہ اسیوقت ہوسکتی ہے جبکہ دلمیں خدا کا خوف ہو۔ لہذا مناسب ہے کہ خوف کی فضیلت بیان کیجائے۔

دوسری اصل خوف کا بیان

حق تعالیٰ کا خوف تمامی نیک کاموں میں رغبت کرنے اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ خوف کرنیوالوں کی شان میں حق تعالیٰ نے ہدایت رحمت علم اور رضا کی محمود خصلتیں جمع فرمائی ہیں۔ جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اس سے ہر شے ڈرنے لگتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے "کسی بندے کو دو خوف نصیب نہونگے"۔ یعنی جو بندہ دنیا میں خدا کا خوف رکھیگا وہ آخرت میں بیخوف ہوگا اور جو دنیا میں خدا سے نڈر رہا اسکو آخرت میں امن و اطمینان نصیب نہوگا۔ خوف کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ کسی آنیوالی تکلیف کے اندیشہ سے دل دکھے اور سوزش پیدا ہو اور ظاہر ہے کہ جبتک حق تعالیٰ کی صفات جلالیہ کی معرفت حاصل نہوگی اسوقت تک خوف پیدا نہوگا اور جب یہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائیگا کہ خداوند تعالیٰ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز پر قادر ہے کہ دم بھر میں جو چاہے کرے اور مخلوق میں کوئی شخص چون بھی نہیں کرسکتا تو اسوقت خوف اور خشیہ پیدا ہوجائیگا۔ پس اگر خوف پیدا کرنا چاہتے ہو تو حق تعالیٰ کے جلال اور اسکی بے نیازی پر نظر کرو اور سوچو کہ جنت پیدا ہے اور اسمیں جانیوالی مخلوق اسکے لئے تجویز ہوچکی ہے۔ اسیطرح دوزخ بھی موجود ہے اور اُسکے سزاوار مخلوق بھی معین ہوچکی ہے۔ اور سعادت و شقاوت یعنی خوش قسمتی و بدنصیبی کا قطعی حکم ہر شخص کی تقدیر میں لکھا جاچکا ہے جسمیں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا اور اس ازلی حکم کا کوئی روکنے والا نہیں پس اے نفس معلوم نہیں کہ تیرے حق میں کیا حکم صادر ہوا اور تیرا خاتمہ کس حال پر ہونا لکھا ہے؟ ممکن ہے کہ تو جنت میں جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے لئے جہنم کی دائمی سزا تجویز ہوئی ہو دیکھو انجام کے مخفی و پوشیدہ حال سے نڈر وہی شخص ہوسکتا ہے جسکو حقیقی معرفت حاصل نہو لہذا ان کاملین اور خاصان خدا کے حالات پڑھا اور سنا کرو جنکو معرفت میں کمال حاصل ہے۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و علماء و اہل بصیرت رحمہم اللہ تعالیٰ کہ ان حضرات کو باوجود کمال درجہ تقرب کے کسقدر خوف تھا۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جب کبھی جبرئیل میرے پاس وحی لیکر آئے تو خداوند جبار و قہار کے خوف سے لرزتے اور کانپتے ہوئے آئے"۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب نماز کی کیحالت میں خوف کے سبب ایسا جوش مارتا تھا جیسے چولھے پر ہانڈی کھولتی ہے اور اس جوش و خروش کی آواز ایک میل کی مسافت سے سنائی دیا کرتی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن کامل سربسجود گریہ کرتے رہے یہانتک کہ آنسوؤں سے آس پاس کی زمین پر گھاس پیدا ہوگئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک پرند کو مخاطب بناکر فرمایا کہ "ای کاش میں بھی تجھ جیسا پرند ہوتا کہ شریعت و احکام خداوندی کا مکلف نہوتا۔ یا کاش پیدا ہی نہوا ہوتا"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "کاش میں درخت ہوتا کہ کاٹ دیا جاتا"۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

خوف کی حقیقت اور حاصل کرنیکا طریق

فرماتی ہیں کاش میں بھولی بسری ہو جاتی" غرض جن حضرات کو حق تعالیٰ کی بے نیازی اور جلال کی معرفت حاصل ہے وہ بے خوف اور نڈر نہیں رہ سکتے کہ نڈر ہونا انہیں غفلت شعار امرا کا شیوہ ہے جنکی نہ اپنے خاتمہ پر نظر ہے نہ اصلاحِ آخرت کیجانب توجہ۔ یہ غفلت کے پتلے اس بیوقوف بچہ کی مثل ہیں جسکو زہریلے سانپ سے بھی ڈر نہیں لگتا۔ مگر بچہ دوسرے کے سمجھائے سمجھ تو جاتا ہے۔ پس اے کاش جسطرح ناسمجھ بچہ اپنے سمجھدار باپ کو سانپ سے ڈرتا اور بچتا ہوا دیکھکر خود بھی بھاگتا اور عقل سیکھتا ہے۔ اسیطرح غافل و بے خبر مسلمان بھی اپنے محسن و مربی روحانی طبیبوں اور خاصانِ خدا کی حالتِ خوف کے مشاہدہ سے عبرت پکڑیں

خوف کی زیادتی بھی مذموم و مضر ہے

(فصل) خوف درحقیقت ایک چابک ہے جو انسان کو سعادتِ ابدی کیجانب دوڑاتا ہے۔ لہذا اسی حد تک پسندیدہ ہے جبتک کہ نیکوکاری کا آلہ بنے یعنی اتنا زیادہ نہ ہو کہ بیکار بنادے اور مایوسی کی حد تک پہونچا کر اعمال چھڑا دے البسا حد سے بڑھا ہوا خوف جس سے ناامیدی پیدا ہو جائے شرعاً مذموم ہے کہ حدیث میں آتا ہے "ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے" پس خوف کیساتھ رجا یعنی امید بھی ضروری ہے۔ البتہ گناہگار مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہئے اور جب دیندار بنجائے تو دونوں کو مساوی درجہ پر رکھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایکمرتبہ ارشاد فرمایا "اگر اللہ کا حکم صادر ہو کہ ساری مخلوق میں سے صرف ایک شخص جنت میں جائیگا تو میں امید کرتا ہوں کہ وہ شخص میں ہی ہونگا۔ اور اگر فرمان صادر ہو کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہوگا تو مجھے خوف ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں" یہ حالت مساوات ہے جسمیں خوف و رجا دونوں کے پلے برابر ہیں۔

جوانی میں خوف اور بڑھاپے میں رجا کا غلبہ مفید ہے

یاد رکھنا چاہئے کہ جوانی و تندرستی کے زمانہ میں مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہئے کہ اس غلبۂ شہوت کے زمانہ میں شہوات نفسانیہ کے توڑنے اور منزل مقصود تک پہونچنے کیلئے مہذب بنانیکو خوف کے کوڑے کی ضرورت ہے۔ اور بڑھاپے یا مرض کے زمانہ میں جبکہ موت قریب ہو تو رجا یعنی امید کو غالب رکھنا چاہئے کہ اول تو ضعف و نقاہت اور مرض کیوجہ سے کچھ ہوتا ہی نہیں پھر اگر اس حالت میں خوف کا غلبہ ہوا تو جو کچھ ہو رہا ہے اتنا بھی نہ ہو سکیگا اور بالکل ہی ہاتھ پاؤں پھول جائینگے۔ حدیث میں آیا ہے "مسلمان کو مرتے وقت اپنے خدا کیساتھ نیک گمان رکھنا چاہئے"۔ اور ظاہر ہے کہ نیک گمان اسیوقت ہو گا جبکہ کچھ نیک اعمال بھی پاس ہوں کیونکہ انسان جب کاشت کے لئے زمین میں بیج ڈالتا اور نیولائے پانی دینے کے متعلق اپنی جیسی سعی سب کچھ کر لیتا ہے تو اسیوقت خدا کے فضل پر بھروسہ کرکے پیداوار کی اور بوئے ہوئے کے کاٹنے کی امید رکھ سکتا ہے اور جبتک بیج ہی نہیں ڈالا اور ایسی حالت میں اناج کی طلب و خواہش رکھی تو اسکو رجا و امید نہیں کہتے بلکہ تمنا اور ہوس کہتے ہیں اور تمنا و ہوس شیطانی دھوکہ ہے اسلئے حق تعالیٰ فرماتا ہے "جو بندے ایمان لائے اور ہجرت کر گئے اور فی سبیل اللہ جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں" اس سے معلوم ہو گیا کہ رجا و امید سعی و کوشش کے بعد ہوا کرتی ہے جسطرح کاشتکار بونے جوتنے کی پوری محنت کر لینے کے بعد منتظر رہتا ہے کہ اگر آسمانی آفت سے حفاظت ہوئی اور بجلی اولہ آگ وغیرہ سے کھیت کو حق تعالیٰ نے بچائے رکھا تو امید ہے کہ جتنا بیج ڈالا ہے ایک ایک کے بدلے ستر ستر بلکہ اس سے بھی زیادہ حاصل ہونگے۔ اسیطرح مسلمان کو خدا کی طاعت میں پوری مشقت اٹھانی اور

رجا و ہوس کا فرق

مجاہدہ وریاضت کرنیکے بعد اُمید رکھنی چاہیے کہ اگر حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے اعمال و افعال کو قبول فرمالیا تو ایک ایک نیکی کا سات سات سوگونا بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر ملیگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عذابِ الٰہی سے ڈر کر معصیتوں اور نافرمانیوں سے رُکنا چاہیے اور رحمت الٰہی کا اُمیدوار بنکر نیکیوں میں رغبت پیدا ہونی چاہیے۔ پس خوف کو اسوقت معتبر سمجھو جبکہ وہ تمکو معصیت سے روکے اور گناہ کی جرئت نہونے دے اور اگر یہ حاصل نہو تو اسکا نام خوف نہیں بلکہ عورتوں جیسی رقتِ قلبی اور وہم و خیال ہے جسکا کچھ اعتبار نہیں اور خوف جب کمال پر پہونچتا ہے تو دُنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے جسکا نام زہد ہے لہذا مناسب ہے کہ زہد کا بیان کیا جائے

تیسری اصل زہد کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے "اے محمد اس مال و جاہ کیجانب نظر اُٹھا کر نہ دیکھو جو ہمنے کافروں کو دنیا کی تازگی کی جنس سے دے رکھا ہے کہ اس سے مقصود انکو فتنہ میں ڈالے رکھنا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی عطا بہتر اور زیادہ پایدار ہے"۔ نیز قارون کے قصہ میں ارشاد ہے کہ وہ بن سنور کر ایک شان اور ٹھاٹھ کے ساتھ جلو میں نکلا اور بعض لوگونکو یہ تزک و احتشام دیکھکر حرص ہوئی تو جن لوگونکو علم رحمت ہوا تھا وہ کہنے لگے کہ افسوس تم اس ناپایدار چیز کی حرص کرتے ہو دیکھو حق تعالیٰ کا ثواب سب سے بہتر چیز ہے" اس قصہ سے معلوم ہوا کہ زہد درحقیقت علم کا ثمرہ ہے۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو شخص صبح اُٹھتے ہی دُنیا کے غم میں گرفتار ہو جاتا ہے حق تعالیٰ اسکا دل پریشان کر دیتا ہے اور ملتا ہے اسیقدر جتنا کہ اسکی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ اور جو شخص صبح اُٹھتے ہی آخرت کی فکر میں لگجاتا ہے تو حق تعالیٰ اسکا قلب مطمئن رکھتا اور اسکی دُنیا کی خود حفاظت و کفالت فرماتا ہے اسکا دل غنی کر دیتا اور اپنی دُنیا م رحمت فرماتا ہے کہ یہ منہ پھیرتا ہے اور دُنیا اسکے پیچھے بھاگی چلی آتی ہے"۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے "اللہ جسکو ہدایت دینا چاہتا ہے اسکا شرح صدر کر دیتا ہے"۔ اسکی تفسیر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسطرح بیان فرمائی ہے کہ "اسکے قلب میں وہ نور داخل فرما دیتا ہے جس سے اسکا سینہ منشرح ہو جاتا ہے"۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ اسکی شناخت کیا ہے؟ آپنے فرمایا "دُنیا سے بے رغبتی اور دین کیجانب توجہ اور موت سے پہلے موت کا انتظام کرنا۔ شرح صدر کی خاص پہچان ہے"۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جسکو حق تعالیٰ زاہد بناتا ہے اسکے قلب میں حکمت القا فرماتا اور دُنیا کی بیماری و علاج سے آگاہ کر دیتا اور اس جہان فانی سے بے لوث باہر نکالکر دار السلام میں پہونچا دیتا ہے"۔ اسکے بعد صحابہ سے فرمایا کہ "خدا جو حق تعالےٰ سے حیا کرو"۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ حیا تو کرتے ہیں آپنے فرمایا کہ جہاں رہنا نہیں ہے وہاں مکانات بناتے ہو اور جو کھا نہیں سکتے وہ جمع کرتے ہو یاد رکھو کہ بندہ کا ایمان اسوقت کامل ہوتا ہے جبکہ گوشہ گمنامی میں پڑے رہنے کو شہرت سے زیادہ پسند کرے اور دُنیا کے متعلق ہر شے کی قلت کو اسکی کثرت سے زیادہ محبوب سمجھے جب انسان دُنیا میں زاہد بنتا ہے تو حق تعالیٰ اسکو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ اور جبکہ وہ خدا کا محبوب بنجاتا ہے تو مخلوق کی نظروں میں بھی محبوب ہو جاتا ہے"۔

زہد علم کا ثمرہ اور شرح صدر کی علامت

زہد کی حقیقت اور غرض و غایت

حقیقی زہد یہ ہے کہ انسان دُنیا کے مال و متاع کیجانب التفات نکرے اور باوجود اسکے حاصل کرنیکی قدرت کے پھر اسکی جانب متوجہ نہو۔ اور زہد کی اصل وہ نُور اور علم ہے جو اللہ کیطرف سے بندہ کے قلب میں ڈالدیا جاتا ہے جسکی وجہ سے سینہ کھلجاتا ہے اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دُنیا کے جملہ ساز و سامان مکھی کے پر سے بھی زیادہ حقیر ہیں اور آخرت ہی بہتر و پائیدار ہے جسوقت یہ نُور حاصل ہوتا ہے تو اس حقیر دُنیا کی آخرت کے مقابلہ میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کسی بیش قیمت جوہر کے مقابلہ میں ایک پھٹے پُرانے چیتھڑے کی ہوا کرتی ہے۔ اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر ضرورت و کفایت دُنیا پر قناعت حاصل ہوجائے پس زاہد اسی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کسی مسافر کو سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اور وہ ضروری سامان جسکی ہر شخص کو احتیاج ہے یا طعام ہے یا لباس یا اثاث البیت اور ہر ایک میں زہد کے مراتب و مدارج ہیں جنکی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں طعام کی ضرورت رفع کرنے میں زہد تین اعتبار سے ہوتا ہے۔ مدت اور مقدار اور جنس

طعام میں مدت کے اعتبار سے زہد کے مراتب

پس مدت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا زہد تو یہ ہے کہ صرف ایک وقت کے کھانے پر قناعت کرے کہ اگر صبح کو بھوک رفع ہوجائے تو شام کیلئے کچھ پاس نہو اور شام کو پیٹ بھر جائے تو صبح کیلئے کچھ ذخیرہ نہو اور **اوسط** درجہ یہ ہے کہ مہینہ بھر یا چالیس دن کی خوراک مہیا ہو اور اس سے زیادہ کی پرواہ نہو اور **ادنیٰ** درجہ یہ ہے کہ فقط سال بھر کا ذخیرہ جمع کرلیا جائے اور سال سے زیادہ کا سامان جمع کرنا تو زہد سے بالکل خارج ہے۔ البتہ اگر کسی قسم کا ذریعہ کسب اور تحصیل معاش کیلئے دُنیا کا کوئی مشغلہ نہو تو سال سے زیادہ کا ذخیرہ جمع کرلینا بھی زہد کے منافی نہیں کہ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیس درہم تھے جنپر انہوں نے کامل بیس سال قناعت کی تھی پس چونکہ انکا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا لہذا بیس سال کا ذخیرہ جمع کر رکھنا زہد کے خلاف نہوا۔

مقدار کے اعتبار سے مراتب زہد

طعام میں مقدار کے اعتبار سے ادنیٰ درجہ کی مقدار جسکو زہد کا **اعلیٰ** درجہ کہنا چاہیے نصف رطل یعنی پاؤ سیر اناج ہے۔ اور **اوسط** درجہ کی مقدار آدھ سیر اور **اعلیٰ** مقدار جو زہد کا ادنیٰ درجہ ہے۔ سیر بھر غلہ ہے پس جس نے اس سے زیادہ مقدار کھائی تو زہد کے خلاف کیا۔

جنس کے اعتبار سے مراتب زہد

جنس کی حیثیت سے **اعلیٰ** درجہ کا زہد اُس کھانے پر قناعت کرنا ہے جسمیں غذائیت پائی جائے اگرچہ اناج کی بھوسی ہی کیوں نہو اور **اوسط** درجہ جَو کی روٹی ہے۔ اور **ادنیٰ** درجہ گیہوں کے بے چھنے آٹے کی روٹی کا کھانا ہے۔ اور اگر آٹا چھان لیا تو اسکا نام زہد نہیں بلکہ تنعم اور تلذذ ہے۔ اور ترکاری میں **اقل** درجہ کی ترکاری جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے سرکہ اور سبزی اور نمک کا استعمال ہے اور **اوسط** درجہ چکنائی کا استعمال اور **اعلیٰ** درجہ کی ترکاری جو زہد کا سب سے نیچے کا درجہ ہے گوشت کھانا ہے بشرطیکہ ہفتہ میں صرف ایک یا دو مرتبہ ہو۔ اور اگر ہمیشہ گوشت کھانیکی عادت ہوگئی تو زہد سے بالکل باہر ہوگیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "چالیس چالیس دن گذر جاتے تھے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ میں آگ نہیں سُلگتی تھی" معتبر ذریعہ سے ثابت ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے مُسلسل کبھی تین دن بھی گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِکَ وَصَفِیِّکَ بِقَدَرِ زُھْدِہٖ وَکَمَالِہٖ

لباس میں **اعلیٰ** درجہ کا زہد یہ ہے کہ صرف اتنے کپڑے پر قناعت کرے جس سے ستر چھپ جائے اور سردی گرمی رفع

لباس کے متعلق زہد کے درجے

ہوسکے اور ادنیٰ درجہ کا زہد یعنی اعلیٰ درجہ کا لباس یہ ہے کہ کسی کھردرے کپڑے کا کرتہ پاجامہ اور ایک رومال رکھے پس اگر دو کورتہ بھی پاس ہونگے تو زہد ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ زہد مین کم سے کم یہ تو ضرور ہونا چاہیے کہ اگر پہنے ہوئے کپڑوں کے دھونے کی ضرورت پیش آئے تو دوسرا جوڑا پاس نہ نکلے بلکہ رومال باندھکر دھولے اور پھر انکو پہن لے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہین کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے صوف کی ایک چادر اور ایک موٹا کورتہ نکالکر مجھکو دکھایا اور فرمایا کہ ان دو کپڑون مین سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے۔ ایکمرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نعلین کا ایک نیا جوڑا پہنا جو اچھا معلوم ہوا تو فوراً سجدہ مین گرے اور فرمایا کہ "مجھے یہ نعلین اچھی معلوم ہوئین اور اندلیشہ ہوا کہ حق تعالیٰ غصہ ہوجائے اسلئے مین تواضعاً سربسجود ہوگیا" یہ فرماکر آپ باہر تشریف لائے اور جو مسکین سب سے پہلے نظر پڑا اُسکو مرحمت فرمادین"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قمیص مین بارہ ۱۲ پیوند لگے گئے تھے جنمین بعض چمڑے کے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہین کہ مقتدا پر ضروری ہے کہ ادنیٰ حیثیت کے لوگون کا سا لباس پہنے تاکہ اُمرا اور اہلِ مال اسکا اقتدا کرین اور فقرا و نادار اپنے فقر کو بہ نظر حقارت نہ دیکھین۔

مکان کے متعلق زہد کے درجے

مسکن مین ادنیٰ درجہ جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے یہ ہے کہ مسافرخانہ یا مسجد کے کسی حجرے مین زندگی گذاردے۔ اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ سکونت کیلئے کوئی خاص جگہہ تجویز کرلے یعنی بقدر ضرورت ایک حجرہ خواہ خریدلے یا کرایہ پر لیلے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ اسمین وسعت نہو اور نہ اسکی اونچی اونچی دیوارین ہون نہ قلعی چونہ ہو نہ کہگل کیونکہ کہگل یا استرکاری کے مکانات مین ہالیش زہد سے خارج ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین ہم مکان مین چونہ کی استرکاری کررہے تھے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا میان وقت تو اس سے پہلے برابر ہوجانے والا ہے"۔ مطلب یہ تھا کہ انسان کو ناپائدار زندگی گذارنیکے لئے اس استحکام و پائداری کی کیا ضرورت ہے۔ موت آجائیگی اور یہ یہین دھرا رہیگا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے رہائش کیلئے پھونس کا ایک جھونپڑا بنا رکھا تھا کہ اسی مین ایام گذاری فرماتے تھے۔ لوگون نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ ایک گھر بنا لیجئے تاکہ آرام ملے۔ آپنے فرمایا میان مرنیوالیکے واسطے تو یہ پھونس کا گھر بھی بہت ہے"۔ حدیث مین آیا ہے کہ ضرورت سے زیادہ جو شخص مکان بنائیگا قیامت کیدن اسکو تکلیف دیجائیگی کہ اس کو سرپر اُٹھائے"۔ اب تم خود سمجھلو کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور کس مقدار و حیثیت کے مکان سے وہ رفع ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ جس حد تک گرمی و سردی رفع ہو وہ تو ضرورت مین داخل ہے اور اس سے زیادہ سجاوٹ یا وسعت تو عبث و بیکار اور آخرت کیلئے مخدوش و خطرناک ہی ہے۔

اثاث البیت کے متعلق زہد

اثاث البیت مین بھی کئی درجے ہین ادنیٰ درجہ کا سامان جسکو زہد کا اعلیٰ درجہ کہنا چاہیے وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال تھا کہ ایک کنگھا اور ایک آبخورا یہی اثاث البیت تھا اور یہی سفر و حضر کا سامان ایک بار چلے جارہے تھے کہ ایک شخص نظر پڑا جو انگلیون سے کنگھے کا کام لیکر اپنے بال درست کررہا تھا حضرت روح اللہ نے کنگھا پھینکدیا اور فرمایا کہ یہ تو ضرورت سے زائد چیز نکلی اب آبخورہ رہگیا اسکو لیکر آگے چلے تو ایک

اُس شخص کو دیکھا ہاتھ کے چلّو سے پانی پی رہا ہے اُسوقت آبخورہ پھینکدیا اور فرمایا کہ خدا کے عطا کئے ہوئے بدن ہی کے عضو سے جو کام نکل آئے اسکے لئے دوسرا انتظام کرنا فضول ہے" **اوسط** درجہ یہ ہے کہ معمولی اور خسیس برتن رکھے۔ اور وہ بھی ہر قسم کی ضرورت کیلئے ایک عادت سے زیادہ نہو اور اسمیں بھی یہ لحاظ رہے کہ جہانتک ہوسکے کئی کئی ضرورتیں ایک ہی برتن میں رفع ہو جاویں چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہر حمص کے حاکم حضرت عمر بن سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تمھارے گھر میں دنیا کی ضرورتوں کے رفع کرنیکے لئے کیا کیا اسباب ہے؟ انہوں نے جوابدیا ایک لاٹھی ہے کہ اسی سے تکیہ کا کام لیکر سہارا لگا لیتا ہوں اور اسی سے موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ کو مار دیتا ہوں اور ایک تھیلا ہے جسمیں کھانا رکھ لیتا ہوں۔ اور ایک پیالہ ہے جسمیں کھانا رکھکر کھا لیتا ہوں اور اسی میں لبشرط ضرورت سر اور کپڑا وغیرہ دھو لیتا ہوں۔ اور ایک برتن ہے جسمیں اتنا کافی پانی آجاتا ہے جو پینے اور وضو کرنیکے لئے کافی ہو جاتا ہے لیس یہ چار عدد میرے پاس موجود ہیں اور ساری ضرورتیں اُلٹ پھیر کر اسی میں پوری ہو جاتی ہیں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ یہ فرما کر کہ "سچ کہتے ہو" چپ ہو گئے۔ تمنے سُنا ہوگا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک جسپر استراحت فرماتے تھے صرف ایک چرمی تکیہ تھا جسمیں لیفہ گھاس بھری ہوئی تھی اور ایک کمل تھا" غرض زاہدوں کے یہ حالات ہیں جو نمونہ کے طور پر بیان کر دئے گئے اگر اس مرتبۂ کمال کے حاصل کرنیسے خدانخواستہ محروم رہو تو کیا اس سے بھی گئے گذرے ہو کہ اس محرومیت پر افسوس ہی کرو تاکہ زہد کی قلب میں محبت اور اسکے حصول کی خواہش تو باقی رہے۔

نیز اسکا ہمیشہ خیال رکھو کہ لذت پسند اور متنعم امرا کے قرب کی نسبت اللہ کے زاہد بندوں کے پاس اُٹھنا بیٹھنا پسند کرو اور جہانتک ہوسکے زاہدوں کی مثل بننے اور بلند درجہ کے حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہو۔

(**فصل**) زہد کے کئی درجے ہیں ایک یہ کہ نفس اگرچہ دُنیا کی طرف مائل ہو مگر اسکو جبراً بے التفات بنایا جائے اور دنیا حاصل کرنیسے زبردستی روکا جائے۔ اس حالت کو زہد کہنا تو ٹھیک نہیں ہے البتہ اگر تزہّد کہا جائے اور زہد کی ابتدا سمجھا جائے تو مُناسب ہے **دوسرا** درجہ یہ ہے کہ نفس دنیا سے اتنا متنفر ہو کہ اسکی طرف مائل ہی نہو اور سمجھ جائے کہ دُنیا اور آخرت کی نعمتوں کا یکجا ہونا چونکہ ناممکن ہے اسلئے آخرت کی لذتوں کے حاصل کرنے میں دُنیا کی مال و متاع پر اسطرح خاک ڈالدینا چاہئے جسطرح کسی بیش بہا جوہر کے خریدنے میں چند روپئے خرچ کر دئے جاتے ہیں کہ دریغ نہیں ہوتا بلکہ روپیہ دیکر لینے میں خوشی ہوتی ہے ایسے ہی دُنیا کا ساز و سامان چھوڑ کر بڑی مسرت کیساتھ آخرت کی نعمتیں حاصل کر لیجائیں ہے **تیسرا** درجہ یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کا عدم اور وجود برابر ہو جائے اور یہ خیال رہے کہ جو کچھ بھی دنیا میں ہے وہ حق تعالیٰ کے بیشمار خزانوں کے بحرِ ذخار اور دریائے ناپیدا کنار کا ایک قطرہ ہے لہذا اگر ملجائے تو کچھ مسرت نہیں اور اگر نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھ سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہیں ہے اسدرجہ میں نفس نہ تو دُنیا کیطرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس سے متنفر۔ اور یہی زہد کے کمال کا درجہ ہے کیونکہ تنفر بھی ایک قسم کی توجہ اور اس شے کے باوقعت ہونیکی علامت ہے جب شے کی وقعت ذہن سے نکل جایا کرتی ہے اسکی دونوں جانبیں یعنی تنفر اور توجہ برابر ہو جایا کرتی ہیں ہے ایک مرتبہ حضرت رابعہ عدویہ کی مجلس میں لوگوں نے دُنیا کی مذمت بیان

کرنا شروع کی تو آپ نے فرمایا "دنیا کی قدر و منزلت تمھارے دلون مین موجود ہے جب ہی تو اسکی تم مذمت کر رہے ہو بھلا ایک ذلیل اور بے قدر شے کی بھی کوئی مذمت کیا کرتا ہے" یاد رکھو کہ جب دنیا کی وقعت قلب سے جاتی رہتی ہی تو رغبت اور نفرت دونون سے انسان خالی الذہن ہو جاتا ہے۔ ایکمرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ درہم آئے اور آپنے ان سے نفرت نہین کی بلکہ انکو لے لیا اور اُسیدن مساکین پر تقسیم فرما کر خرچ کر دیا۔ آپکی خادمہ نے عرض بھی کیا کہ ای ام المومنین ایک درہم کا گوشت آپ خرید لیتین جس سے آپ آج روزہ افطار فرما لیتین تو آپ نے جوابدیا اگر پہلے یاد دلاتین تو یہ بھی کر لیتے اب تو کچھ باقی نہین رہا" یہ درجہ غنا کہلاتا ہے۔ بعض ناعاقبت اندیش جاہل صوفی دھوکہ کھانے اور اپنی مال کی بڑھوتری و حرص کو غنا کا درجہ سمجھ جاتے ہین یعنی یہ خیال کرتے ہین کہ چونکہ ہمارے قلب کو دنیا سے علاقہ نہین رہا اسلئے ہمین ہج مال و متاع کی کثرت مُضر نہین ہے حالانکہ انکا یہ خیال شیطانی دھوکہ ہے کہ امتحان کرنیسے اسکی کھوٹ معلوم ہو جائیگی۔ مثلاً اگر سارا مال یکلخت چوری ہو جائے تو دیکھو کہ انکا کیا حال ہوتا ہے۔ اگر اپنا مال چوری جانیکا اسیقدر اثر ہو جتنا کسی اجنبی کا مال چوری چلے جانیسے ہوتا ہے تب تو سمجھو کہ بیشک انکے قلب کو مال سے محبت نہین رہی اور انکے نزدیک مال کا رہنا اور چلا جانا دونون برابر ہین ورنہ قلب کی چوری پکڑ گئی۔ غرض زہد کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ زہد سے بھی زہد ہو جائے یعنی دنیا کیجانب سے لے التفاقی کو بھی وقعت کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ یون سمجھے کہ دنیا کوئی چیز بھی ہو جسکا چھوڑنا ہمت و بہادری سمجھا جائے یا مسرت کی نظر سے دیکھا جائے۔ اسکی تو اہل بصیرت کے نزدیک اتنی بھی قدر نہین جتنی کسی بڑے بادشاہ کے نزدیک ایک پیسہ کی ہوتی ہے۔ اس بے حیثیت دنیا کو چھوڑ کر یہ سمجھنا کہ ہمنے کچھ چھوڑ دیا حقیقت مین اسکے درجہ کا اسکی حیثیت سے بڑھانا ہے۔ اسکی مثال ایسی سمجھو جیسے کوئی شخص شاہی دربار مین داخل ہونا چاہے اور اسکو دروازہ پر بیٹھا ہوا کُتا داخلہ سے روک رہا ہو پس یہ اسکے سامنے ایک روٹی کا ٹکڑا ڈالدے تاکہ کتا اسکے کھانے مین لگجائے اور یہ شاہی دربار مین جا داخل ہو۔ اسیطرح شیطان حق تعالیٰ کے دروازہ کا کُتا ہے جو سالک کو مطلوب تک پہونچنے سے روک رہا ہے اور ساری دنیا روٹی کے ایک ٹکڑہ سے بھی زیادہ بے وقعت ہے جسکو اُسکے سامنے ڈالکر سالک نے اپنے مطلوب تک پہونچنے کا راستہ صاف کیا ہے پس تم ہی سوچو کہ شاہی دربار کی حاضری کا اعزاز حاصل کرنیکے لئے جو کُتے کو روٹی کا ٹکڑہ ڈالا گیا ہے اسکی ذہن مین کچھ وقعت ہوگی اور نہ اسکو قابل ذکر و خیال سمجھا جائیگا بلکہ روٹی کے ٹکڑہ اور دنیوی بادشاہ مین تو کچھ مناسبت بھی معلوم ہوتی ہے کہ دونون ایکدن فنا ہونیوالے ہین پس فانی شے کے حصول کیلئے ایک فانی شے کا ہاتھ سے کھو دینا جب وقعت کی نگاہ سے نہین دیکھا جاتا تو دنیا اور آخرت مین تو کوئی مناسبت ہی نہین کہ دنیا اگر لاکھون برس بھی رہتی تو وہ بھی ایکدن فنا ہو جاتی۔ پس آخرت کی جاوید نعمتون اور اس پائدار ملک کی دائمی سلطنت حاصل کرنے کیلئے اگر دنیا کو ہاتھ سے چھوڑا جائے اور شیطان کے حوالہ کر دیا جائے تو اسکا خیال و تذکرہ ہی کرنا فضول ہے۔ زہد کے اسباب متعدد ہین کبھی تو دوزخ کا خوف اور عذاب کا اندیشہ زہد کا سبب بنجاتا ہے اسکو خائفین کا زہد کہتے ہین اور یہ سالکین طریقت کے نزدیک ادنی درجہ ہے اور کبھی آخرت کی نعمتون اور

دنیا کی رغبت و نفرت دونون کا نہ ہونا کمال زہد ہے

زہد سے بھی زاہد ہونا اعلیٰ درجہ ہے

زہد کے اسباب

لذتوں کی رغبت زہد کا باعث ہوجاتی ہے اور اسکو راجین کا زہد کہتے ہیں اور یہ درجہ پہلے درجہ سے بڑھا ہوا ہے کہ رجا یعنی اُمید چاہتی ہے محبت کو اور محبت کی فضیلت تمکو معلوم ہوچکی اور تیسرا درجہ جو سب میں اعلیٰ ہے وہ یہ ہے کہ تمامی ماسوے اللہ کیطرف سے بے توجہی اور نفس کا غیر اللہ کو حقیر سمجھکر چھوڑ دینا زہد کا باعث ہو۔ اسکو حقیقی زہد کہتے ہیں کہ پہلے دونوں درجوں کے زہد تو ایسے ہیں جیسے کسی نافع سودے کی خرید و فروخت ہوتی ہے کہ ایک حقیر چیز کو اسلئے چھوڑ دیا تاکہ تکلیف دینے والی روح فرسا مصیبت اسکی وجہ سے دفع ہوجائے یا کئی گنی بہتر اور نافع چیز ہاتھ آجائے اور اس درجہ میں سوے اللہ کیجانب التفات کرنے ہی کو فضول سمجھا گیا ہے کہ وہ کوئی چیز ہی نہیں پس اس درجہ میں حق تعالیٰ کے سوائے جو چیز بھی ہو خواہ مال ہو یا جاہ یا اور کوئی ایسی شے جس سے عموماً لذت حاصل ہوا کرتی ہے ان سب ہی سے زہد حاصل ہوجاتا ہے۔ برخلاف پہلے درجوں کے کہ انمیں صرف مال سے زہد حاصل ہوتا ہے جاہ سے نہیں ہوتا۔ اور مال میں بھی بعض انواع سے زہد ہوتا ہے اور بعض سے نہیں ہوتا اور یہی وجہ ان درجوں کے ضعیف ہونیکی ہے۔ کیونکہ انسان کو جاہ کی محبت مال کی بہ نسبت زیادہ ہے اور جسکی محبت زیادہ ہو اسی سے زہد حاصل ہونا اہتمام و توجہ کے لائق بھی ہے۔

ماسوی اللہ سے رغبت کا ہٹ جانا اعلیٰ زہد ہے

(فصل) زہد کے معنی یہ ہیں کہ باوجود دُنیا حاصل کرسکنے کے دُنیا سے ایسا بے التفات ہوجائے کہ دُنیا اسکے پیچھے بھاگے اور یہ اس سے دامن چھڑائے۔ اور اگر معاملہ برعکس ہو کہ یہ دُنیا کو حاصل کرنا چاہے مگر دُنیا اسکے ہاتھ نہ آئے تو اسکو زہد نہیں کہتے بلکہ اسکا نام فقر ہے اور فقر کا درجہ زہد کے برابر نہیں۔ ہاں فقر کو تونگری پر فضیلت ضرور ہے۔ کیونکہ تونگری میں دُنیا کی لذتوں سے دل بستگی ہوجاتی ہے اور اسوجہ سے مرتے وقت ان مرغوبات کے چھوڑنیکی حسرت ہوا کرتی اور دنیا گویا جنت اور آخرت گویا قیدخانہ معلوم ہوتا ہے برخلاف فقر کے کہ اس حالت میں لذتوں سے اگرچہ جبراً و قہراً باز رکھا گیا ہے تاہم چونکہ کبھی کسی چیز کا ذائقہ اور مزہ مُنہ کو نہیں لگا لہذا مرتے وقت کسی چیز کی محبت میں دل نہ اٹکیگا۔ بلکہ دُنیا کو دارالالم اور تنگدستی کا گھر سمجھیگا اور آخرت آزادی و خوش عیشی کا گھر اور جنت معلوم ہوگی۔ پس اسمیں شک نہیں کہ فقر بھی اللہ کی بڑی نعمت اور سعادت اُخروی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے نیک بندہ کو دُنیا سے ایسا بچاتا ہے جیسے تم اپنے عزیز بیمار کو کھانے پینے کا پرہیز کراتے ہو۔ میری اُمت کے فقراء جنت میں اُمراء سے پانسو برس پہلے داخل ہوجاوینگے جسوقت کسی فقیر کو دیکھا کرو تو خوش ہوا اور کہا کرو کہ مرحبا صالحین کے طریقہ والے مرحبا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایکبار عرض کیا کہ بار الہا آپکو کون بندے محبوب ہیں بتلایئے تاکہ میں انسے محبت کروں ارشاد ہوا کہ "وہ فقراء جنکو لوگ پاس بھی نہ کھڑا ہونے دیں" یاد رکھو کہ اگر فقیر اپنے حال پر قانع ہو اور طلب مال کا زیادہ حریص نہو تو اس کا درجہ زاہد کے قریب ہی قریب ہے۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مُبارک ہو اسکو جسے اسلام کی ہدایت ہوئی اور بقدر کفایت معاش ملی اور وہ اسپر قانع ہوا" قانع فقیر خدا کو بہت پسند ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اے اسمٰعیل مجھے شکستہ دل لوگوں کے پاس ڈھونڈا کرو۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ بار الہا

زہد و فقر کا فرق

فقر کی فضیلت

وہ کون لوگ ہین ارشاد ہوا کہ "صابر فقیر" خلاصہ یہ ہے کہ اگر فقر کے ساتھ قناعت اور صبر ورضا بھی ہو تو نور علی نور اور اسکا ثواب بہت ہی زیادہ ہے۔ اور چونکہ زہد کی ابتداء فقر پر صبر کرنا ہی ہے۔ اسلئے صبر کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی اصل صبر کا بیان

حق تعالیٰ نے صبر کرنیوالوں کیلئے اتنی صفات جمع فرمائی ہین جو دوسروں کیلئے جمع نہین فرمائین چنانچہ ارشاد ہے "صبر کیا کرو کہ اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے" "صبر کرنے والون پر انکے پروردگار کی رحمتین ہین اور مہربانی اور وہی راہ یاب ہین" "صبر کرنیوالون کو انکا اجر بیشمار دیا جائیگا" وغیرہ وغیرہ۔ کلام مجید مین کچھ اوپر ستر جگہ صبر کا ذکر آیا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "صبر نصف ایمان ہے اور جنت کے خزانون کا ایک خزانہ ہے جس شخص کو یہ خصلت حمت ہوئی اسکو بڑی سعادت نصیب ہوئی" شب بیدار اور صائم الدہر سے اسکا درجہ افضل ہے کہ صبر کے حقیقی معنی ہوائے نفس کے مقابلہ مین خدا کے حکم پر مستقل اور ثابت قدم رہنے کے ہین اور یہ صرف انسان ہی کو حاصل ہو سکتا ہے اسلئے کہ اسپر دو مخالف لشکر مسلط اور حملہ آور ہین جنمین ایک خدائی لشکر یعنی فرشتون اور عقل و شریعت کا لشکر ہے جنکا مقصود یہ ہے کہ انسان کو اپنی قابو مین لائین اور ہدایت پر قائم رکھین اور دوسرا شیطانی لشکر یعنی غیظ و غضب اور نفس کی خواہشات اور اسکے اسباب کا لشکر ہے جو چاہتا ہے کہ انسان کو اپنے قبضہ مین رکھے اور پابند ہوا و ہوس بنائے۔ انسان کو بالغ ہو کر دونون مین امتیاز کرنا اور شیطانی گروہ سے جنگ و جدال کرنا پڑتا ہے پس اگر عقل کو غلبہ ہوا کہ دین اسلام اور شریعت محمدیہ پر استقلال نصیب ہوا تو صبر کا مرتبہ اسکو حاصل ہو گیا۔ اور چونکہ بہائم مین صرف شہوات و خواہشات کا مادہ ہے عقل اور دین کا شعور نہین اور فرشتون مین صرف قرب خداوندی کی استعداد پیدا کیگئی ہے۔ وہ شہوات نفسانی اور غیظ و غضب سے پاک ہین کہ ہر وقت تسبیح و تہلیل مین مشغول رہتے ہین اور جانتے ہی نہین کہ شہوت کیا چیز ہے لہذا صبر کا مرتبہ ان دونون مین کسیکو حاصل نہین ہو سکتا۔ اور انسان مین چونکہ دونون متضاد صفتین موجود ہین کہ خواہشات نفسانیہ بھی ہین اور بھلا برا سمجھنے کا شعور اور عقل و فطرت سلیمہ بھی موجود ہے لہذا ایک کو مغلوب اور دوسرے کو غالب کرنا جسکا نام صبر ہے انسان ہی کیلئے مخصوص ہے۔ جب یہ دونون حالتین اپنا اپنا رنگ جمانا چاہتی ہین تو اسوقت انسان کو عقل سے کام لینے اور اپنا انجام سوچنے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ دین کو غالب رکھکر مقام صبر پر پہونچے اسکی ایسی مثال ہے جیسے مریض کو تلخ دوا دیجاتی ہے کہ لذت اور مزہ کا طالب اسکو پاس لانا بھی پسند نہین کرتا اور عقل چاہتی ہے کہ گو اسکی تلخی ناگوار گذرے مگر آنکھین بند کرکے جبراً قہراً پی لیجائے تاکہ جلد شفا حاصل ہو پس اگر عقل کو غلبہ ہو گا تو بیشک دوا کی تلخی پر صبر کیا جائیگا۔ اسیطرح اگر دینی معاملہ مین عقل اور فطرت سلیمہ کو غلبہ ہو گا تو ضرور ہے کہ ریاضت اور مجاہدہ کی دشواریونکو برداشت کیا جائیگا۔ اور چونکہ ایمان نام ہے علم اور عمل کا اور عمل کی دو جانبین ہین جنمین بعض کا کرنا مقصود ہے اور بعض سے باز رہنا اسیطرح اخلاق و عادات مین عادات محمودہ سے آراستہ ہونا ضروری ہے اور خصائل رذیلہ سے خالی اور پاک رہنا لازمی

صبر کے معنی اور انسان کے ساتھ اسکا اختصاص

اور یہ درجہ بغیر صبر کے حاصل نہیں ہو سکتا لہذا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو آدھا ایمان فرمایا اور چونکہ صبر کبھی شہوت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی غصہ کے مقابلہ میں اور روزہ شہوت کے توڑنیکا نام ہی لہذا روزہ کو نصف صبر ارشاد فرمایا۔

صبر کا اعلیٰ درجہ

صبر کے تین درجے ہیں:- **اعلیٰ** درجہ یہ ہے کہ شہوت اور ہوائے نفس کے مادہ ہی کا قلع وقمع ہو جائے تاکہ اسکو مقابلہ کی قدرت ہی نہ رہے اور اسپر ثبات وبقا نصیب ہو اور ایسے نفوس کو نفس مطمئنہ کہکر مرتے وقت بشارت دیجائیگی کہ اے نفس مطمئنہ چل اپنے پروردگار کیطرف تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھسے راضی۔

صبر کا ادنیٰ درجہ اور اسکی دو علامات

اور سب میں **ادنیٰ** درجہ یہ ہے کہ ہوائے نفسانی غالب آجائے اور قلب کو شیطانی لشکر کے حوالہ کردے۔ ایسی خطرناک حالت والونکو حق تعالیٰ فرماتا ہے "میرا فرمان صادر ہو چکا کہ میں تم سے جہنم بھر دونگا" اسکی دو علامتیں ہیں ایک یہ کہ ایسا شخص کہا کرتا ہے "مجھے توبہ کا شوق تو ہے مگر مجھسے ہو نہیں سکتی اور اسی لئے اب اسکی کچھ خواہش بھی نہیں رہی۔ یہ یاس اور ناامیدی کا درجہ ہے جو مہلک ہے اور جانبری کی امید نہیں۔ دوسری علامت یہ ہے کہ توبہ کا شوق بھی نہ رہے اور کہنے لگے کہ "اللہ رحیم وکریم ہے اسکو میری توبہ کی کچھ پرواہ نہیں اگر توبہ کئے بغیر وہ مجھکو جنت میں بھیجدیگا تو اسکے جنت جیسی وسیع جگہ چھوٹی نہیں پڑجائیگی اور خدا کی رحمت شاملہ میں کچھ کمی نہیں آجائیگی" یہ بیچارہ کم عقل متحیر ہے اور اس پابند ہوا وہوس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مسلمان شخص کافرونکے ہاتھ میں قید ہو جائے اور کافر اسکو کبھی خنزیروں کے چرانے اور کھلانے پلانے کی خدمت سپرد کردیں اور کبھی اسکی گردن اور کمر پر شراب کے پیپے لدوا کر اپنے گھروں تک لیجائیں اور یہ اس ذلیل حالت کو ذلیل نہ سمجھے بھلا اسکی نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے تمہیں بتلاؤ کہ اگر بادشاہ کی کسی پیاری اولاد کو پکڑکر کسی ذلیل وبے عزت غلام کے حوالہ کر دیا جائے کہ وہ اسکو اپنا غلام بنائے پاؤں دلوائے اور جو چاہے خدمت لیا کرے تو اس بیچارے شہزادہ کا کیا حال ہوگا؟ اسیطرح اس غفلت شعار مسلمان کا حال ہے جسنے حق تعالیٰ کے تقرب پر دنیائے دنی کو ترجیح دی اور ہوائے نفسانی کا قیدی ہو گیا کہ توبہ اور توجہ الی اللہ کا شوق بھی اسکے دل سے جاتا رہا۔ نعوذ باللہ من ہذا الحال الردی۔

صبر کا متوسط درجہ اور اسکی علامت

متوسط درجہ یہ ہے کہ خدائی لشکر اور شیطانی گروہ میں جنگ وجدال قائم رہے کہ کبھی اسکا پلہ بھاری ہو جائے اور کبھی اسکا پلہ۔ نہ اسکو کامل شکست ہو اور نہ اسکی کھلی ہوئی فتح۔ ایسے کے بارہ میں ارشاد ہے کہ "یہ لوگ ہیں جنہوں نے اعمال صالحہ کو بدکاریوں میں خلط کر رکھا ہے۔ امید ہے کہ حق تعالیٰ انپر توجہ فرمائے" اسکی علامت یہ ہے کہ ضعیف خواہشونکو ترک کرے اور زور آور شہوتوں کو نہ چھوڑ سکے نیز کبھی خواہشات کو چھوڑ دے اور کبھی انکے ہاتھوں عاجز آجائے مگر اپنے مغلوب ہونے پر حسرت وافسوس کرے اور برابر اس کوشش میں لگا رہے کہ کسیطرح نفس پر قابو حاصل ہو جائے تو بہتر ہے۔ اسیکو جہاد اکبر کہا گیا ہے اور اسی میں دیکھنا ہے کہ کہاں تک فتح پاتا ہے۔ اگر مغلوب رہا اور قوت عقل کو غلبہ نہ دیسکا تو جانور کی برابر ہے بلکہ اس سے بھی بدتر کیونکہ اس میں تو عقل ہی نہیں ہے اور اسمیں عقل ہے مگر چوپایہ کیطرح اپنی خواہش نفس کے پورا کرنے میں مصروف ہے۔ اور اگر غالب آگیا تو کام بنگیا۔

خوشحالی مین صبر کی ضرورت اور اسکی وجہ

(فصل) انسان تمام عمر ہر حالت مین صبر کا محتاج ہے۔ کیونکہ دنیا مین دو ہی حالتین ہین یا اپنی مرضی کے موافق اور یا مخالف۔ پس اگر مرضی اور منشا کے موافق حالت ہے مثلاً تندرستی توانگری اولاد عزت جاہ سب کچھ حاصل ہے تب تو صبر کی ضرورت ظاہر ہے کہ اگر نفس کی باگ نہ تھامیگا تو یہ سرکش شرارت کریگا اور تنعم و تلذذ مین بیجا کا نہ قدم رکھیگا یعنی خواہشات کے پیچھے ہو لیگا اور ابتدا و انتہا سب کو بھول جائیگا۔ اسیلئے صحابہ کرام فرماتے ہین کہ "ہم تنگی اور فقر کے فتنہ مین مبتلا ہوئے تو صابر نکلے مگر فراخی و وسعت کے فتنہ مین مبتلا ہوئے تو صبر نہ کر سکے" اور فراخی مین صبر کرنیکے یہی معنی ہین کہ قلب کا میلان اس دنیا کی متاع کی جانب نہو بلکہ یہ سمجھے کہ جو کچھ بھی مجھے عطا ہوا ہے وہ میرے پاس خدا کی امانت ہے جو عنقریب مجھسے واپس لے لیا جائیگا۔ پس جب تک وہ میرے پاس ہے اسوقت تک مجھے شکر ادا کرنا چاہیئے اور جب وہ چلی جائے تو رنجیدہ نہونا چاہیئے اور اگر خدانخواستہ غفلت اور اتباع ہوا مین مشغول ہو گیا تو غافل کہا جائیگا۔

طاعات پر صبر

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی خواہش کے مخالف حالت ہو اور اسکی چار قسمین ہین **پہلی قسم** اطاعات پر صبر کرنا ہے جنسے نفس گھبراتا اور بھاگتا ہے مثلاً کسل کی وجہ سے نماز پڑھنا ناگوار ہے اور بخل کی وجہ سے زکوٰۃ دینا گران۔ اور کسل و بخل دونون وجہ سے حج اور جہاد کرنا دشوار پس نفس پر جبر اور طاعت پر صبر کرنا اگرچہ گران گذرے مگر لازم ہے کہ اس گرانی کا تحمل ہو اور نفس کو زیر کرے۔ اور جب نفس مطیع ہو گیا تو پھر تین قسم کے صبر کا حکم ہوگا

عبادت کے شروع اور درمیان اور ختم پر صبر کرنا

اول عبادت کے شروع کرنیسے پہلے اخلاص پیدا اور ریا وغیرہ کے دور کرنے اور نفس کے مکر و فریب سے بچنے کا۔ **دوم** حالتِ عبادت مین صبر کرنا کہ آداب اور سنن و مستحبات کے ادا کرنے مین کسل و کاہلی نہو اور عبادت میں اول سے آخر تک حضور قلب قائم رہے کہ شیطانی وسواس اور نفس کے خطرات ایک لمحہ کیلئے بھی پاس نہ آوین **سوم** فراغت پانیکے بعد صبر کرنا کہ ریا و سمعہ کے طور پر اسکا اظہار اور لوگون سے اپنی عبادت کا ذکر کرتا نہ پھرے۔

معصیت پر صبر کرنیکی ضرورت

غرض صبر کی ہر جگہ ضرورت ہے اور وہ ہر حالت مین نفس کو شاق گذرتا ہے **دوسری قسم** معاصی سے صبر کرنا ہے خصوصًا ایسی معصیت سے جسکا نفس عادی ہو اور اسکا مزہ پڑا ہوا ہو۔ کیونکہ یہان خدائی لشکر یعنے عقل اور دین کے ساتھ دو لشکرون کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ایک شیطانی گروہ اور دوسرا اسکا مددگار یعنی عادت کا لشکر خصوصًا عادت بھی ایسی چیزونکی جنکے حاصل کرنے مین سہولت ہو کہ کچھ بھی خرچ نہون جیسے غیبت کرنا۔ جھوٹ بولنا جھگڑنا اور خود ستائی وغیرہ کہ ان معصیتون مین صرف زبان ہلانا پڑتی ہے پس ان سے بچنا اور صبر کرنا بڑے بہادر کا کام ہے

ایذاؤن پر صبر کی ضرورت

تیسری قسم اُن چیزون پر صبر کرنا ہے جو گو اختیاری نہین مگر ان کا تدارک و تلافی قبضہ مین ہے مثلاً کسی لیسے شخص سے ایذا پہونچی جس سے تم انتقام لے سکتے ہو مگر اسپر صبر کرو اور اس سے انتقام نہ لو۔ یہ صبر کرنا کسیوقت واجب ہے اور کسیوقت مستحب چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہین کہ جبتک مسلمان ایذا پر صبر نکرتا تھا ہم اسکے ایمان کو کامل نہ سمجھتے تھے۔ حقتعالی فرماتا ہے "مسلمانونکی شان یہ ہے کہ وہ کافرونکی ایذائین برداشت کرتے اور یون کہتے ہین کہ ہم ان تکلیفون

پر صبر کرینگے جو تم ہمکو پہنچاوگے **چوتھی قسم** وہ ہے جو بالکل غیر اختیاری ہو کر اسکی تلافی بھی اپنے اختیار مین نہو۔ جیسے کسی عزیز کے مرجانے یا مال گم اور ضائع جانیکی مصیبت یا کسی مرض و بیماری کا پیدا ہوجانا۔ یا کسی عضو کا جاتا رہنا۔ غرض تمام بلاؤن اور حوادثات پر صبر کرنا اس چوتھی قسم مین داخل ہے جسکا بڑا درجہ ہے کہ حق تعالی فرماتا ہے "جب مین کسی بندہ کو مصیبت مین مبتلا کرتا ہون اور وہ صبر کرتا ہے یعنی شکایت کا کلمہ زبان پر نہین لاتا تو مین اسکا معاوضہ اسکو دیتا ہون گوشت سے بہتر گوشت اور خون سے بہتر خون۔ اگر صحت بخشتا ہون تو گناہ معاف کر کے صحت بخشتا ہون اور اگر وفات دیتا ہون تو پاک صاف کر کے اپنی رحمت کے جوار مین لے لیتا ہون" غرض انسان کسی حالت مین بھی صبر سے مستغنی نہین اور چونکہ صبر نصف ایمان ہے جسکا دوسرا نصف حصہ شکر ہے کہ اسکو بھی تمام اعمال سے تعلق ہے لہذا شکر کا بیان کرنا بھی مناسب ہے۔

پانچوین اصل شکر کا بیان

حق تعالی فرماتا ہے "اگر تم شکر کروگے تو ہم تمکو زیادہ دینگے" رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کھانیوالا شکرگذار برابر ہے روزہ دار صابر کے" تمنے سنا ہوگا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک عبادت کرتے کرتے ورم کر آئے تھے اور آپ تہجد مین گریہ و بکا بہت فرماتے تھے۔ ایکمرتبہ حضرت عائشہ رض نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپکے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوگئے ہین پس اسقدر گریہ و بکا کیون فرماتے ہین ہ آپنے جواب دیا کہ اے عائشہ کیا مین خدا کا شکرگذار بندہ نہ بنون" واقعی شکر کا مرتبہ نہایت عالی اور صبر و خوف و زہد اور تمام مذکورہ مقامات سے بلند ہے کہ جنکا اوصاف کا ذکر ہوچکا ہے اُنمین سے کوئی صفت بھی مقصود بالذات نہین بلکہ سب مقصود بالغیر ہین چنانچہ **صبر** اسلئے مقصود ہے کہ ہوائے نفس کا قلع قمع ہوجائے اور **خوف** اسلئے مطلوب ہے کہ کوڑے کا کام دیکر مقام مقصود تک پہونچادے اور زہد سے مقصود اُن تعلقات سے بھاگنا ہے جنہون نے اللہ تعالی کیجانب سے بے توجہ کر رکھا ہے۔ البتہ **شکر** ایسی صفت ہے جو مقصود بالذات اور فی نفسہ مطلوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شکر کا وجود جنت مین بھی ہوگا کہ توبہ و خوف اور زہد و صبر کی وہان حاجت نہین اور شکر وہانکی نعمتون پر بندے ضرور ادا کرینگے۔ چنانچہ حق تعالی فرماتا ہے اہل جنت کا آخری قول الحمد للہ رب العالمین[1] ہوگا۔ شکر ادا کرنیکے لئے شکر کی ماہیت کا معلوم ہونا ضرور ہے۔ یعنی اوّل علم ہونا چاہئے کہ شکر کیا چیز ہے اور جب معلوم ہوجائیگا تو ایک خاص حالت پیدا ہوگی اور اُس حالت خاص کے بعد عمل متفرع ہوگا کہ شکر کے یہی تین ارکن ہین جنکو ہم علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہین **اوّل رکن علم** یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا اور یہ سمجھنا کہ تمام نعمتین حق تعالی ہی مرحمت فرماتا ہی۔ اور جقدر اسباب اور واسطے اُن نعمتون کے ہم تک پہونچنے مین پیش آئے ہین وہ سب اللہ ہی کے قبضہ مین ہین کہ اسکے حکم بغیر نہ کوئی ذرہ حرکت کرسکتا ہے اور نہ کوئی چیز کسیکو مل سکتی ہے اور اس سمجھنے سے دو باتین پیدا ہونگی **ایک** منعم سے خوش ہونا **دوم** اسکی خدمتگذاری اور تعمیل حکم مین سرگرمی کہ انہین دونون حالتون کا نام **حال** اور **عمل** ہے۔ **دوسرا رکن** حال یعنی منعم کی اس نعمت پر اسوجہ سے خوش ہونا کہ منعم کا عطیہ ہے اور خضوع و تذلل کی ہیئت ظاہر کرنا۔ کیونکہ بادشاہ اگر کسی غلام کو گھوڑا بھیجے تو

[1] شکر ہے اللہ کا جو رب ہے تمام جہان کا ۱۲ منہ

اسکی خوشی تین وجہ سے ہوتی ہے **اوّل** اسوجہ سے کہ کام کی چیز ہاتھ آئی اور گھوڑے پر سوار ہو کر بیپیدل ضرورتین رفع ہونگی
دوم اسوجہ سے کہ یہ عطیہ بتلا رہا ہے کہ پادشاہ کی اس غلام پر توجہ اور عنایت ہے جس سے آیندہ کسی بڑی اور اس سے بھی زیادہ
مفید نعمت کے ہاتھ آنیکی توقع ہے **سوم** اسوجہ سے کہ گھوڑا اسکی سواری بنیگا اور اسپر سوار ہو کر اپنے منعم آقا کے حضور مین حاضر
ہو کر شاہی خدمت بجا لاسکیگا۔ اِن سے **پہلی** وجہ تو کوئی چیز ہی نہین کہ وہ تو محض نعمت پر خوشی ہے جسمین منعم کا خیال مطلق
ملحوظ نہین **دوسری** وجہ شکر مین داخل ضرور ہے مگر ضعیف ہے۔ البتہ تیسری وجہ شکر کا درجۂ کمال ہے۔ کیونکہ جو کچھ
بھی حق تعالی امرحمت فرماوے اُسپر اِسوجہ سے خوش ہونا کہ یہ چیز کوئی کار آمد چیز ہے ٹھیک نہین ہے۔ کیونکہ شکر کے معنی
یہ ہین کہ اُسپر اسوجہ سے خوش ہو کہ یہ حق تعالی تک پہونچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور اسکی علامت یہ ہے کہ ایسی نعمت پر
خوشی نہ پیدا ہو جسکے سبب خدا سے غفلت پیدا ہو جائے اور ذکرِ الٰہی بھول جائے۔ بلکہ ایسی حالت پر رنجیدہ ہو ہان جس نعمت کے
ذریعہ سے دنیوی تفکرات رفع ہون اور اطمینانِ قلب نصیب ہو یعنی خدا کی یاد مین اعانت حاصل ہو اسپر خوشی و مسرت ہونا چاہیے
پس جو شخص شکر کا درجۂ کمال نہ حاصل کر سکے وہ دوسرا ہی درجہ حاصل کرلے۔ باقی پہلے درجہ کو تو شکر سے کوئی تعلق ہی نہین ہے۔
تیسرا رکن عمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اسکی رضامندی مین استعمال کرنا اور یہ اسوقت ہو سکتا ہے
جبکہ مخلوق کی پیدایش کے اغراض و مقاصد اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ کیا کیا چیز کس کس کام کیلئے پیدا ہوئی ہے مثلاً
آنکھ اللہ کی ایک نعمت ہے اور اسکا شکر یہ ہے کہ اسکو اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علمِ دین کی کتابونکے دیکھنے اور آسمان
و زمین جیسی بڑی بڑی مخلوق کے اسغرض سے مشاہدہ کرنے مین صرف کرے کہ عبرت حاصل ہو اور خالق برتر کی عظمت و کبریائی سے باخبر
بنے۔ نیز ستر کے دیکھنے اور عورت پر نظر ڈالنے سے اسکو روکے رکھے۔ اسیطرح **کان** ایک نعمت ہے اور اسکا شکر یہ ہے کہ اسکو ذکرِ
الٰہی اور اُن باتونکے سُننے مین استعمال کرے جو آخرت مین نفع دین اور ہجو اور لغو اور فضول کلام سُننے سے روکے۔ **زبان**
کو یادِ خدا اور حمد و ثنا اور اظہارِ شکر مین مشغول اور تنگدستی یا تکلیف مین شکوہ و شکایت سے باز رکھے کہ اگر کوئی مزاج پرسی بھی
کرے تو شکایت کا کلمہ نہ نکلے۔ کیونکہ شاہنشاہ کی شکایت ایسے ذلیل و بے بس غلام کے سامنے جو کچھ بھی نہین کر سکتا زبان سے
نکلنا بالکل فضول و معصیت مین داخل ہے۔ ہان اگر کلمۂ شکر زبان سے نکلیگا تو طاعت مین شمار ہوگا۔ **قلب** کا شکر یہ ہے کہ اسکو
فکر و ذکر اور معرفت و اخلاص مین استعمال کرے۔ اوصافِ حمیدہ سے اسکو آراستہ اور خصائلِ رذیلہ سے صاف و پاک رکھے غرض
ہاتھ پاؤن تمام اعضا اور مال و متاع و عزت و جاہ سب کا شکر یہی ہے کہ انکو حق تعالیٰ کی طاعت مین رکھا جائے۔

(فصل) درحقیقت کمال درجہ کا شکر تو وہی بندے ادا کر سکتے ہین جنکا شرح صدر ہو چکا اور جنکے قلوب کے اندر
حقتعالیٰ نے حکمت و معرفت کا نور بھر دیا ہے کہ وہ ہر چیز کے رموز و اسرار سے واقف ہین اور ہر شے مین اپنے محبوب کا جلوہ دیکھتے
ہین اور جسکو یہ درجہ حاصل نہو اسکو سُنت کا اتباع اور حدودِ شریعت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یعنی اسکو اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ
اگر مثلاً کسی نامحرم پر نظر ڈالی تو آنکھ کی نعمت کا کفران ہوا۔ نیز آفتاب اور تمام اُن نعمتونکی ناشکری ہوئی جنکو بصارت مین دخل ہے

تنبیہ کہ جو معصیت حرام کیا گیا ہے وہ درحقیقت کفرانِ نعمت ہے۔

اور جنکے بغیر کچھ نظر نہین آسکتا۔ کیونکہ آنکھ کے بغیر بینائی کام نہین دے سکتی۔ اور آفتاب کے بغیر آنکھ بیکار ہے کہ سب جانتے ہین اندھیرے مین آنکھ کچھ بھی کام نہین دے سکتی۔ اور آفتاب اپنے وجود مین آسمان کا محتاج ہے پس آنکھ کی بدنظری کی ایک معصیت سے گویا آسمان و زمین سب ہی کا کفرانِ نعمت ہوگیا۔ یہی حال تمام معصیتون کا ہے کہ تمام نعمتون کا تعلق باہم وابستہ ہے اور ایک کو دوسرے سے اور دوسرے کو تیسرے سے ایسا علاقہ ہے جو ذرا غور کرنے سے سمجھ مین آسکتا ہے۔ یہان سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان کرتے ہین اللہ پاک نے روپیہ اشرفی یعنی ثمن نقد کو بمنزلہ حاکم کے بنایا ہے کہ اسکے ذریعہ سے تمام اموال کی قیمت قرار پائے اور اشیاء مختلفہ کے ارزان و گران ہونیکا باہمی فرق و امتیاز ظاہر ہو پس اگر ثمن نقد یعنی چاندی و سونا نہو تو کچھ بھی سمجھ مین نہ آئے کہ کپڑے کو زعفران کے بدلے کیونکر خریدا جائے اور اناج کو گھوڑے کے عوض کسطرح فروخت کیا جائے اسلئے کہ انمین باہم کوئی مناسبت نہین اگر ہے تو صرف یہی کہ نفس مالیت دونون مین مشترک ہے یعنی ثمنیت اور نقدی جسکو چاندی و سونا کہتے ہین کم و بیش دونون مین پائی جاتی ہے اور یہی تمام چیزونکی مقدار کا معیار ہے پس اگر کپڑا ایک روپیہ گز کا ہے اور زعفران پچاس روپیہ سیر کی تو اس سے اندازہ ہوگیا کہ پچاس گز کپڑے کے بدلے سیر بھر زعفران خریدنی چاہئے اور پچاس گز کپڑا سیر بھر زعفران کے مساوی ہے۔ غرض یہ ثمن و نقدی نہو تو تمام معاملات اور جملہ اشیاء مین گڑبڑ مچ جائے پس اگر کسی شخص نے اسکو اکھٹا کرکے زمین مین گاڑ دیا یا خزانہ بنا کر مقفل کر دیا تو گویا حاکم کو مسندِ حکومت سے اتار کر بیکار محض بنا دیا اور مقید کر لیا۔ اور جس شخص نے اسکے برتن بنا لئے مثلاً پانی پینے کا گلاس اور سالن اتارنیکی رکابی تو گویا حاکم کو جولاہے اور کاشتکار کے کام مین لگا دیا۔ حالانکہ یہ اوسط درجہ کے کام دوسرے ادنیٰ درجہ کے خدمتگار بھی کر سکتے تھے پس یہ سزا قید سے بھی زیادہ سخت ہوئی۔ اور جس شخص نے سود لینا شروع کر دیا اور روپیہ اشرفی کے لین دین کو مالی ترقی اور تکثیر مال کا ذریعہ بنا لیا کہ صرافہ کے ذریعہ سے چاندی سونیکی ذات کو مقصدِ تجارت ٹھیرا لیا تو اسنے گویا حاکم کو اپنا غلام بنا لیا تاکہ وہ گھاس کاٹ کر لایا کرے اور جھاڑو دیدیا کرے۔ حالانکہ یہ سب صورتین صریح ظلم اور حکمتِ خداوندی مین تغیر و تبدل کرنا ہے گویا حق تعالیٰ سے عداوت ہے کہ محاربہ و جنگ کا پیام دیا گیا ہے۔ غرض جس شخص کو نورِ معرفت حاصل نہین اور یہ رموز اسکو نظر نہین آتے تو وہ شریعت کی زبان سے صورت تو سمجھ ہی لیگا اگرچہ معنی نہ سمجھے پس اسکو احکام شرعی سنائے جائینگے کہ دیکھ حق تعالیٰ فرماتا ہے "جو لوگ چاندی اور سونے کا خزانہ بناتے اور جوڑ جوڑ کر رکھتے ہین کہ اللہ کی راہ مین خرچ نہین کرتے تو قیامت کے دن اس جمع کئے ہوئے مال کو نارِ جہنم مین تپا کر انکے منہ اور کروٹون پر داغ دیئے جائینگے" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "جس شخص نے چاندی یا سونے کے برتن مین پیا گویا وہ اپنے پیٹ مین آگ کے گھونٹ اتار رہا ہے" اور حق تعالیٰ فرماتا ہے "جو لوگ سود کھاتے ہین وہ قیامت کے دن قبرون سے اسطرح اٹھینگے جیسے آسیب زدہ" ان آیات و احادیث سے معلوم ہوگیا کہ اموال و اشیاءِ عالم کے حاکم یعنی زرِ نقد کا جمع کرنا اور برتن بنانے اور سود پر چلانا یعنی صرافہ کرنا تینون حرام اور خلاف مقتضائے حکمتِ خداوندی ہین ہان اتنا فرق ہے کہ اہل بصیرت ان رموز و اسرار سے

چونکہ واقف ہوتے ہین لہذا انکا علم دلائل اور احکام شرعیہ سے دوبالا ہوکر نور علیٰ نور کا مصداق بنجاتا ہے اور نیکو کار مسلمان جو ان اسرار تک نہین پہونچ سکتے وہ حدود شرعیہ ہی پر اکتفا کرتے ہین اور جو لوگ اندھے اور جاہل ہین وہ دونون سے محروم رہتے ہین۔ سو ایسے ہی لوگون سے جہنم بھری جائیگی کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے "اے محمد تمپر نازل ہوئے احکام کو جو شخص حق سمجھتا ہے وہ اور جو راہ مستقیم سے اندھا ہے کیا دونون برابر ہوسکتے ہین؟" اور دوسری جگہ فرماتا ہے "جسنے میری نصیحت سے اعراض کیا اسکو تنگ معیشت ملیگی اور قیامت کیدن وہ اندھا اٹھایا جائیگا۔ تب وہ پوچھیگا کہ مجھے اندھا کیون اٹھایا؟ ہم جواب دینگے کہ ہماری نشانیان تجھ تک پہونچی تھین پس تونے انکو بھلادیا تھا سو آج ہم بھی تجکو اسیطرح بھلائے دیتے ہیں" اور نشانیون سے مراد یہی حکمت و مصلحت اور اسرار اور رموز ہین جو ہر چیز کے پیدا کرنے مین ملحوظ ہین اور جنپر انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے لوگونکو مطلع کردیا گیا کہ ہر زمانہ مین حاملان شریعت علماء و فقہا انکو مفصل بیان کرتے رہتے ہین پس یاد رکھو کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہین جسمین حکمت اور رمز و خاصیت نہو پس جو شخص انکو سمجھ جاتا ہے وہ تو سمجھ جاتا ہے اور جو نہین سمجھتا وہ انکا انکار کرنے لگتا ہے اور یہ انکار کرنا شکر کے خلاف ہے۔ اور چونکہ شکر کامل درجہ وہی حاصل کرسکتا ہے جسمین سچا اخلاص ہو اور کسی عمل مین ماسوا اللہ کی نیت کا شائبہ بھی نہو۔ لہذا مناسب ہے کہ اخلاص اور صدق کا ذکر کردین۔

چھٹی اصل اخلاص اور صدق کا بیان

اخلاص کی اصل مسلمان کی نیت ہے کہ نیت ہی مین اخلاص ہوا کرتا ہے۔ اور اخلاص کا کمال صدق ہے اور اخلاص کے معنی یہ ہین کہ نیت مین کسی شے کی آمیزش نہو اسلئے ان تینون رکنون کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

رکن اول نیت حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے محمد اپنے پاس سے انکو علیحدہ نکرو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہین آسکی ذات کو چاہکر" اس آیت سے معلوم ہوا نیت سے مراد یہ ہے کہ عمل سے حق تعالیٰ کی ذات مقصود ہو۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ کچھ لوگون کے صحیفہ اعمال حق تعالیٰ کے حضور مین پیش ہونگے اور حق تعالیٰ فرمائیگا کہ انکو پھینکدو کیونکہ ان اعمال سے اس شخص کو میری ذات مقصود نہ تھی۔ اور کچھ بندون کا نامہ اعمال پیش ہوگا اور حکم ہوگا کہ فلان فلان عمل اور درج کردو۔ فرشتے عرض کرینگے کہ بارالہا وہ اعمال تو اسنے کئے نہین تھے۔ حکم ہوگا کہ ان اعمال کی اسنے نیت تو کی تھی اور اسکا ہمکو علم ہے"۔ حدیث مین آیا ہے کہ آدمی چار قسم کے ہوتے ہین **ایک** وہ جسے حق تعالیٰ نے مال بھی دیا اور علم بھی دیا اور وہ بمقتضائے علم اس مال کو اللہ کی راہ مین خرچ کرتا ہے **دوسرا** وہ جو اس شخص کو دیکھکر کہتا ہے اگر حق تعالیٰ مجھے بھی مال اور علم مرحمت فرمائے تو مین بھی اسیطرح خیرات کرون۔ یہ دونون شخص اجر مین مساوی ہین **تیسرا** شخص وہ ہے جسکو صرف مال عطا ہوا اور علم عطا نہین ہوا۔ اور یہ شخص جہالت کے سبب گڑبڑ مچاتا اور فضول و بیجا مال اڑارہا ہے اور **چوتھا** شخص وہ ہے جو اسکو دیکھکر کہتا ہے کہ اگر مجکو مال ملجائے تو مین بھی اسیطرح مزے اڑاؤن اور عیش کرون۔ پس یہ دونون شخص گناہ مین برابر ہین۔

نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے

بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا قصہ ہے کہ قحط سالی میں ریت کے ٹیلہ پر اسکا گذر ہوا اور وہ اپنے دلمیں کہنے لگا کہ اگر یہ ریت کا ٹیلہ اناج بنجائے تو میں اسکو لوگوں میں تقسیم کردوں۔" اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی پر وحی بھیجی کہ اس شخص سے کہدو کہ خدا نے تمھاری خیرات قبول کی اور نیک نیتی کی قدر فرمائی۔ اور اسیقدر ثواب عطا کیا جتنا ٹیلہ کی مقدار اناج کے مساکین پر خیرات کردینے پر ملتا۔" خوب سمجھلو کہ نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو شخص کسی سے قرض لے کر اسکے دینے کا قصد نہو تو یہ قرض نہیں بلکہ سرقہ اور چوری ہے۔"

نیت کی ماہیت و حقیقت

نیت کے معنی ارادہ اور قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر کام کیلئے اول علم کیضرورت ہوتی ہے اور علم کے بعد اسکے عمل میں لانیکا قصد و ارادہ ہوتا ہے اور اسکے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اس کام کے کرنیکی قدرت پیدا ہوتی ہے۔ گویا **قدرت** قصد و ارادہ کی خادم ہے۔ اسکی مثال یوں سمجھو کہ تمھارے اندر کھانیکی خواہش رکھی ہوئی ہے مگر وہ ایسی دبی ہوئی ہوئی ہے جیسے کوئی سویا ہوا ہوتا ہے جس وقت تمھاری نظر کھانے پر پڑی اور طعام کا علم ہوا اُس وقت وہ جاگ اٹھی اور اسکے کھانیکا قصد ہوا۔ اسکے بعد اسکی طرف ہاتھ بڑھیگا اور وہ قوت اپنا کام کریگی جو خواہش طعام کے اشارہ کی مطیع بنائی گئی ہے۔ غرض آنکھ کے مشاہدہ سے معرفت و علم حاصل ہوگا اور معرفت کی وجہ سے خواہش بیدار ہوگی اور قصد پیدا ہوگا اور یہ قصد خدا داد قوت کے ذریعہ سے ہاتھ کو حرکت دلائیگا اور کھانا کھلائیگا۔ اسیطرح تمھارے اندر ان لذتوں کی بھی خواہش رکھی ہوئی ہے جو تمکو آخرت میں ملنے والی ہیں اور جنکا علم عقل اور شرع کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اور قدرت چونکہ اس خواہش و میلان کی بھی خادم ہے لہذا وہ اعضا کو حرکت دیگی اور خواہش کو پورا کرائیگی پس یہی عزم و نیت جسنے میلان قوت کو ہاتھ پاؤں ہلانے پر آمادہ کیا ہے **نیت** کہلاتا ہے مثلاً جہاد میں جانیوالا شخص اپنے گھر سے نکلا تو دیکھو کہ اسکو گھر سے باہر نکلنے والا باعث و محرک کیا امر ہے؟ یعنی اگر ثواب آخرت ہے تو بس یہی اسکی نیت ہے اور اگر اسکا محرک مال غنیمت یا شہرت و نیکنامی کا حاصل کرنا ہے تو اسیکو اسکی نیت کہا جائیگا۔

نیت متعدد ہونے سے ایک عمل پر متعدد اعمال کا ثواب ملتا ہے

(**فصل**) جب نیت کی فضیلت اور ضرورت اور تاثیر تمکو معلوم ہوگئی تو اب ایک ایک عمل میں کئی کئی ثواب حق تعالیٰ سے لینے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ ایک عمل میں کئی کئی نیتیں ہوں۔ مثال کیلئے ایک صورت بیان کئے دیتے ہیں مثلاً مسجد میں جانا اور بیٹھنا ایک عبادت ہے مگر اسمیں سات کاموں کی نیت ہوسکتی ہے **اول** یہ سمجھنا کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور یہاں آنیوالا شخص گویا خدا کی زیارت کو آتا ہے۔ پس مسجد میں آتے وقت تم یہی نیت کرو۔ کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ کی زیارت کو آیا۔" اور چونکہ زیارت کو آنیوالے شخص کی عزت ہوا کرتی ہے لہذا حق تعالیٰ اپنے زائر کا جتنا اکرام فرماویگا اسکو تم خود سمجھ سکتے ہو کہ کیا کچھ ہوگا **دوم** مرابطہ یعنی نماز کے انتظار کی نیت کرو کہ حق خداوندی کی محافظت کیلیئے اپنے آپکو محبوس بنائے ہوئے اور گویا وقف کئے ہوئے ہو۔ پس حق تعالیٰ کے حکم وَرَابِطُوا کی تعمیل ہوگی اور اسکا اجر جداگانہ ملیگا۔ **سوم** اعتکاف کی نیت کرو۔ اور اعتکاف کے معنی یہ ہیں کہ آنکھ کان ہاتھ

پاؤن وغیرہ تمام اعضا کو انکی معمولی اور معتاد حرکتون سے روک لیا جائے اور یہ بھی ایک قسم کا روزہ ہے چنانچہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ میری اُمت کی رہبانیت یہی ہے کہ وہ مساجد مین آ بیٹھین **چہارم** خلوت کی نیت کرو کہ مشاغل مرتفع ہونیسے فکر آخرت کی استعداد پیدا اور ذکر الٰہی کے سُننے اور سُنانیکے لئے تجرد و عزلت حاصل ہو۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "جو شخص مسجد کیجانب اسلئے روانہ ہوا کہ اللہ کا ذکر کرے یا سُنے تو وہ اللہ کے راستہ مین جہاد کرنیوالے کی مثل ہے" **پنجم** اسکی نیت کرو کہ جو لوگ بے نمازی ہین انکو تنبّہ ہو گا اور نماز کو بھولے ہوئے لوگ بھی تمھاری دیکھا دیکھی نماز کو اُٹھ کھڑے ہونگے۔ پس تمھارا نماز کو جانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بنجائیگا کہ کار خیر کی دوسرونکو ترغیب دی اور معصیت سے روکا اور اس وجہ سے انکے ثواب مین تم بھی شریک ہوئے **ششم** مسجد مین جانیسے دوسرے مسلمانون سے کچھ نہ کچھ آخروی فائدہ حاصل ہو گا جو تمھارے لئے دار آخرت کا ذخیرہ ہے **ہفتم** خدا کے گھر مین بیٹھو گے تو کچھ حیا و شرم آئیگی اور گناہ کی جرأت کم ہو جائیگی کہ حاکم کی حضوری و یاد داشت اسکی مخالفت سے روکا کرتی ہے لہذا اسکی بھی نیت کرو۔ غرض اسیطرح ہر عمل مین کئی کئی نیتین ہوسکتی ہین جنکی بدولت گنتی کے چند عمل تمھارے حق مین ہزارون نیکیان بنینگے اور حضرات مقربین کے اعمال کیساتھ جا شامل ہونگے۔ اسیطرح یہ بھی یاد رکھو کہ عمل مین معصیت کی نیت کرنیسے ایک گناہ کئی کئی گناہ بنکر شیاطین کے اعمال کے مساوی ہو جاتا ہے۔ مثلاً مسجد مین آکر بیٹھنے سے فضول باتین بنانا مقصود ہون یا مسلمانونکی ہتک و آبرو ریزی اور ہنسی و مذاق اُڑانیکی نیت ہو یا عورتون اور بے ریش لڑکون کا نظارہ مقصود ہو جو نماز کیلئے مسجد مین آتے ہین یا تفاخر اور مناظرہ یا زبان درازی سے اپنے حریف کو ساکت کرکے حاضرین مسجد کے دلون مین اپنی وقعت پیدا کرنا مقصود ہو۔ یا اور کسی بُرے کام کی نیت ہو تو یہی ایک فعل کئی گناہون کا مجموعہ ہو جائیگا لہذا مناسب ہے کہ مباح کام کے اندر بھی اچھی نیت کر لینے سے غفلت نہ کیجائے کہ حدیث مین آیا ہے قیامت کے دن بندے سے اسکے ہر کام کی بازپرس ہو گی۔ حتی کہ آنکھ مین سُرمہ لگانے اور کسیکے کپڑے کو چھونے اور اُنگلیون سے مٹی کریدنے تک کا سوال ہو گا کہ کیون کیا تھا؟ اور مباح کام مین نیت کرنیکی یہ صورت ہے کہ مثلاً جمعہ کے دن خوشبو لگائی تو نیت یا تو یہ ہو گی کہ اپنی ثروت و تونگری ظاہر ہو یا یہ کہ خوشبو سے نفس کو لذت حاصل ہو یا یہ کہ اسطرح بن سنور کر جاؤنگا تو عورتین میری گرویدہ ہونگی۔ اور یہ سب نیتین لغو و معصیت مین اسیطرح ممکن ہے کہ یہ نیت ہو کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانا سُنت کا اتباع یعنی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اقتدا ہے اور حق تعالیٰ کے گھر کی تعظیم ہے اور جمعہ کے دن کا احترام ہے۔ اور مسلمانون کو بدبو کی ایذا سے بچانا اور بوئے خوش سے انکو راحت پہونچانا ہے اور غیبت کا دروازہ کا بند کرنا ہے کہ لوگ بدبو سونگھین گے تو دوسرون سے غیبت کرتے پھرینگے کہ فلان شخص کے کپڑون سے بڑی بدبو آتی تھی۔ انھین دونون فریق کیجانب حدیث مین اشارہ ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ واسطے خوشبو لگائی وہ قیامت کے دن ایسی حالت مین آئیگا کہ مشک سے زیادہ خوشبو اس سے مہکے گی۔ اور جو اللہ کے سوا کسی دوسری غرض سے خوشبو لگائیگا وہ ایسی حالت پر اُٹھیگا کہ مُردار سے زیادہ بدبو پھوٹیگی۔ **رکن دوم اخلاص نیت**۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے لوگون کو اسیکا حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت

ایک معصیت بھی متعدد نیتون سے کئی معصیتین بن جاتی ہے

نیت کا بیان اور اخلاص

کرین مخلص بنکر اور وہی لوگ نجات پانیوالے ہین جنھون نے توبہ کی اور اپنی حالت سنواری اور اللہ کو مضبوط تھاما۔ اور اپنے
دین مین اللہ واسطے خلاص کیا"، رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ جس شخص نے چالیس دن اخلاص کے ساتھ کوئی
نیک عمل کیا تو حق تعالیٰ اسکے قلب سے حکمت کے چشمے زبان پر جاری فرمادیگا"۔ اخلاص کے معنی یہ ہین کہ نیت صرف ایک ہی
شے کی ہو یعنی عمل کا محرک یا صرف ریا ہو اور یا محض رضائے حق۔ ان دونون پر اخلاص کے لغوی معنی صادق آتے ہین
کیونکہ خالص اسی شے کو کہتے ہین جسمین کسی دوسری جنس کی آمیزش نہو۔ مگر اصطلاح شرع مین اخلاص کے یہ معنی ہین کہ محض
حق تعالیٰ کی ذات مقصود ہو۔ کیونکہ ماسوی کیجانب میلان اور قصد کرنے پر شرعاً اخلاص کا اطلاق نہین ہوتا جسطرح الحاد
کے معنی مطلق میلان کے ہین خواہ بھلائی کیجانب ہو یا برائی کیطرف مگر شرعاً صرف باطل کیجانب مائل ہونیکا نام الحاد ہے۔ اسی
طرح عبادت سے مقصود اگر محض عبادت ہے تب تو اخلاص کہلائیگا۔ اور اگر اسمین ریا اور دکھاوے کی آمیزش ہے یا عبادت کے

اخلاص کی ماہیت

ضمن مین دنیا کے کسی فائدہ کا بھی ارادہ شامل ہے تو اسکو خلاص نہین کہینگے۔ مثلاً روزہ رکھنے سے مقصود یہ بھی ہو کہ روزہ رکھنا عبادت
ہے اور یہ بھی مقصود ہو کہ کھانے پینے کا پرہیز کرنیسے بیماری کو بھی نفع ہوگا۔ بس ایک کام مین دو نیتین شامل ہوئین تو اسکو
اخلاص نہ کہینگے۔ یا مثلاً غلام کے آزاد کرنیسے یہ بھی مقصود ہو کہ یہ عبادت ہے۔ اور یہ بھی مقصود ہو کہ اسطرح غلام کے کھانے کپڑے
کے بوجھ سے سبکدوش ہوجائینگے۔ یا مثلاً حج سے یہ بھی مقصود ہو کہ وہ نیک کام ہے اور عنداللہ محبوب ہے۔ اور یہ بھی نیت ہو کہ
حج کرنے سے سفر مین حرکت ہوگی اور حرکت سے مزاج صحت واعتدال پر آجائیگا۔ یا اہل و عیال کے بار سے چندروز کیلئے خلاصی
ملجائیگی یا دشمنونکی ایذاؤن سے کچھ دنونکے لئے نجات حاصل ہوگی۔ یا ایک جگہ رہتے رہتے دل اکتا گیا ہے بس سفر مین دل بہل
جائیگا۔ یا مثلاً وضو کیا مگر اس نیت سے کہ نظافت حاصل ہو اور بدن کا میل کچیل دور ہوجائے۔ یا مثلاً اعتکاف کیا تاکہ
گھر کے کرایہ سے سبکدوشی ہو۔ یا کسی بیمار کی عیادت کی مگر اس نیت سے کہ تمھارے بیمار ہونے پر وہ تمھاری عیادت کو آئے۔ یا
مثلاً فقیر کو اس نیت سے کچھ دیا کہ وہ سر ہورہا اور غل مچارہا تھا بس اسکا شور رفع ہوجائیگا وغیر ذالک۔ یہ سب خیالات خلاص کے
منافی ہین اور انکا رفع ہونا دشوار ہے۔ اسیلئے بعض اہل بصیرت کا قول ہے کہ اگر ایک ساعت بھی خلاص حاصل ہوجاوے تو نجات ملجائے
حضرت سلیمان دارانی رح فرماتے ہین مبارک ہو اسکو جسکا ایک قدم بھی ایسا اٹھا جس سے مقصود خدا ہی کی ذات ہو"۔ حضرت معروف
کرخی رح اپنے نفس کو مارتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اے نفس اخلاص پیدا کر تاکہ خلاصی حاصل ہو" ہان یہ ضرور سمجھ لینا چاہیے کہ ان نیتون
کی آمیزش کئی طرح پر ہوا کرتی ہے یعنی کبھی تو یہ نیتین عبادت کی نیت پر غالب آجاتی ہین اور کبھی مغلوب رہتی ہین اور
کبھی مساوی ہوتی ہین بس اگر مباح کامونکے اندر رضائے حق کا قصد کچھ بھی شامل ہوجائیگا تو اسکا بھی ضرور ثواب ملیگا
مگر عبادت کے اندر اخلاص کا حکم ہے لہذا یہان عبادت کی نیت کیساتھ اگر دوسرے مقصود کی کچھ بھی آمیزش ہوگی تو
اخلاص باطل ہوجائیگا۔ اور اگر وہ آمیزش غالب ہے اور قصد عبادت مغلوب ہے تب تو عبادت بالکل ہی باطل و بیکار ہے
تیسرا رکن صدق ہے اور یہی خلاص کا کمال ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے "ہمارے بندہ وہ ہین جو اپنے عہد مین سچے ثابت ہوئے"۔

اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "انسان سچ بولتا اور اسیکا جویان بنا رہتا ہے یہان تک کہ اللہ کے ہان صدیق لکھا جاتا ہے"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت حق تعالیٰ نے صدیق فرمائی ہے اور صدق کی فضیلت اسی سے ظاہر ہے کہ یہ صدیقین کا درجہ ہے۔ صدق کے چھ درجے ہین اور جو شخص چھیون مین کمال حاصل کرتا ہے وہ صدیق کے خطاب کا سزاوار ہوتا ہے۔ **پہلا** درجہ قولی صدق کا ہے کہ ہر حالت مین سچ بولے اور اسکے کمال دو ہین:۔

اول تعریض سے بھی پرہیز کرے کیونکہ تعریض اگرچہ سچ ہی مین داخل ہے مگر پھر بھی سننے والا اس سے خلاف واقعہ مضمون سمجھتا ہے لہذا اس سے بھی احتراز کرے۔ چونکہ جھوٹ بولنے کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ اسکی وجہ سے قلب کی صورت مین کجی آجاتی ہے اور وہ حق کی تجلی کے قابل نہین رہتا۔ چنانچہ ایسے شخص کو خواب بھی سچا نظر نہین آتا۔ اور تعریض کا اگرچہ یہ ثمرہ نہین تاہم اسکی صورت چونکہ جھوٹ کے مشابہ ہے لہذا اندیشہ ضرور ہے پس صدیق کی شان کے مناسب یہی ہے کہ بلا ضرورت خاص دوسرے کو تعریض کے ذریعہ سے بھی واقعہ کے خلاف کا دھوکہ نہ دے۔ **دوسرا** کمال یہ ہے کہ ان اقوال مین بھی صدق کا لحاظ رکھے جو حق تعالیٰ کے سامنے عرض کرتا ہے مثلاً نماز مین زبان سے کہتا ہے اِنِّی وَجَّھْتُ الخ مین نے اپنے آپکو اللہ کیطرف متوجہ کرتا ہون"۔ پس اگر اسکے دل مین بھی ماسوے اللہ کا خیال نہین ہے تب تو اپنے قول مین سچا ہے ورنہ جھوٹا یا مثلاً کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ تیری ہی عبادت کرتا ہون اور تجھی سے مدد چاہتا ہون"۔ پس اگر دل کے اندر زر کی طلب ور مال کی محبت موجود ہے تو یہ بھی کذب ہے کیونکہ اظہار تو خدا کے معبود اور اپنے بندہ ہونیکا کر رہا ہے اور دل بندۂ زر اور بندۂ دنیا بنا ہوا ہے۔ **دوسرا** درجہ نیت مین صدق کا ہے یعنی ایسا اخلاص جسمین عبادت اور فعل خیر کے قصد کے سوا کسی دوسرے قصد کی مطلق آمیزش نہو۔ **تیسرا** درجہ عزم مین صدق کا ہے کہ انسان اکثر عزم کرتا ہے کہ اگر مجھے مال ملا تو اتنی خیرات کرونگا۔ یا مثلاً خیال ہوتا ہے کہ حکومت ہاتھ آئی تو عدل کرونگا پس اسکا نام عزم ہے مگر بعض لوگون کے عزم مین پختگی ہوتی ہے اور کہین تردد و تذبذب اسیطرح صدیقین کے عزم بھی متفاوت ہوتے ہین جنمین اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اگرچہ جان جاتی رہے مگر عزم مین ضعف یا تذبذب نہ آنے پائے جیسے حضرت فاروق فرماتے ہین کہ "اگر میری گردن اڑا دیجائے تو یہ مجکو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اس گروہ پر حاکم بنون جسمین ابوبکر موجود ہون"۔ پس عزم کے قوی اور مضبوط ہونے ہی کا نام عزم کا سچا ہونا ہے **چوتھا** درجہ عزم کے پورا کرنے مین سچائی ہے کیونکہ اکثر انسان کا عزم تو پختہ ہوتا ہے مگر پورا کرتے وقت کاہل اور سست بنجاتا ہے مثلاً مال ہاتھ آیا تو صدقہ کرنیکی ہمت نہوئی اور حکومت ملی تو عدل و انصاف نہوسکا حالانکہ امتحان کا یہی وقت ہے کیونکہ دل مین عزم کر لینا تو کچھ دشوار نہ تھا تکلیف اٹھانیکا موقع تو ہر عزم کے پورا کرتے وقت ہی پیش آیا ہے۔ اور اسی لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے "بعض شخص ایسے بھی ہین جو اللہ سے عہد کرچکے تھے کہ اگر ہمکو مال عطا ہوا تو ضرور خیرات کرینگے مگر جب اللہ پاک نے اپنے فضل سے انکو مال مرحمت فرما دیا تو بخل کرنے لگے اور منہ پھیرنے لگے۔ انجام یہ ہوا کہ اللہ نے انکے قلوب مین نفاق پیدا کردیا۔ **پانچوان** درجہ یہ ہے کہ ظاہر و باطن

یکسان ہو۔ یعنی ظاہری حالت بھی وہی ہو جو واقع میں باطن کی حالت ہو مثلاً اگر نرم چال سے چلے اور ظاہر کرے کہ طبیعت میں وقار ہے مگر حقیقت میں قلب کے اندر وقار نہو۔ بلکہ محض لوگونکے دکھانے کو ایسا کرے تو اسکا نام ریا ہی۔ اور اگر مخلوق کے دکھاوے کا بھی خیال نہو بلکہ محض غفلت و بے توجہی ہو تو اسکا نام اگرچہ ریا نہین مگر صدق بھی نہین ہے۔ بلکہ حالت کا دروغ اور جھوٹ ہے۔ اسی لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے کہ "بار الہا میرا باطن میرے ظاہر سے بہتر بنا دے اور ظاہری حالت کو بھی صالح بنا" **چھٹا درجہ** دین کے مقامات اور مدارج مین سچائی کا ہے یعنی خوف و رجا اور محبت و رضا اور توکل و زہد وغیرہ کا وہ انتہائی مرتبہ حاصل کرے جو سم بامسمے بنا دے۔ کیونکہ ابتدائی درجہ مین ان صفات کا صرف نام ہی نام ہوا کرتا ہے۔ البتہ انتہائی درجہ مین پہونچکر سچا خوف اور سچی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "مومن وہی ہین جو اللہ و رسول پر ایمان لائے پھر نہ کچھ شبہ کیا اور نہ اللہ کے راستہ مین اپنے جان و مال سے دریغ کیا۔ یہی لوگ سچے ہین" غرض صدق کے ان چھے درجون مین کامل ہو جانیسے صدیق کا لقب عطا ہوتا ہے۔ اور جسکو انمین سے کوئی درجہ حاصل ہے اور کوئی حاصل نہین تو اسکو اسی مقدار کے موافق صدق کا مرتبہ حاصل ہوگا اور چونکہ صدق ہی کا درجہ یہ بھی ہے کہ قلب اللہ کو رزاق سمجھکر اسپر بھروسہ رکھے اور توکل کرے لہذا توکل کا بیان بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

صدق حال

مقامات میں صدق

ساتوین اصل توکل کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے "اللہ ہی پر مسلمانون کو بھروسہ رکھنا چاہیے" "لوگو اگر تم ایماندار ہو تو خدا پر توکل کرو" "اللہ توکل کرنے والونکو محبوب سمجھتا ہے" "اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اسکی تمام ضرورتونکو کافی ہے" "اللہ کے سوا جنکی تم عبادت کرتے ہو وہ تمکو رزق نہین دے سکتے پس رزق اللہ ہی کے پاس سے طلب کرو" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "اگر تم خدا پر پورا توکل کروگے تو حق تعالیٰ تمکو اسطرح رزق دیگا جسطرح پرند کو دیتا ہی یعنی بلا تعب و مشقت کہ صبح کو بھوکا اٹھتا ہی اور شام کو پیٹ بھرا واپس ہوتا ہے" "یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کا ہو رہا ہے حقیقتاً اسکو ایسی جگہ سے رزق پہونچاتا ہی جہان اسکا گمان بھی نہین جاتا۔" **توکل** کے معنی اس حالت کے ہین جو حق تعالیٰ کو یکتا فاعل مختار اور تمام صفات کمالیہ مین مستقل و لاشریک سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اور اسکے بعد یہ حالت ایسے کام کراتی ہے جنسے توکل و اعتماد ظاہر ہوا کرتا ہے۔ لہذا توکل کے تین رکن ہوئے **اول** معرفت **دوم** حالت **سوم** اعمال۔ اب ہم تینون کا جدا جدا ذکر کرتے ہین۔ **رکن اول** معرفت ہے۔ یعنی توحید حق۔ جسکا اقرار کلمۂ توحید سے ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہین وہ یکتا ہے اسکا کوئی شریک نہین تمام سلطنت کا مالک ہے اور تمام اسکی حمد و ثنا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ انمین اس مضمون کا اقرار ہے کہ حق تعالیٰ قدرت اور جود اور حکمت مین وہ کمال رکھتا ہی جسکی وجہ سے حمد کا مستحق ہے پس جسنے صدق و اخلاص کے ساتھ اسکا اقرار کر لیا اسکے قلب مین اصل ایمان راسخ ہو گیا۔ اور اب توکل کی حالت ضرور پیدا ہوگی بشرطیکہ صدق دل سے اقرار کیا ہو۔ اور صدق دل کے یہ معنی ہین کہ اس اقرار کے معنی قلب پر ایسے غالب آ جائین کہ دوسرے مضمون کی اسمین گنجایش نہ رہے **دوسرا رکن** حال توکل ہے اور اسکے یہ معنی ہین کہ اپنے کام خدا کے حوالہ کر دو اور قلب کو مطمئن رکھو کہ غیر اللہ کیطرف التفات

توکل کا بیان اور ارکان

رکن اول معرفت یعنی توحید

بھی نکرو۔ یعنی ایسے ہوجاؤ جیسے کسی ہوشیار اور شفیق وغمخوار وکیل عدالت کو اپنے مقدمہ مین وکیل بناکر مطمئن اور بیفکر ہوجایا کرتے ہو کہ پھر کسی دوسرے کیجانب تمھارا دل ڈانوان ڈول نہین ہوتا کیونکہ سمجھتے ہو کہ تمھارا وکیل ہرطرح عقلمند اور تمھارا خیرخواہ ہے اور تمھارے حریف کو کبھی تمپر غلبہ نہ پانے دیگا اور مخالف سے اسکے سامنے بات ہی نہ کیجائیگی۔ اسیطرح جب جانتے ہو کہ رزق اور موت وحیات اور مخلوق کے چھوٹے بڑے سارے کام خدا ہی کے قبضہ مین ہین اور کوئی اسکا شریک نہین نہ اسکی جود وسخا اور حکمت ورحمت کی انتہا ہے۔ پھر وجہ کیا کہ اپنے قلب کو مطمئن نہ بناؤ اور غیر سے نظر نہ اٹھاؤ پس اگر اتنا جانکر بھی توکل نہو تو سمجھلو کہ اسکا سبب دو باتون مین سے ایک بات ضرور ہے یعنی **یا تو** نورالیقین ہی حاصل نہین اور نعوذ باللہ حقتعالی کے رزاق اور قادر وسمیع وبصیر ہونیمین کچھ شک ہے۔ اور یا یہ یقین تو ہے مگر قلب پر اس علم ویقین کا اثر نہین ہوا بلکہ ایسی حالت ہے جیسے موت کے تیقن کی ہوا کرتی ہے کہ باوجودیکہ اسکا یقین حاصل اور اسکا علم ہے کہ ضرور ایک دن ہمین مرنا اور دنیا کو چھوڑنا ہے مگر پھر بھی ایسے نڈر ہین کہ اسکا فکر کچھ نہین کرتے یسبب اسکا صرف یہی ہے کہ قلب پر اس یقین کا پورا اثر نہین ہے **یا دوسرا سبب** یہ ہے کہ تمھارا قلب پیدائشی طور پر ضعیف وکمزور واقع ہوا ہے اور خلقۃً تم بزدل ہو کہ ضعف قلب کی وجہ سے تمھارا دل ایسے اوہام کا محکوم ومطیع ہوگیا ہے جو یقیناً باطل اور محض لاشے ہین جسطرح مردہ کے پاس اسکے بستر پر لیٹ کر سوتے اکثر ڈر معلوم ہوا کرتا ہے حالانکہ معلوم ہے کہ یہ مردہ ہے اور کچھ نہین کرسکتا۔ مگر پھر بھی اسکے پاس لیٹ کر نیند نہین آتی اور ڈر معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ واہیات توہمات ہی کی تو اطاعت ہے جسنے ضعیف قلب کو یقین پر عمل نکرنے دیا۔ مثلاً بعض آدمیونکو شہد کے کھانیسے نفرت ہونے لگتی ہے صرف اس واہمہ سے کہ اسکا رنگ گوبر کے رنگ کے مشابہ ہے۔ حالانکہ اسکا یقین ہوتا ہے کہ یہ شہد ہی ہے نہ گوبر۔ اور محض رنگ کی مشابہت کوئی چیز نہین ہے۔ مگر پھر بھی اسکو کھا نہین سکتا۔ اور یہ وہم ہی کا اثر ہے جس سے انسان کا بچنا دشوار ہے۔ اسیطرح ممکن ہے کہ توحید کا یقین کامل ہو اور نام کو بھی شبہ یا شک نہو۔ بااین ہمہ اسباب کے اختیار کرنے مین نفس مجبور ہوجائے اور اعتماد کامل جسکا نام توکل ہے حاصل نہوسکے **تیسرا رکن اعمال** ہین۔ جاہلون کا خیال ہے کہ توکل تو محنت مزدوری اور کسب کے چھوڑدینے کا نام ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیکار بنکر بیٹھ جائے۔ اگر بیمار ہو تو دوا علاج نکرے۔ بے سوچے سمجھے اپنے آپکو خطرات اور ہلاکت مین ڈالدیا کرے کہ کہین آگ مین گھس جائے اور کہین شیر کے منہ مین ہاتھ دیدے تب متوکل کہلائے۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے اور شریعت ہی توکل کی خوبیان بیان کررہی ہے پھر بھلا جس بات کو شریعت خود حرام بنائے اسکی رغبت وحرص دلائے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی سعی اور کوشش اکثر چار وجہ سے ہوا کرتی ہے یعنی یا تو کسی ایسی نافع چیز کے حاصل کرنے مین سعی ہوتی ہے جو حاصل نہین ہے اور یا موجودہ نفع کی حفاظت مین ہوتی ہے۔ اور یا کسی آنیوالے ضرر کے روکنے مین اور یا موجودہ نقصان کے دور کرنے مین **پہلی** صورت جلبِ منفعت کہلاتی ہے اور اسکے تین سبب ہین یا تو سبب اختیار کرنے پر نفع کا حصول یقینی ہو یا اسکا غالب گمان ہو اور یا محض موہوم ہو۔ **یقینی** کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص بھوکا ہو اور کھانا بھی اسکے سامنے رکھا ہو مگر وہ

توکل کا دوسرا رکن یعنی حال

یقین پر توکل واعتماد نہ ہونیکے دو سبب

توکل کا تیسرا رکن یعنی عمل

ہاتھ نہ بڑھائے اور نوالہ بنا کر منہ تک نہ لیجائے اور کہے کہ میں تو متوکل ہوں یا مثلاً بیٹے کا طالب ہو مگر بیوی سے جماع نہ کرے یا مثلاً غلہ کا خواہاں ہو مگر بیج کھیت میں نہ ڈالے سو ایسا خیال محض جہالت اور لغو ہے کیونکہ ان اسباب پر مسبب کا تفرع یقینی ہے جسکو حق تعالیٰ نے قاعدہ کے طور پر تجویز فرما دیا ہے اور اسمیں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پس اسباب کا اختیار کرنا شرعاً ضروری ہے۔ البتہ ان اسباب میں توکل کرنیکی دو صورتیں ہیں اوّل اسکا خیال رکھے کہ طعام اور ہاتھ خدا کے دیئے ہوئے اور کھانیکی قدرت بھی اسیکی عطا کی ہوئی ہے اسیطرح بیج اور کھیتی کرنیکی استعداد اسی نے عطا فرمائی ہے اسیطرح بیوی اور نطفہ اور جماع کی طاقت سب اسکی قدرت کا کرشمہ ہے **دوم** یہ کہ ان اسباب پر بھی دل سے بھروسہ نہ ہو بلکہ دل سے خالق ہی پر بھروسہ رہے۔ کیونکہ دل سے اسباب پر بھروسہ کرنا سراسر غلط ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ ابھی ہاتھ پر اگر فالج کا اثر ہو جائے یا مثلاً کھانا زمین ہی پر گر جائے یا بیج کو کیڑا لگ جائے یا اولہ گر پڑے یا گرمی کھا جائے تو مقصود کی صورت بھی نظر نہ آئے **الغرض** ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھکر سعی اور کوشش کرنے میں نہ کچھ مضائقہ ہے اور نہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے۔ **دوسری** حالت مسبب کے سبب پر مرتب ہونیکے متعلق غالب گمان کی ہے مثلاً جنگل کا سفر کرتے وقت توشہ ساتھ رکھنا۔ کہ اگر توشہ نہ لیا جائے تو مرجانا یقینی تو نہیں مگر غالب گمان یہی ہے کہ زادِ راہ کے بغیر جنگلوں کا سفر سبب ہلاکت ہے۔ سو ایسے سبب کا اختیار کرنا بھی خلافِ توکل نہیں بلکہ سلف کا طریقہ اور صلحاء کا معمول رہا ہے۔ البتہ اعتماد اللہ ہی کے فضل پر ہونا چاہیئے کہ اگر زادِ راہ کو چوری اور ڈاکہ سے محفوظ اور گلنے سڑنے سے بچائے رکھیگا اور زندگی قائم رکھکر اسکے کھانیکی قوت کو بحال رکھیگا تو یہ کھانا استعمال میں آئیگا اور سببِ قوت وحیات بنیگا ورنہ کچھ بھی نہیں۔ **تیسری حالت** موہوم کی ہے مثلاً زیادہ معاش کے حاصل کرنے میں حد سے زیادہ سعی اور دوڑ دھوپ کرنا کہ سعی زیادہ کرینگے تو مال زیادہ ملیگا۔ یہ حالت حرص و طمع مال کہلاتی ہے اور اسکی بدولت بسا اوقات مشتبہ مال کے حاصل کرنیکی نوبت آجاتی ہے نیز یہ صورت توکل کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اہلِ توکل کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں انمیں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ وہ شہر و زمین بستے نہیں یا کسب و حرفت نہیں کرتے۔ بلکہ یوں فرمایا ہے کہ توکل والے وہ ہیں جو منتر جنتر نہیں پڑھتے اور جانوروں کو داغتے نہیں" اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے جنپر مسبب کا مرتب ہونا محض موہوم ہو جیسے منتر پڑھنے اور داغنے سے مرض کا جاتا رہنا کہ موہوم بات ہے۔ اور جن اسباب سے مسبب کا حاصل ہونا موہوم نہو بلکہ غالب یا یقینی ہو جیسے سفر میں توشہ رکھنا یا پیٹ بھرنے کیلئے کھانیکی طرف ہاتھ بڑھانا اور چبانا وغیرہ تو یہ توکل کے خلاف نہیں۔ **دوسری** صورت یعنی آئندہ کے نفع کی سعی اور کوشش کرنا ہے جسکو تدبیر کہتے ہیں اور منجملہ تدبیر اسباب ہی کے اناج بھر لینا یا آئندہ کیلئے کچھ ذخیرہ جمع کر رکھنا بھی ہے۔ لیکن اگر متوکل کو مال عطا ہو اور وہ سال بھر اس سے زیادہ کیلئے غلہ وغیرہ کا ذخیرہ جمع کرے تو توکل جاتا رہیگا اور اگر ایکدن کی خوراک رکھکر باقی سب بانٹ دے تو توکل میں کامل سمجھا جائیگا اور اگر چالیس دن کا انتظام کرلے تو اسمیں اختلاف ہے کہ شیخ سہیل تستری فرماتے ہیں توکل کے خلاف ہے اور بعض نے خلافِ توکل نہیں سمجھا۔ البتہ اگر یہ شخص عیالدار ہو تو جن متعلقین کا نان و نفقہ اسکے ذمہ ضروری ہے انکے لئے سال بھر کا ذخیرہ جمع

متیقن الحکم اسباب میں اسباب کو عطاء خدا سمجھنا اور ذاتی تاثیر کا اعتماد نہ کرنا ضروری ہے

غالب الحکم اسباب کا اختیار کرنا بھی خلافِ توکل نہیں

موہوم نتیجہ والے اسباب کی ہوس طمع کہلاتی ہے

کر دینا کسی کے نزدیک بھی خلاف توکل نہیں کہ ایسا رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے اور ازواج مطہرات کو سال بھر کا نفقہ مرحمت فرما دیا ہے۔ ہاں اپنے نفس کیلئے آپ نے ہمیشہ یہ حالت رکھی کہ صبح کو ملگیا تو شام کیلئے جمع کر کے نہ رکھا اور شام کو ملا تو صبح کیلئے کچھ نہ رکھا اور سال بھر سے زیادہ کا انتظام کرنا تو بی بی بچوں کے لئے بھی خلاف توکل ہے کیونکہ اوّل تو دوسرے وقت کا انتظام طول امل ہے۔ کہ زندگی کا بھروسہ گھنٹہ بھر کا بھی نہیں پھر دوسری بھوک کے لئے جمع کرنا کیسا؟ اور یہی وجہ ہے کہ جتنا کسیکو اس طول امل سے بُعد ہو گا اسیقدر اسکا درجہ بڑھا ہوا ہو گا مگر چونکہ حق تعالیٰ کی عادت جاریہ یون ہے کہ ہر سال اپنی مخلوق کیلئے نیا رزق اور نیا دانہ مرحمت فرماتا ہی لہذا ایک عطا سے لیکر دوسری عطا کیوقت تک کیلئے ذخیرہ فراہم رکھنے کی بضرورت عیالداری گنجائش نکل آئی کہ ضعیف لوگون کا ساتھ ہے کہین پریشانی لاحق نہو باقی سال بھر سے زیادہ کیلئے جمع کرنا تو نہایت ہی درجہ ضعف ایمان کی علامت ہے۔ البتہ اثاث البیت یعنی برتن آبخورہ لوٹا وغیرہ چونکہ ہر سال نیا پیدا نہین ہوتا اور اسکی ضرورت ہر وقت رہتی ہی لہذا اسکے سال بھر سے زیادہ کیلئے ذخیرہ جمع کر لینے مین کچھ حرج نہین مگر کپڑے کا آیندہ سال کیلئے رکھ چھوڑنا بیشک توکل کے خلاف ہے کہ اسکی ضرورت ہر وقت نہین چنانچہ جاڑے کا کپڑا گرمی مین کام نہین دیتا اور گرمی کا کپڑا جاڑے مین بیکار ہے۔ اور اسی بنا پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درویش کی بابت فرمایا وہ قیامت کیدن ایسا اُٹھیگا کہ اسکا چہرہ چودھوین رات کے چاند کیطرح چمکتا ہو گا۔ لیکن اسکی عادت تھی کہ جب جاڑا آتا تھا تو گرمی کے کپڑے آیندہ سال یعنی دوسری گرمی کیلئے رکھ چھوڑا کرتا تھا پس اگر یہ عادت نہوتی تو اسکا چہرہ چمکتے ہوئے آفتاب کیطرح دمکتا۔" **تیسری** صورت یعنی موجودہ تکلیف یا آنیوالے نقصان کے دفع کرنیکی کوشش کرنا ہے مثلاً درندہ کو دیکھکر بھاگ جانا یا جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے ہٹ جانا تا کہ گر نہ جائے یا مرض کا علاج کرنا کہ جاتا رہے اور صحت حاصل ہو جائے سو اسکے بھی مختلف مراتب ہین جنکو مذکورہ بالا مضمون پر قیاس کر کے تم خود سمجھ سکتے ہو کیونکہ اسباب پر سبب کا حصول یا تو یقینی ہو گا یا بظن غالب یا موہوم اور ہر ایک کا مفصل حال تمکو معلوم ہو چکا پس ہر صورت کا حکم اس سے معلوم کر لو۔

(فصل) جن لوگونکی نظر وسیع اور قلب مضبوط و مستحکم اور یقین بڑھا ہوا اور اذعان قوی ہوا نکو یہی زیبا ہی کہ وہ اگلے دن کا بھی ذخیرہ جمع نکرین البتہ ضعیف القلب کو زیبا نہین کہ انکی حرص کرے بلکہ اگر ایسی حالت ہو کہ ذخیرہ فراہم نکرنیسے قلب کی پریشانی کا اندیشہ ہے تو ایسے شخص کیلئے اس توکل کا ترک کرنا اور ذخیرہ مہیا کرنا ضروری ہی تا کہ قلب کو فراغ و سکون حاصل ہو اور عبادت صحیح ہو سکے۔ کیونکہ طبیعت کے فکر و انتشار مین جس نقصان کا اندیشہ ہے اسکی اصلاح سب سے مقدم ہے۔ ہان جن لوگون کو قوت ایمان اور قلبی اطمینان حاصل ہے انکو تو زاد راہ لئے بغیر سفر کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سات روز تک بھوک پر صبر اور گھاس پات پر قناعت کر سکین کیونکہ گھاس پات تو جنگل مین بھی ملنا غالب ہے۔ لیکن ضعیف الایمان شخص اگر ایسا کریگا تو گنہگار ہو گا۔ کیونکہ وہ جس صورت کو اپنے خیال مین ہلاکت سمجھتا ہے اسی مین اپنے آپکو ڈال رہا ہی اور جان بوجھکر اپنے آپکو ہلاکت مین ڈالنا حرام ہے۔ اسیطرح قوی الایمان شخص کو بھی پہاڑ کی کھو مین جا بیٹھنا کہ وہان نہ گھاس پات ہو

سال بھر سے زیادہ معاش کا انتظام اہل و عیال کا بھی خلاف توکل ہے

کیونکہ ایسی جگہہ رزق پہونچانا گو قدرت خدا مین داخل ہے مگر اسکی عادت کے خلاف ہے اسلئے اگر کسی شخص کو ایسی جگہہ رزق ملا ہے تو وہ اسکی کرامت کہلائی ہے۔ اور چونکہ بندہ کو زیبا نہین کہ آقا کو عادت کے خلاف کرنے پر مجبور کرے لہذا یہ صورت قوی الایمان کے لئے بھی جائز نہین ہے۔ ہان جنگل مین توشہ لئے بغیر سفر کرنا اس وجہ سے جائز تھا کہ خدا کی عادت ہے کہ جنگل گھاس سے خالی نہو نیز آدمیون کا بھی وہان اکثر گذر ہوتا ہے۔ تو جب قوت ایمان حاصل ہی تو ایسی صورت مین ہلاکت غالب نہین لہذا معصیت بھی نہین۔ مگر ویران اور سوکھے پہاڑ کی کھو مین بیٹھنا تو عادت اللہ کے توڑنیکی خواہش کرنا ہے جو کہ جائز نہین ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر معاش کے جلی و واضح اسباب کیطرف سے توجہ ہٹا کر جنگل کی گھاس پر قناعت کرے اور اللہ کے لطف و حکمت پر بھروسہ رکھے تو اسکے واسطے ہے

آٹھوین اصل محبت کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے "اللہ نیک بندون سے محبت کرتا ہے اور نیک بندے اللہ سے محبت رکھتے ہین" اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین "جبتک تمھارے نزدیک اللہ اور اُسکا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب نہوگا اُسوقت تک تمھارا ایمان کامل نہوگا"۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہین "کہ جس شخص کو اللہ کی محبت کا مزہ آجاتا ہے اسکو دنیا کی طلب بالکل نہین رہتی اور وہ آدمیون سے وحشت کھانے لگتا ہے"۔ اہل کلام و فلسفی چونکہ اللہ کی محبت کے معنی نہین سمجھے اسلئے وہ اسکے منکر ہوکر کہنے لگے کہ حق ذات کا کوئی مثل نہین اسکو ہماری طبیعت کے ساتھ مناسبت پیدا نہین ہوسکتی اور نہ ہماری عقل اسکا پورا ادراک کرسکتی ہی لہذا اسکے ساتھ محبت کے معنی بجز اسکے کچھ نہین کہ اسکے احکام کی تعمیل اور ارشاد کی طاعت کیجائے۔ یہ بیچارے چونکہ حقیقت سے جاہل ہین اسلئے انکا خیال ہے کہ محبت اپنے ہم جنس ہی کیساتھ ہوسکتی ہے۔ انکی فہم حقیقت الامر کو معلوم نہ کرسکی لہذا ہم اسجگہ مختصر طور پر محبت کی حقیقت بیان کرتے ہین تاکہ اصل بات معلوم ہوسکے۔

جاننا چاہئے کہ ہر لذیذ چیز انسان کو محبوب ہے۔ اور محبوب ہونیکے یہ معنی ہین کہ طبیعت اسکی طرف کھنچتی اور نفس اسکی جانب مائل ہوتا ہے یہی میلان طبیعت بڑھجاتا ہے تو عشق کہلانے لگتا ہے۔ اسیطرح کسی چیز کے ناپسند اور مبغوض ہونیکے یہ معنی ہین کہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور دل تکلیف پاتا ہے پس جب یہ سمجھہ مین آگیا تو اب غور کرو کہ جتنی چیزین تم اپنے حواس کے ذریعہ سے ادراک کرسکتے ہو یا وہ تمھاری طبیعت کے موافق ہونگی یا مخالف اور یا ایسی ہونگی کہ نہ موافق ہین نہ مخالف پس جو چیزین طبیعت کیموافق ہین وہ محبوب و لذیذ ہین اور جو طبیعت کے مخالف ہین وہ مبغوض و ناگوار اور جو چیزین نہ طبیعت کے موافق ہین نہ مخالف انہین نہ لذت آتی ہے اور نہ ان سے نفرت ہوتی ہے بلکہ مساوی حالت رہتی ہے۔ اور لذت ہمیشہ ادراک کے بعد حاصل ہوا کرتی ہے مگر ادراک دو قسم کے ہین ایک ادراک ظاہری۔ اور ایک ادراک باطنی۔ ظاہری ادراک حواس خمسہ کے ذریعہ سے ہوا کرتا ہے مثلاً آنکھ کو کسی حسین اور خوبصورت کے دیکھنے سے لذت آتی ہے اور کان کو موزون اشعار اور خوش الحان کے گانے اور سُریلی آواز کے سُننے مین مزہ آتا ہے اور زبان و ناک کو جنمین چکھنے اور سونگھنے کا حس رکھا ہوا ہے مزہ دار کھانون اور خوشبودار پھولون مین لذت آتی ہے اور تمام بدن کی قوت لامسہ کو نرم و ملائم اور نازک چیز کے چھونے مین مزہ آتا ہے۔ انہین چیزونکو نفس کا محبوب کہا جاتا ہے کہ نفس

اللہ پر توکل کا طالب قوی الایمان کو جنگل جانا جائز ہے

عشق اور محبت کی حقیقت اور اسکا مفہوم

بالطبع انکی جانب مائل ہوتا ہے۔ اسیطرح انسان کو ایک چھٹا حاسہ اور بھی مرحمت ہوا ہے جو ادراک باطنی کہلاتا ہے اور اسکی جگہ انسان کا قلب ہے۔ اس چھٹے حاسہ کو کبھی عقل کہدیتے ہین اور کبھی نور اور کبھی چھٹا حاسہ۔ غرض نام جو کچھ بھی ہو مقصود یہ ہے کہ باطنی ادراک بھی حواس ظاہری کیطرح اپنے موافق اور مناسب چیز سے لذت حاصل کیا کرتا ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "تمہاری دنیا میں سے تین چیزین میری محبوب بنائی گئی ہین یعنی خوشبو اور عورتین اور میرے آنکھونکی ٹھنڈک نماز میں ہے۔" ظاہر ہے کہ خوشبو سے قوت شامہ کو مزہ آیا اور خوبصورت عورت سے قوت باصرہ اور قوت لامسہ کو لذت حاصل ہوئی مگر نماز کی لذت حواس خمسہ ظاہریہ مین سے کسی حاسہ کو بھی نہین آتی بلکہ اسکی لذت صرف اسی چھٹے حاسہ کو آتی ہی جو باطنی ہی اور جسکا مقام قلب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جسکا قلب بیکار ہے وہ نماز مین کبھی لذت نہین پا سکتا اور اس لذت کا ادراک سلیم القلب ہی کو ہو سکتا ہے۔ اور انسان کا امتیاز و شرف اسی چھٹے حاسہ کی وجہ سے ہے ورنہ حواس ظاہری مین تو تمام حیوان مشترک ہین کہ جانورون کو بھی اچھی صورت اور عمدہ آواز اور ذائقہ دار کھانے اور خوشبو سونگھنے اور نازک چیز کے چھونیکی رغبت ہوتی ہے البتہ انسان جسطرح ظاہری آنکھونکی بصارت سے حسین عورتونکی لذت حاصل کرتا ہی اسیطرح قلب کی آنکھونکی بصیرت سے باطنی خوب سیرتون کا مزہ اٹھاتا ہے بشرطیکہ قلب کی آنکھون مین بینائی بھی ہو مگر شاید تم باطنی خوب سیرتی اور اسکی لذت کو نہ سمجھ سکو کہ کیا چیز ہے لہذا مین تمسے کہتا ہون کہ تم اپنے نفس کو ٹٹولو اور دیکھو کہ اسمین انبیاء و اولیاء اور صحابہ و علماکی محبت ہے یا نہین؟ نیز ایک بادشاہ تو منصف و بہادر اور سخی و عاقل اور اپنی رعیت پر مہربان ہو اور دوسرا ظالم و بزدل و بخیل و ناسمجھ اور اپنی رعیت کیساتھ سخت دل اور کڑوے مزاج کا ہو تو ان دونون مین تمھارا قلب کچھ امتیاز اور فرق کرتا ہی یا نہین اگر کرتا ہے تو مین پوچھتا ہون اسکی وجہ کیا ہے کہ ایک کیجانب تمھارا دل کھنچتا ہی اور دوسرے کی طرف نہین کھنچتا بلکہ نفرت کرتا ہے؟ اگر غور کروگے تو سمجھ مین آجائیگا کہ یہ وہی باطنی ادراک ہے جو باطنی خوب سیرتی مین لذت پا رہا ہی۔ اسیطرح جسوقت مثلاً شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت و بہادری یا ظل اللہ حضرت فاروق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیاست و عملداری یا خلیفۃ الحق حضرت صدیق عتیق رضی اللہ عنہ کی سچائی و جان نثاری کے قصے سنتے ہو تو ایک امنگ و مسرت اور ان حضرات کیطرف ایک قسم کا میلان پیدا ہوتا ہی جسکا انکار نہین ہو سکتا۔ اس سے زیادہ صاف بات سمجھنا چاہو تو غور کرو کہ لوگونکو اپنے مقتدائے مذہب اور صاحب شریعت امام کیساتھ اتنا تعلق ہو جاتا ہے کہ جان اور مال کے خرچ کرنے مین بھی انکو مطلق دریغ نہین ہوتا حالانکہ انکی آنکھون نے کبھی انکی صورت بھی نہین دیکھی۔ اور اگر دیکھتے بھی تو شاید اتنی محبت نہوتی۔ کیونکہ آنکھ کی لذت دوسری قسم کی ہی کہ اس لذت مین اور اس لذت مین بہت فرق ہے۔ اور اگر محبت ہوتی بھی تب بھی یہ محبت جو ان صفات حمیدہ کے ذریعہ سے ہوئی ہے محل گفتگو ہوتی کہ بتاؤ یہ لذت کس حاسہ سے ادراک کی گئی؟ ظاہر ہے کہ یہ وہی چھٹا حاسہ ہے جسکی جگہ دلمین ہے کیونکہ دل ہی تو ہے جسنے ان پیشواؤن مین وہ باتین پائین جنسے دل کو لذت حاصل ہوئی اسکے بعد اگر غور و فکر کروگے تو حسن و صفات کی وجہ سے محبت پیدا ہوتی ہی وہ تین نکلینگے یعنی علم اور قدرت اور تقدس کیونکہ مقتدیان

انسان کا امتیاز باطنی حاسہ سے ہے جسکا محل قلب ہے

دین کو اللہ اور اسکے رسول اور فرشتون اور آسمانی کتابون کا علم حاصل ہے اور وہ اللہ کے پیغمبرونکی شریعت کے دقائق و حقائق سے واقف ہین۔ دوم انہون نے خدا کی دی ہوئی قدرت سے کام لیا کہ اپنے نفس کو مغلوب بنایا۔ نفسانی شہوتون کو مٹایا اور حق کی سیدھی راہ پر جمے رہے۔ اور نیز طاقت کو کام مین لا کر خدا کی مخلوق پر قبضہ کیا۔ سیاست وملکی انتظام سے ہزارہا میل کی آبادی کو زیر فرمان بنایا اور رخدا کے بر حق دین کی تلقین کر کے لوگونکو سیدھا راستہ تبلایا۔ نیز عیوب باطنی سے پاک صاف نظر آئے کہ جہالت بخل حسد و کینہ اور بغض و عداوت غرض تمام بدخلقیون سے بے عیب اور تمام عمدہ عادتون اور اخلاق حسنہ سے متصف پائے گئے۔ یہی باطنی اوصاف ہین جنکی وجہ سے انمین وہ حُسن پیدا ہوا جسکو حیوانات نہین سمجھ سکتے۔ یہ انسان ہی کی خصوصیت ہے کہ قلب کے چھٹے حاسہ سے اس باطنی حُسن کا ادراک کرتا اور اسمین لذت پاتا ہے۔ غرض تمکو جب ان اوصاف کی وجہ سے پیشوایانِ مذہب اماموں کے ساتھ محبت ہوگئی تو ظاہر ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم مین یہ کمالات بدرجہ اتم موجود ہین۔ لہذا آپکی ذات کے ساتھ جو محبت ہوگی وہ دُنیا بھر کے علماء و انبیاء سے بڑھی ہوئی ہوگی اسکے بعد آپکو رسول بنانیوالی اور پیدا کرنیوالی ذات پر نظر ڈالو جسنے تمپر اتنے احسان فرمائے کہ ہزارہا انبیاء علیہم السلام تبلیغ کیلئے بھیجے اور پھر اپنا محبوب بھی تمھاری طرف مبعوث فرمایا۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علم و قدرت اور تقدس کو حق تعالیٰ شانہ کے نامتناہی علم اور غیر محصور قدرت اور اوصاف کمالیہ سے کوئی مناسبت ہی نہین ہے۔ خدا ہی کی ذات ہے جسمین کوئی عیب نام کو بھی نہین اور اسکے سوا کوئی چیز بھی ایسی نہین جو ہر قسم کے عیب و نقص سے خالی ہو۔ اگر کسی مخلوق مین کوئی عیب نظر نہ آوے تو عجز و احتیاج اور عبودیت و غلامی بھی تو ایک نقص ہے جو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام مین بھی موجود ہے کیونکہ اس سے مخلوق کا کوئی فرد بھی مستثنے نہین۔ چنانچہ سب جانتے ہین کہ یہ حضرات کھانے پینے کے بھی محتاج تھے نہ کسیکو رزق دے سکتے تھے نہ مار سکتے تھے نہ جِلا سکتے تھے۔ نہ فاعل مختار تھے نہ قادر پھر قادر ذوالجلال کی قدرت اور انبیاء علیہم السلام کی قدرت مین کیا موازنہ ہوسکتا ہے؟ اسیطرح حق تعالیٰ کے علمِ ازلی پر نظر ڈالو تو ایک بحرِ زخار ہے کہ کہین اسکا کنارہ ہی نہین اور کوئی ذرہ بھی اسکے علم کے احاطہ سے باہر نہین نکل سکتا۔ آسمان و زمین عرش و کرسی لوح و قلم شجر و حجر غرض جو شے خیال و ذہن مین بھی نہین آسکتی وہ اس علام الغیوب کے علمِ ازلی مین موجود ہے۔ غرض انبیاء علیہم السلام مین جو کچھ بھی صفات نظر آئے وہ درحقیقت پرتو اور ظل ہین صفات خداوندی کا پھر جب دھوپ کیجانب باوجود اسکے عارضی اور ظلِ آفتاب ہونیکے تمھارا نفس میلان کرتا ہے تو اسکے مبدء و مصدر یعنی آفتاب کیجانب کیون نہ مائل ہوگا؟ اور جب مستعار صفات کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسقدر محبت ہے تو مبدءِ صفات یعنی حق تعالیٰ شانہ کیساتھ محبت کیون نہوگی؟ اسپر بھی اگر تمھاری باطنی بصیرت حق تعالیٰ کے جلال و جمال کا ادراک نکر سکے اور عشق نہ پیدا ہو تو کم سے کم اتنا تو کرو کہ اسکے احسانات و انعامات کو شمار کرو کہ وہ کتنے ہین ظاہر ہے کہ تم انکو ہرگز شمار نہ کرسکوگے۔ تو کیا اس لئے بھی گئے گذرے ہوئے کہ اسکو اپنا محسن ہی سمجھکر محبوب سمجھو اور نفس کو اسکی جانب مائل و متوجہ کرو۔ ذرا غور کرو کہ دُنیا کی جس چیز مین بھی تمکو لذت حاصل ہوتی ہے اسکا دینے والا اور باقی رکھنے والا کون ہے؟ ذرا اسی توجہ

سے معلوم ہوجائیگا کہ کوئی لذت اور کوئی حظ اور کوئی مزہ اور کوئی نعمت ایسی نہین جو حق تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے نے دی ہو یا دلیسکے۔ پھر کیا اپنے محسن کے ساتھ تمکو محبت نہین ہوا کرتی ؟ اگر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ کے ساتھ اصل محبت کا ہونا ضروری اور مقدم ہے۔ اِس سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتون کیطرح تمکو حق تعالیٰ کے ذاتی جلال و جمال کیوجہ سے اسکی محبت نہو تو عام مخلوق کیطرح اسکو اپنا محسن ہی سمجھکر اس سے محبت کرو۔ کہ اس حدیث کا منشار پورا ہوجائے جسمین جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ سے محبت کرو باین وجہ کہ وہ تمکو غذا دیتا ہے۔ اور مجھسے محبت کرو باینوجہ کہ حق تعالیٰ مجھسے محبت فرماتا ہے،، یہ محبت ضعیف اور کم درجہ کی ہے کیونکہ احسانات کے کم وبیش ہونیسے محبت بھی کم وبیش ہوتی رہیگی سو اس قسم کی محبت کرنیوالا شخص اس غلام کی مثل ہے جو اپنے مطلب کی محبت رکھے اور باین نیت خدمت کرے کہ مزدوری ملیگی اور اپنا پیٹ بھریگا۔ اصل اور کامل محبت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ اُن صفاتِ محمودہ اور جلال وجمال کیوجہ سے محبت ہو جنمین اسکی ذات لاشریک ہے اور کوئی اسکا ہم پلہ نہین اِسی لئے اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کیجانب وحی فرمائی تھی کہ مجھے سب مین زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو میری عطا اور احسان کے بغیر محض حق ربوبیت ادا کرنیکی غرض سے میری عبادت کرے،، اور زبور مین لکھا ہے اُس سے زیادہ ظالم کون جسنے جنت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے میری عبادت کی لیکن اگر مین دوزخ اور جنت کو نہ پیدا کرتا تو کیا عبادت کا مستحق نہوتا،، ایکمرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایسے لوگون پر گذر ہوا جو خلوت مین بیٹھے عبادت کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ ہم جنت کی تمنا رکھتے ہین اور دوزخ کا ڈر حضرت روح اللہ نے فرمایا کہ تمکو مخلوق ہی کی طمع ہے اور مخلوق ہی کا خوف وائے افسوس کہ خالق کیلئے کچھ بھی نہین آگے جاکر ایسے لوگون پر گذر ہوا جو خلوت نشین تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو محض خدا کی محبت اور اسکے جلال کی عظمت کیوجہ سے اسکی عبادت کر رہے ہین،، آپنے فرمایا کہ بیشک تم خدا کے ولی و مقرب ہو اور تمھارے ہی پاس بیٹھنے کا مجکو حکم ہے۔

محبت خدا کے آثار و علامات

(فصل) محبت الٰہی کی علامتین بیشمار ہین جنکے بیان کرنیکا یہ موقع نہین البتہ بعض علامتون کا ذکر ضروری ہے سو منجملہ انکے یہ ہے کہ انسان نفس کی خواہش پر اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا اور اسکی تعمیل کو سب کامون پر مقدم سمجھتا ہے یعنی متقی و پرہیزگار بنتا اور حدود شرعیہ کا ہر وقت لحاظ رکھتا ہے **دوم** اللہ تعالیٰ کی مُلاقات کا مشتاق ہوتا ہے اور موت سے گھبراتا نہین اور اگر زندگی چاہتا بھی ہے تو محض اسلئے کہ معرفت حق جتنی بھی زیادہ حاصل ہو اتنی ہی بہتر ہے تاکہ محبوب کے وصال مین لذت زیادہ ملے کہ معرفت مشاہدۂ جمال کا تخم ہے اور تخم جتنا زیادہ پڑیگا اسیقدر پیدا وار زیادہ ہوگی۔ اسیطرح جسقدر معرفت کامل ہوگی اسیقدر مشاہدۂ جمالِ حق مین لذت زیادہ حاصل ہوگی۔ **سوم** حکم الٰہی اور قضا و قدر پر راضی رہتا ہے کہ گوارا اور ناگوار جو کچھ بھی پیش آتا ہے اسپر زبان یا دل سے شکوہ نہین کرتا۔ اب مناسب ہے کہ رضا بر قضا کا بھی کچھ بیان کردین تاکہ انسان کو دھوکہ نہو اور اس غرہ مین کہ مجکو محبتِ خدا حاصل ہوگئی ہے محروم نہ رہجائے۔ محبتِ حق تعالیٰ کا حصول کوئی آسان چیز نہین بلکہ نہایت دشوار ہے۔

نویں اصل رضا بر قضا

حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی شان میں فرمایا ہے "اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حق تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب بناتا ہے تو اسکو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے پس اگر وہ صابر رہا تو اسکو منتخب کرتا ہے اور اگر اسکی قضا پر راضی ہوا تو اسکو برگزیدہ کر لیتا ہے" ایکمرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم مومنین مسلمین ہیں آپ نے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ مصیبت پر صبر اور راحت پر شکر کرتے اور قضا پر راضی رہتے ہیں" آپ نے فرمایا واللہ تم سچے مومن ہو" حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد تم بھی ایک کام کا قصد و ارادہ کرتے ہو اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں مگر ہوتا وہی ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں پس اگر تم میرے ارادہ و مشیت پر راضی رہے اور مطیع و فرمانبردار بنے تب تو میں تمہارے چاہے کی تلافی بھی کرونگا اور تم سے خوش بھی رہونگا۔ اور اگر میرے ارادہ پر راضی نہوئے تو تمکو مشقت و تکلیف میں ڈالونگا اور انجام کار ہوگا وہی جو میں چاہونگا باقی مفت کی پریشانی تمہارے سر پڑیگی۔

(فصل) ایک فرقہ رضا کا منکر ہے اور اسکا خیال جسکو وہ دلیل سمجھے ہوئے ہے یہ ہے کہ جو چیز اپنی خواہش کے خلاف ہوگی اسپر خوش اور راضی ہونیکے کوئی معنی ہی نہیں البتہ ناگوار پر صبر ضرور ہو سکتا ہے" مگر یہ خیال ناسمجھی اور قصور فہم کی علامت ہے۔ جس طرح وہ لوگ محبت الٰہی کے سمجھنے سے قاصر رہے اسیطرح رضا بر قضا کی صورت کو نہیں سمجھ سکے۔ لہٰذا غور کرو کہ بلا اور تکلیف پر راضی ہونا اور خواہش نفس و طبیعت کے خلاف پر خوش ہونا تین وجہ سے ممکن ہے۔ **اول** دنیا کی مخلوق ہی میں دیکھلو کہ فرط محبت اور جوش شوق میں انسان کو اکثر تکلیف اور درد محسوس نہیں ہوا کرتا چنانچہ معشوق مارتا ہے مگر اسکی تکلیف نہیں ہوتی اور محبت کا درجہ تو بلند ہے غلبۂ شہوت اور غصہ کے جوش میں بھی ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ بدن پر زخم آجاتا اور سر پھٹ جاتا ہے کہ خون بہنے لگتا اور جسم لہولہان ہو جاتا ہے مگر اسوقت کچھ بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اسیطرح تمنے اپنی حالت پر کبھی نظر ڈالی ہوگی کہ جسوقت کسی مرغوب چیز کی ہوس اور شوق میں محو و مستغرق چلے جا رہے ہو اور کانٹا چبھ جائے تو اسوقت اسکا درد یا کرب بالکل محسوس نہیں ہوتا۔ البتہ جب غصہ رفع یا شوق ختم ہو جاتا ہے مثلاً مرغوب شے ملجاتی یا اسکے حصول میں یاس و ناامیدی ہو جاتی ہے تو اسوقت چوٹ اور کانٹا چبھنے کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے جب ذراسی محبت میں یہ حالت ہے کہ تکلیف محسوس نہیں ہونے پاتی تو زیادہ محبت میں تو کسی بڑی تکلیف کا بھی حس نہوگا۔ اور جب یہ حالت دنیا میں موجود ہے کہ خون اور گوشت سے بنے ہوئے اس انسان کے عشق کی بدولت یہ حالت ہے جسکے پیٹ کے اندر منوں نجاست بھری ہوئی ہے اور صورت کی ناپائدار و معمولی خوبی نے اتنا اثر پیدا کر دیا ہے کہ آنکھوں کی بینائی غلطی کرنے لگی اور ناگوار چیز گوارا بنگئی اور بدصورت شے خوبصورت نظر آنے لگی اور عیوب نے محاسن بنکر خوبیاں کھانا شروع کر دیں تو حضرت جل جلالہ کے جمال ازلی کا عاشق اگر ناگوار کو گوارا اور ناپسند کو پسند کرنے لگے تو کیا بعید ہے جبکہ قلب کی بصیرت آنکھوں کی بصارت سے ہر طرح مقدم اور اولیٰ ہے حضرت جنید بغدادیؒ نے شیخ سری سقطیؒ سے دریافت فرمایا کیا محب کو بھی بلا کی تکلیف ہوتی ہے؟ شیخ نے جواب دیا کہ ہرگز نہیں اگر ستر مرتبہ بھی تلوار سے مارا جائے تب بھی تکلیف نہو" ایک عارف فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی محبت کے سبب مجھے اسکی پیدا

تکلیف پر رضا و خوشی ہونیکی عقلی وجوہات اور انکا اثر

کی ہوئی ہر چیز سے محبت ہے یہان تک کہ اگر دوزخ کو وہ محبوب بنائے تو مین دوزخ ہی مین جانا محبوب سمجھون"۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکی محبت کی آگ مین جلنے کی بھی تکلیف محسوس نہوگی حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہین کہ میرے لئے کوئی خوشی باقی نہین رہی ہان اگر ہے تو بس حقتعالیٰ کے قضا و قدر پر رضا و سرور ہے جو ہر وقت حاصل ہے"۔ ایک صوفی کا حال لکھا ہے کہ انکا چھوٹا بچہ تین دن تک گم رہا انسے کہا گیا کہ اگر آپ دعا مانگتے تو حق تعالیٰ بچہ کو لوٹا دیتا اور گمشدگی کی یہ کلفت نہ اٹھانی پڑتی۔ انہون نے جواب دیا کہ بچہ کے گم ہونیسے زیادہ تکلیف میرے لئے یہ تھی کہ مین حق تعالیٰ پر اسکے حکم مین اعتراض کرتا"۔ **دوسری** وجہ قضا پر راضی ہونیکی یہ ہے کہ تکلیف کی صورتون مین تکلیف تو محسوس ہو مگر چونکہ عقل نے اسکے بہتر انجام ملنے والے اجر و ثواب پر مطلع کر دیا ہے اسلئے طبیعت اس تکلیف کو بغیر کلفت گوارا کرتی ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کیلئے تلخ دوا بتائے یا فصد کھلوانیکی ہدایت کرے تو اسصورت مین ظاہر ہے کہ اس تلخ دوا کا پینا اور فصد کا کھلوانا تکلیف کی باتین ضرور ہین مگر چونکہ اسکے ساتھ ہی اسکے عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مریض کو آگاہی حاصل ہے لہذا وہ ان تکلیف کی باتونکے بتانیوالے طبیب سے راضی اور خوش بلکہ اس کا احسانمند و ممنون رہتا ہے۔ اسیطرح سوداگر اپنے سفر تجارت کی گوناگون صعوبتون اور مشقتون پر راضی ہوتا ہے حالانکہ طبیعت ان تکالیف کو ناگوار سمجھتی ہے مگر چونکہ عقل نے اس مشقت کا اچھا نتیجہ و انجام سمجھا دیا ہے لہذا وہ ناگواری اسکی رضا و رغبت سے بدلجاتی ہے پس جب دنیا کے ناپائدار فائدون کی یہ حالت ہے کہ انکی وجہ سے مشقت مشقت نہین رہتی تو اخروی سعادت کے حاصل کرنے مین بلاد تکلیف اور خلاف طبع مصیبتون پر راضی ہوجانے سے کیون تعجب ہوتا ہے؟ ایک پارسا عورت کے انگوٹھے کو ٹھوکر لگی اور پاؤن کا ناخون کٹ کر گر پڑا مگر وہ اس تکلیف پر بجائے ہائے و وا ویلا مچانیکے مسرور ہوئین اور ہنسنے لگین۔ لوگون نے دریافت کیا کہ کیا تمکو تکلیف معلوم نہین ہوئی؟ جواب دیا کہ چوٹ لگنے پر جو اجر آخرت مین ملیگا اسکی حلاوت نے تکلیف کی تلخی کو چاٹ لیا"۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص سچے دل سے اسکا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کیطرف سے اجر مرحمت ہوگا اور ہر مصیبت و صدمہ پر اسقدر ثواب عطا ہوگا جسکے مقابلہ مین اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہین تو وہ تکلیفون پر ضرور مسرور اور شادمان ہوگا۔ **تیسری وجہ** قضا پر راضی ہونیکی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے معاملات مین عجیب عجیب رموز و اسرار مخفی ہین اور ہر واقعہ عجیبہ و حادثہ جدیدہ مین ایک نہین بلکہ بیسیون لطائف مستور ہین جنپر آگاہ ہونا صاحبانِ بصیرت ہی کا کام ہے۔ پس ان مصلحتون اور لطیفون پر نظر کرنیسے تکلیف تکلیف نہین معلوم ہوتی بلکہ اس عالمِ فانی مین جو کچھ بھی ہو رہا اور جسکو جاہل و احمق شخص تشویش و اضطراب سمجھکر تعجب کرتا ہے اسکو صاحبانِ بصیرت ایسا ہی سمجھتے ہین جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہکر ان واقعات پر تعجب ہوا تھا جنکا مفصل قصہ سورہ کہف مین مذکور ہے کہ دونون حضرات ایک کشتی مین بیٹھے تو حضرت خضرؑ نے کشتی کا ایک تختہ پھاڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے تعجب کے ساتھ اعتراض کیا کہ یہ زیادتی آپنے کیون کی؟ پھر آگے چلے تو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک نابالغ لڑکے کو مار ڈالا۔ اسپر بھی موسیٰ علیہ السلام نے تعجب کے ساتھ اعتراض کیا کہ معصوم بچہ کا خون کرنا کب جائز ہے؟ پھر آگے چلے اور ایک بستی مین پہونچے کہ وہانکے رہنے والون نے انکے کھانے تک کی خبر نہ لی۔ صبح ہونے پر جب دونون حضرات

رضا بر مصیبت واقع میں محبت الٰہی کا اثر ہے

طبیعت کا انجام اچھا اور ثواب کی وجہ سے تکلیف کا احساس بالکل گم ہو جاتا ہے

قضا و قدر کی حکمتیں اور اسرار سمجھنے سے تکلیف کا اثر نہیں ہوتا

حضرت خضرؑ کے افعال مین بظاہر نقصان وتکلیف تھی مگر حقیقت مین مخلوق کی بہبودی کا سبب تھے۔

اس قصبہ مین نکلے تو ایک دیوار نظر پڑی جو جھکی کھڑی تھی اور حضرت خضر علیہ السلام نے اسکو سیدھا کردیا۔ موسی علیہ السلام کو پھر تعجب ہوا کہ ایسی بے مروت قوم کے ساتھ جسنے مسافرونکے خورونوش کی بھی خبر نہ لی صفت احسان کرنا نہ چاہیئے تھا۔ غرض جب تین مرتبہ اعتراض پر اعتراض ہوچکا تو حسب قرارداد حضرت خضر علیہ السلام سے مفارقت ہوگئی۔ یہ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ان واقعات پر تعجب کرنا محض اسوجہ سے تھا کہ ان اسرار ورموز سے واقف نہ تھے جو ان واقعات مین مخفی تھے۔ چنانچہ جب خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو ان سے مطلع کردیا کہ کشتی غریب ملاحونکی تھی اور بادشاہ وقت ظلماً صحیح وسالم کشتیونکو ضبط کررہا تھا لہذا مین نے اس کشتی کو عیب دار کردیا تاکہ مسکینونکی صورت معاش ضبط نہوجائے اور وہ نابالغ بچہ جسکو مین نے قتل کیا ہی چونکہ فطرتاً بددین پیدا ہوا تھا اور غالب اندیشہ تھا کہ بالغ ہوکر اپنے مسلمان ماں باپ کو گمراہ کریگا کیونکہ وہ شفقت مادری وپدری کیوجہ سے اسکا خلاف نکرسکینگے لہذا اسکا کام تمام کردیا تاکہ اسکے بدلہ مین صابر ماں باپ کو دوسری اولاد ملے جو صالح وسعید ہوا ور ذریعۂ آخرت بنے۔ رہا دیوار کا قصہ سو وہ دیوار دو یتیم بچونکی تھی جنکا نیکبخت باپ اس دیوار کے نیچے خزانہ دباکر چھوڑگیا اور اسکو خدا کے حوالہ کرمرا تھا۔ لہذا مین نے اسکو سیدھا کردیا تاکہ بالغ ہوکر اپنا مال قبضہ مین لائین اور دیوار گرجانیسے خزانہ ظاہر ہوکر حقدارونکے علاوہ دوسرونکے ہاتھ نہ لگنے پائے تو اسوقت موسیٰ علیہ السلام کا تعجب رفع ہوگیا۔

ناگوار واقعات مین مصلحت خداوندی مضمر ہوتی ہے

اسیطرح ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ جنگل مین رہتے تھے اور ایک گدھا پال رکھا تھا جسپر اسباب لادتے تھے۔ اور ایک کتا رکھ چھوڑا تھا جو مکان کی حفاظت کرتا تھا اور ایک مرغ پال رکھا تھا جو اذان دیکر صبح سویرے سبکو جگادیا کرتا تھا۔ ایکدن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑکر لیگئی تو انکی بیوی رونے لگی کہ ہائے مرغ جاتا رہا شیخ نے فرمایا کہ رؤومت اسی مین بہتری ہوگی اگلے دن بھیڑیا آیا اور انکے گدھے کو مارگیا۔ اسوقت بیوی پھر رنجیدہ ہوئی تو شیخ نے کہا کہ "اسی مین خیریت تھی لہذا رونیکی کوئی بات نہین" اسکے بعد دفعتہً کتا مرگیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو اسوقت شیخ نے پھر بھی فرمایا کہ "غم نکرو اسی مین بھلائی تھی۔ بار بار یہ سنکر بیوی کو تعجب ہوا کہ صریح نقصان ہورہا ہے اور خاوند بھلائی بھلائی پکار رہا ہے غرض صبح ہوئی تو دفعتہً غنیم کا ایک لشکر اس میدان مین لوٹنے کیلئے آپڑا اور جتنے بھی گھرون کا انکو پتہ چلا سبکو لوٹ لیا اور بجز ان بزرگ وانکی بیوی کے سب ہی کو گرفتار کرکے باندی غلام بناکر لیگئے اور مکانات کا پتہ نشان دشمن فوج کو اسی سے چلا کہ کسیکے دروازہ کا کتا آہٹ پاکر بھونکنے لگا اور کسیکا گدھا رینگ رہا تھا اور کسیکا مرغ اپنی بانگ بلند کررہا تھا۔ اسوقت ان بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھا اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب آج یہی جانور بنے۔ پس خدا کا کتنا فضل تھا کہ ہمارے تینون جانور پہلے ہی مرگئے اگر آج وہ زندہ ہوتے تو ہم بھی دوسرونکی طرح دشمن کے ہاتھون مین گرفتار ہوتے۔" ایک نبی کسی پہاڑ کی کھوہ مین بیٹھے عبادت کررہے تھے اور پہاڑ کے قریب چشمہ تھا جسپر اکثر اوقات پیاسونکی آمدورفت رہتی تھی۔ ایکمرتبہ ایک سوار آیا اور اسنے نقدی کی ہمیانی کمر سے کھولکر زمین پر رکھدی اور پانی پینے لگا۔ پانی پیکر وہان سے چلدیا اور تھیلی بھولگیا تھوڑی دیر بعد ایک شخص آیا اور تھیلی کو اٹھالیا اور لیکر چلدیا۔ اسکے بعد ایک غریب مزدور سرپر لکڑیون کا گٹھا لادے ہوئے آیا اور گٹھا زمین پر ڈالکر آرام لینے کیلئے چشمہ کے کنارہ بیٹھ گیا۔ اتنے

ہیں وہ سوار جسکی تھیلی رہگئی تھی گھبرایا ہوا آیا اور تھیلی کو نہ پایا تو ادھر اُدھر دیکھا اور جب کوئی آدمی نظر نہ آیا تو اس بیچارہ مزدور کے سر ہوگیا ہرچند اسنے انکار کیا کہ مین نے تھیلی کو دیکھا بھی نہیں مگر سوار کو یقین نہ آیا یہانتک کہ تلوار کو میان سے نکالکر غریب مزدور کی گردن اُڑا دی اور چلا گیا۔ یہ حال دیکھکر پیغمبر نے بارگاہ خداوندی مین عرض کیا کہ بارالہا یہ نرالا واقعہ بھی کتنا عجیب ہے کہ تھیلی کسی نے لی اور مارا کوئی گیا۔ حکم ہوا کہ تم اپنا کام کرو تمھین ہمارے ملکوتی اسرار مین دخل دینے کی حاجت نہیں بات یہ ہے کہ اس مزدور نے اس سوار کے باپ کو مار ڈالا تھا لہذا آج اسکا قصاص لیا گیا کہ مقتول کے بیٹے نے اپنے باپ کے قاتل کو مار دیا اور اس سوار کے باپ نے ایکمرتبہ اس شخص کے مال مین سے ایکہزار دینار لے لئے تھے جو کہ تھیلی لیکیا ہے لہذا آج اسکی تلافی کیگئی کہ لینے والے شخص کی میراث مین سے ایکہزار دینار کی تھیلی اسکو دلادیگئی۔ الحاصل جو شخص اسرار تکوینیہ پر ایمان لا چکا ہوئے ہو وہ تو حق تعالیٰ کے احکام قضا و قدر پر ہرگز تعجب نہ کریگا بلکہ اپنے تعجب کرنے پر تعجب کریگا کہ شاہنشاہی مصلحتون کے راز نہ سمجھنے پر غلام کو تعجب کیون ہوا۔

(فصل) شاید تم یہ کہو کہ کافر اور عاصی جو کفر و معصیت کر رہے ہین وہ بھی تو خدا ہی کے حکم و ارادہ سے کر رہے ہین لہذا ان افعال پر راضی ہونیکے کیا معنی جبکہ شریعت کہتی ہے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور کافر و عاصی کو مبغوض سمجھنا بغض فی اللہ مین داخل ہے جو کہ شرعاً محمود ہے لہذا ہم تمکو رضا بر قضا کا مطلب سمجھاتے ہین تا کہ خلجان باقی نہ رہے۔ بات یہ ہے کہ امر بالمعروف فرض ہے اور اسکا چھوڑنا رضا بر قضا نہیں کہلایا جاتا کیونکہ رضا اور کراہت ایکدوسرے کی ضد ہین اور دو متضاد چیزین ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتین ظاہر ہے کہ جس کام کو تم ناگوار اور برا سمجھوگے اسکی نصیحت ضرور کروگے اور جسکو اچھا سمجھوگے اُس سے ضرور خوش ہوگے اور ناگواری و خوشی دونون ایک کام پر ایک حیثیت سے ہرگز نہیں ہوسکتیں البتہ دو اعتبار سے ہوسکتی ہین مثلاً ایک شخص تمھارا دشمن ہوا اور تمھارے دشمن کا بھی دشمن ہو تو اسکو قتل کرنا اس اعتبار سے تو پسندیدہ ہوگا کہ وہ تمھارا دشمن ہے مگر اس اعتبار سے ناپسند ہوگا کہ وہ تمھارے دشمن کا بھی دشمن ہے کیونکہ دشمن کے دشمن کی زندگی مطلوب ہوتی ہے تا کہ وہ اپنی دشمنی کی وجہ سے تمھارے دشمن کو نقصان پہونچاتا رہے۔ اسیطرح کفر و معصیت مین بھی دو حیثیتیں ہین ایک یہ کہ وہ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہے کہ اسکے حکم بغیر ذرہ بھی نہیں ہل سکتا پس اس اعتبار سے تو اسکو قضا اور تقدیر کہتے ہین اور اس حیثیت سے اسپر ناگواری بھی نہ ہونا چاہئے بلکہ رضا ہونی چاہئے کہ حق تعالیٰ کا جو کام بھی ہے وہ مصلحت سے ہے البتہ اسی معصیت مین دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ کفر و معصیت کافر اور عاصی شخص کا عمل اور کسب ہے اور حق تعالیٰ کے دشمن اور نافرمان ہونیکی علامت ہے پس اس اعتبار سے بیشک ناگواری و بغض ہونا چاہئے کیونکہ حق تعالیٰ نے تمکو حکم دیا ہے کہ جس بندہ پر ہماری مخالفت کی علامتیں دیکھا کرو اُس سے بغض رکھا کرو پس خدا کے حکم کی تعمیل کرنا اور کافر سے بغض رکھنا بھی حق تعالیٰ ہی کے حکم پر راضی ہونا ہوا اسکی مثال ایسی سمجھو کہ مثلاً تمھارا معشوق تم سے کہے کہ مین تمھارے عشق و محبت کا امتحان لونگا اور اپنے غلام کو مجبور کرونگا کہ وہ مجھکو گالی دے اور پھر اسکو مارونگا کہ مجھے گالی کیون دی۔ تو جو شخص میرے اس غلام سے بغض رکھیگا اسکو اپنا محب اور عاشق صادق سمجھونگا اور جو اس سے محبت کریگا مین اسکو اپنا دشمن سمجھونگا۔ اب فرض کرو کہ ایسا ہی ہوا یعنی غلام نے تمھارے سامنے تمھارے محبوب کو گالی دی۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اس غلام سے تم محبت رکھوگے یا بغض و عداوت۔ اور جسوقت اسکی زبان سے محبوب کو گالیان دیتے ہوئے سنوگے تو راضی

تکوینی اسرار و حکم پر مطلع ہونا مشکل ہے

رضا بر قضا کا صحیح مطلب تا کہ کافر کے کفر پر رضا نہ ہو اور امر بالمعروف ترک نہ ہو۔

رضا بقضا کے یہ معنی نہیں کہ دعا مانگنا اور اسباب کا اختیار کرنا چھوڑ دیا جائے

ہوؤ گے یا ناراض؟ ظاہر ہے کہ گالیاں تو اسوجہ سے ناگوار ہی گذرینگی کہ ان سے تمھارے محبوب کی عزت کا ہتک ہوتا ہے۔ اور کسی شخص کا ایسا کرنا تمھارے معشوق کے دشمن ہونیکی علامت ہے اور محبوب کا دشمن کہ جسپر دشمنی کی علامتیں بھی موجود ہوں وہ بیشک بغض و عداوت ہی کے قابل ہے۔ مگر اس اعتبار سے کہ یہ تمھارے ہی محبوب کی تدبیر سابق کے موافق ظہور ہو رہا ہے کیونکہ جو کچھ غلام سے صادر ہوا ہے وہ محبوب ہی کے ارادہ اور قصد سے صادر ہوا ہے بیشک ناگواری نہوگی بلکہ محبوب کی قدرت و طاقت کا یقین ہوگا کہ اسنے اپنے غلاموں سے جو کام بھی لینا چاہا وہ لیلیا۔ حتی کہ اپنی محسن ذات کیلئے اپنے ادنی غلام کی زبان سے گالیاں نکلوانی چاہیں تو اسمیں بھی کسیکو سرتابی اور مخالفت حکم کی مجال نہوئی۔ اسیطرح کافر کا کفر سمجھو کہ چونکہ حق تعالی ہی کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے لہذا اس اعتبار سے ناگوار گذرنیکا سبب نہیں ہو سکتا مگر اسکے ساتھ ہی چونکہ خدا کی رضامندی اسپر نہیں بلکہ کفر کرنا خدا کے دشمن اور مبغوض ہونیکی علامت ہے لہذا اس اعتبار سے کفر کرنا تمکو بھی ضرور ناگوار گذریگا۔ اسیوجہ سے اسکو نصیحت بھی کیجاتی ہے اور تبلیغ کا حق بھی ادا کیا جاتا ہے کیونکہ اپنے حقیقی محبوب کا دشمن اپنا ہی دشمن معلوم ہوا کرتا ہے۔ اسیطرح رضا بر قضا کے یہ معنی بھی نہیں کہ دعا کا مانگنا چھوڑ دو یا تیر انداز نے جو تیر تمھاری طرف پھینکا ہے اسکو ڈھال پر روک لینے کی طاقت رکھتے ہوئے نہ روکو اور اپنے بدن پر لگنے دو۔ اور یوں سمجھو کہ قضا پر راضی رہنا چاہئے۔" ایسا سمجھنا بھی جہالت اور خام خیالی ہے کیونکہ دعا مانگنے اور شر سے حفاظت و تدبیر کرنیکا شریعت حکم دے رہی ہے اور محبوب کے حکم سے سرتابی حرام ہے لہذا یہاں رضا بر قضا کے معنی یہی ہیں کہ حق تعالی نے کسی شئے کے حاصل ہونیکے لئے جو اسباب مقرر فرمادیئے ہیں انکو اختیار کرو تاکہ محبوب تمکو اپنے انتظام کا پابند دیکھکر تمسے راضی ہو۔ اور اگر اسباب کا اختیار کرنا چھوڑ دوگے تو محبوب کے مخالف اور رضائے محبوب کے دشمن کہلاؤگے۔ مثلاً کوئی پیاسا آدمی پانی پائے مگر اسکی جانب ہاتھ نہ بڑھائے اور یوں گمان کرے کہ میں تو پیاس پر راضی ہوں کیونکہ پیاس حق تعالے کے حکم اور قضا و قدر سے ہے اور قضا پر راضی رہنا ضروری ہے۔ تو یہ شخص بیوقوف کہلائیگا اور اسکو سمجھایا جائیگا کہ کیا تو حق تعالی کے مقرر کئے ہوئے اسباب اور عادت جاریہ میں رخنہ ڈالنا یا حدود شریعت سے باہر نکلنا چاہتا ہے؟ تو نے جو کچھ سمجھا یہ رضا کے معنی ہرگز نہیں ہیں رضا کے تو صرف یہ معنی ہیں کہ حق تعالی پر ظاہر و باطن اور زبان یا دل کوئی بھی کسی حالت پر اعتراض نکرے اور اسکے ساتھ ہی اسکے حکم کی تعمیل بھی ہو اور جو انتظام اسنے عالم کیلئے تجویز فرما دیا ہے اس سے بھی باہر نہ نکلے۔ بلکہ شرعی احکام کا پورا پابند ہو اور جس طرح حق تعالے کی مرضی ہے مراسکے حاصل کرنے میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد نہ کرے۔ مثلاً جب دعا کا حکم ہوا ہے تو اسکی تعمیل ہو تاکہ خشوع و خضوع اور قلب میں رقت کا اثر آئے اور وہ لیاقت و استعداد حاصل ہو جسکی وجہ سے قلب پر انوار و تجلیات کا ورود ہو سکے۔ اسیطرح اسباب کو بھی اختیار کیا جائے تاکہ مسبب حاصل ہو۔ البتہ اگر سبب کے بعد بھی مسبب حاصل نہو تو نہ کوئی خلجان پیدا ہونا چاہیئے اور نہ رنجیدہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ راضی رہے اور یوں سمجھے کہ سبب تو فی الحقیقت مؤثر تھا نہیں اور حق تعالے کا ارادہ یوں تھا کہ یہ مسبب مجکو حاصل نہو۔ پس قضا و قدر خداوندی پر مجکو راضی رہنا چاہیئے۔ لہذا اگر وہ شے باوجود وسائل و اسباب اختیار کرنیکے بھی مجھے حاصل نہیں ہوئی تو یہ میرے حزن و غم یا شکوہ و شکایت کا سبب نہیں ہو سکتا۔

دسوین اصل ذکر موت کا بیان

یہ نو مقامات جنکا ہم ذکر کر چکے سب ایک مرتبہ مین نہین ہین بلکہ انمین سے بعض تو مقصود بالذات ہین جیسے مقام رضا و محبت اور بعض مقصود بالغیر ہین مثلاً توبہ و خوف اور صبر و زہد کیونکہ مقصود درحقیقت قُرب خداوندی ہے اور یہ تمام درجات راہِ قُرب کے مُعین و وسائل ہین خود قُرب نہین کیونکہ قُرب تو معرفت اور محبت سے حاصل ہوتا ہے اور معرفت و محبت کبھی حاصل نہین ہوسکتی جبتک کہ غیر اللہ کی محبت قطع نکردیجائے۔ اور غیر اللہ کی محبت خوف و صبر اور زہد و توبہ ہی کے ذریعہ سے قطع ہوگی لہذا انکی بھی ضرورت ہوئی اور چونکہ منجملہ ان اُمور کے جنسے قُرب حق مین اعانت حاصل ہوتی ہے موت کا یاد رکھنا بھی ہے لہذا اسکا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہوا کیونکہ موت کے ذکر سے دُنیا کی محبت قلب سے جاتی رہتی ہے اور جب یہ علاقہ قطع ہوگا تو حق تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگی حقتعالیٰ فرماتا ہے کہ "موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمسے ملکر رہیگی" رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ لذتونکی توڑنیوالی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہین کہ مینے ایکمرتبہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ حشر کیدن شہدا کیساتھ اور کوئی بھی اُٹھیگا؟ آپنے فرمایا ہان وہ شخص جو رات دن مین بیس مرتبہ موت کو یاد کرلیتا ہو" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ موت کے برابر کوئی واعظ نہین یعنی نصیحت کرنیکو تو موت ہی کافی ہے۔ اور اگر جانورونکو موت کا اتنا علم ہوجتنا کہ بنی آدم کو ہے تو کوئی جانور فربہ کھانیکو نملے یمین تم مین دو واعظ چھوڑے جاتا ہون ایک واعظ ساکت یعنی موت اور دوسرا واعظ ناطق یعنی قرآنمجید"

موت بڑی ہولناک چیز ہے اور موت کے بعد واقعات اس سے زیادہ خوفناک ہین اور انکا ذکر کرنا اور یاد رکھنا دُنیا کو منغص بناتا اور اس دارِ ناپائدار کی محبت کو دل سے نکال لیتا ہے اور دُنیا کی محبت ہی ہر گناہ کی جڑ بنیاد ہے پس حُبِ دُنیا سے قلب کو نفرت ہوگئی تو سب کچھ ملگیا۔ اور دُنیا سے نفرت اسوقت ہوگی جبکہ موت کا فکر اور خیال ہو گا کہ عنقریب ہمپر کیا آفت آنیوالی ہے۔ اور فکر کا طریقہ یہ ہے کہ کسیوقت خلوت مین بیٹھکر سارے خیالات کو دل سے نکالدو اور قلب کو بالکل خالی کرکے توجہ اور عزم کیساتھ موت کا دھیان کیا کرو۔ **اول** اپنے اُن دوستون اور اعزہ و اقارب کا تصور کرو جو دُنیا سے گذر گئے اور یکے بعد دیگرے ایک ایک کا دھیان کرتے جاؤ کہ یہ صورتین کہان چلی گئین؟ یہ لوگ کیسی کیسی اُمیدین اپنے ساتھ لیگئے؟ حرص و امل نے انکو اپنا کتنا زور دکھایا جاہ و مال کی کیا کچھ تمنا ئین اور آرزوئین انکے دلونمین تھین مگر آج وہ سب خاک مین ملگئے اور منون مٹی کے نیچے دبے پڑے ہین کہ کوئی شخص انکا کبھی نام بھی نہین لیتا۔ اسکے بعد مردونکے بدن اور جسم کا دھیان کرو کہ کیسے حسین اور نازک بدن تھے مگر اب پارہ پارہ ہوگئے گل سڑ گئے پھٹ گئے اور کیڑے مکوڑونکی غذا بنگئے اسکے بعد انکے اعضا اور جوارح مین سے ایک ایک عضو کا دھیان کرو کہ وہ زبان کیا ہوئی جو کسیوقت چپ ہونا جانتی ہی نہین تھی؟ وہ ہاتھ کہان گئے جو حرکت کیا کرتے تھے؟ دیکھنے والی آنکھیں اور ان کے خوبصورت حلقے کس کیڑے کی خوراک بنگئے؟ غرض اسطرح پر دھیان کروگے تو سعید بنجاؤ گے کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ سعید وہ ہے جو دوسرون سے نصیحت حاصل کرے افسوس کہ ہم موت جیسی ہولناک چیز سے غافل ہین انمین پر کہ جسکو ہم

ذکر موت سے حصول قطع [illegible]

قدموں سے روند رہے ہیں ہمسے پہلے سینکڑوں آئے اور چلدیئے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ یہیں بیٹھینگے موت کا خطرناک سفر در پیش ہے مگر ہمیں کچھ پروا نہیں اسقدر غفلت طولِ امل نے پیدا کر رکھی ہے۔ اگر یہ جہالت رفع ہو تو موت کا دھیان آئے۔ اسی لئے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نصیحت فرمائی تھی کہ "صبح ہو تو شام کا فکر نکرو اور شام ہو تو صبح کا خیال تم لاؤ دنیا میں آئے ہو تو زندگی میں موت کا سامان اور تندرستی میں مرض کا فکر کرو۔ کیونکہ اے عبداللہؓ کیا خبر ہے کل کو تمہارا کیا نام ہوگا یعنی زندہ ہوگا یا مردہ"۔

فکرِ موت کا طریق اور تصور کی کیفیت

جس شے کے آنیکا کوئی وقت مقرر نہیں اسکی فکر تو ہر وقت ہی ہونی چاہیئے پس اپنی اُمیدوں پر خاک ڈالو اور آرزوؤں کو بڑھنے ندو۔ خدا جانے گھنٹہ بھر بعد کیا ہونا ہے؟ حضرت اسامہ نے سو دینار میں دو مہینے کے وعدہ پر ایک کنیز خریدی۔ جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسامہ کی حالت پر تعجب کرو کہ زندگی کا بھروسہ ایکدن کا بھی نہیں اور دو مہینہ کے وعدہ پر کنیز خریدی ہے۔ یہی تو طولِ امل ہے۔ خدا کی قسم ہے کہ میں نوالہ منہ میں رکھتا ہوں اور یقین نہیں کرتا کہ حلق سے نیچے اُتر یگا؟ ممکن ہے کہ نوالہ کے کھانے ہی آنکھ پڑجائے پھندا لگجائے اور دم نکلجائے۔ لوگو اگر تمہیں عقل ہو تو اپنے آپکو مُردوں میں شمار کرو۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جسکے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ جو کچھ وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور آنیوالا ہے۔ اور جو آنیوالا ہے وہ بہت قریب ہے۔ اگر تمکو جنت میں داخل ہونیکی خواہش ہو تو دنیا کی لاطائل امیدونکو کم کرو اور موت کو ہر وقت پیش نظر رکھو اور اللہ سے شرماؤ جیسا کہ شرمانیکا حق ہے۔ انشاء اللہ جنت میں داخل ہوجاؤگے

طولِ امل سے بچو اور موت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو

خاتمہ جو کچھ ابتک ہمنے بیان کیا اسمیں ہم تمکو بیدار اور متنبہ کرچکے اور اللہ کیجانب چلنے کا شوق دلا چکے پس اگر اب بھی کان نہ لگاؤگے یا ایسا سنوگے جیسا کہ قصے کہانیاں سنا کرتے ہو تو اپنا ہی کچھ کھوؤگے کسیکا کیا نقصان کروگے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے "اُس سے زیادہ ظالم کون جسکو پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کیگئی اور اُسنے منہ پھیر لیا اور بھولگیا کہ فردائے قیامت کیلئے کیا بھیجا۔ اور اگر توجہ کیساتھ سنوگے اور دل سے کان لگاؤگے تو بیشک نفع پاؤگے اور جو چیزیں صراطِ مستقیم سے روکے ہوئے ہیں انکو چھوڑ دوگے۔ یاد رکھو کہ سلوک سے روکنے والی بڑی چیز صرف دنیا کی محبت ہے کہ اسینے خدا کیطرف سے غفلت پیدا کر رکھی ہے اور کبھی قیامت اور محشر کو یاد نہیں آنے دیتی لہذا اگر روزانہ صبح کی نماز کے بعد جو کہ صفائی ذہن اور معدہ کے خالی ہونیکا وقت ہے چند منٹ تنہا بیٹھکر اپنی حالت میں غور کیا کرو اور ابتدا و انتہا و مبدء و معاد کو سوچا کرو اور نفس سے حساب لیا کرو تو بہت نفع ہو اور اسکی صورت یہ ہے کہ نفس کو خطاب کرکے کہا کرو کہ

اصلاحِ قلب سے روکنے والی بڑی چیز محبتِ دنیا ہے

محاسبۂ نفس اور مراقبہ کی کیفیت اور طریقہ

اے نفس میں مسافر تاجر ہوں ابدی سعادت اور اللہ جل جلالہٗ کا قرب میرا منافعہ ہے اور دائمی بدبختی اور حق تعالیٰ سے حجاب میرا خسارہ ہے اور میری عمر میرا راس المال ہے کہ ہر سانس ایک بیش قیمت جوہر اور گویا بھرپور خزانہ ہے جس سے ابدی سعادت حاصل ہوسکتی ہے۔ اور جب عمر پوری ہوگئی تو تجارت ختم ہوجائیگی اور مایوس ہونا پڑیگا۔ آج کا دن میری تجارت کا دن ہے اور حق تعالیٰ نے مجکو فرصت دی ہے کہ اگر چاہوں تو تجارت میں نفع اٹھاؤں اگر حق تعالیٰ مجھے دنیا سے اُٹھا لیتا تو میں خواہش کرتا کہ کاش دنیا میں لوٹا دیا جاؤں اور ایکدن مجھے نصیب ہوجائے کہ کوئی نیک عمل کرلوں **اے نفس** وہ دن آج کا ہے جو تجکو خدا کیطرف سے مہلت کا عطا ہوا ہے اب تو اپنا وعدہ پورا کر اور دیکھ کہ کیا کر رہا ہے؟ اگر اس مہلت کو تونے غنیمت سمجھا اور آج کا کام کل پر نہ رکھا تو آج کی تجارت کا منافعہ تجکو ملگیا اور حسرت

نہوئی اور اگر تو کل کبھی زندہ رہے تو پھر یہی خیال کر۔ غرض جبتک زندہ رہے اسوقت تک ہر دن کو نیا سمجھ اور خدا کے عفو سے دھوکہ
مت کھا کیونکہ یہ تیرا گمان ہی گمان ہے۔ ممکن ہے کہ غلط نکلے حقتعالی کی معافی کچھ ضروری یا تیرا فرض نہیں ہے جسکا مطالبہ کر کے ایفا و ادا لازمی
ہو اور اگر معافی ہوئی بھی تب بھی نیکو کار بندوں کے ثواب سے تو محروم ہی رہیگا۔ اور مرے پیچھے اگر حسرت کریگا تو اس سے کیا نفع ہو گا۔ جو کچھ ہونا تھا
وہ تو ہو چکا ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ ایک ایک سانس غنیمت اور بے بہا موتی ہے اسکے بعد اگر نفس پوچھے کہ اچھا بتاؤ کیا عمل کروں
اور کیونکر وقت کی قدر کروں؟ تو اسکو جواب دے کہ جو چیز موت کیوجہ سے جدا ہونیوالی ہے اسکو چھوڑ دے اور جو شے پائدار ہے اور کسیوقت بھی
تیرا ساتھ نچھوڑیگی اسپر قبضہ کر یعنی اللہ جل جلالہٗ کی معرفت حاصل کر اور خدا کی یاد سے مانوس ہو پھر اگر نفس کہے کہ بھلا دنیا کسطرح چھوٹ
سکتی ہے؟ اسکے علاقے تو قلب میں مضبوط و مستحکم ہوگئے اور انکا ٹوٹنا دشوار ہے تو اسکو جواب دے کہ قلب ہی کے اندر سے دنیا کے علاقے
کاٹ دے اور تلاش کر دنیا کا کونسا علاقہ مستحکم ہے پس سب سے اول جڑ کاٹ یعنی اگر مال کی محبت زیادہ ہے تو اسکو نکال اور جاہ کی طلب قوی ہے تو اسکو
چھوڑ۔ دسوں مہلک امراض کی تشریح اور علاج بیان ہو چکا ہے انکو دیکھ اور خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھکر مستعد ہو جا کمر باندھ آمادہ
ہو اور جس چیز کی نفس کو خواہش ہو اسکے خلاف کر پھر دیکھ کہ خلاصی ملتی ہے یا نہیں؟ **ای نفس** تو بیمار ہے اور عمر تیرے پرہیز کا زمانہ ہے اور
روحانی حاذق طبیب یعنی پیغمبر نے جنکی راستی و سچائی سے تو بھی آگاہ ہے یوں فرمایا ہے کہ ذائقہ دار لذتیں تجھکو مضر ہیں اور کڑوی دوائیں تیرے
لئے نافع اور مفید ہیں۔ کیا تجھسے سفر کی مصیبتیں اس امید پر برداشت نہیں ہو سکتیں کہ منزل پر پہونچکر آرام نصیب ہو گا پس اگر راستہ کی
تکلیف سے اکتاتا ہے تو یاد رکھ کہ قافلہ نکل جائیگا اور تو جنگل میں پڑا رہیگا کہ یا کوئی درندہ تجھکو پھاڑ کھائیگا اور یا یوں ہی بھٹکتا
ہلاک ہو جائیگا۔ **ای نفس** بتا تو سہی کہ تجھے دنیا میں کس چیز سے رغبت ہے؟ پس اگر تو مال چاہتا ہے تو مان لے اچھا وہ مل بھی گیا۔
اور تو بڑا مالدار اور متمول سیٹھ بھی بنگیا مگر پھر کیا؟ اگر تو نظر اٹھا کر دیکھیگا تو بہتیرے یہودی اور عیسائی ایسے ملینگے جنکے پاس تجھسے
زیادہ مال موجود ہو گا۔ اور اگر تو عزت و جاہ کا طلبگار ہے تو اچھا فرض کر لے کہ یہ طلب ٹھکانے لگی اور تجھے عزت و جاہ حاصل
بھی ہوا۔ مگر آخر اسکا انجام اور حاصل کیا ہے؟ اگر آنکھیں کھولکر دیکھیگا تو سینکڑوں احمق و جاہل کافر اور اللہ کے نافرمان ذلیل و کمینے
بندوں کو ایسے حال میں دیکھیگا کہ انکی عزت دنیا میں تجھسے بھی زیادہ ہو رہی ہے۔ انمیں بہتیرے لوگ ایسے منصب حکومت اور مسند جلال و
سطوت پر بیٹھے نظر آئینگے جو تجھکو بھی قید کر کے جیلخانہ پہنچا سکتے ہیں پس **ای نفس** اگر تو اُن آفتوں اور مصیبتوں سے نہیں گھبراتا جو
عزت و جاہ کے حاصل کرنے میں اٹھانی پڑتی ہیں اور اُن بلاؤں سے بھی نہیں ڈرتا جو عزت حاصل ہوئے پیچھے سر پر پڑا کرتی ہیں تو ان
ذلیل اور کمینے شریکوں ہی کا خیال کر کہ کیسے کمتر لوگوں کا ساجھی ہونا چاہتا ہے؟ کیا ایسی بے وقعت اور حقیر چیز بھی حاصل کرنیکے قابل ہے
جسکو خسیس سے خسیس اور رذیل سے رذیل شخص بھی حاصل کر سکتا بلکہ حاصل کئے ہوئے ہے اور اتنی مقدار حاصل کئے ہوئے ہے کہ اگر تو پچاس برس
بھی کوشش کریگا تو تجھکو نصیب نہو گا۔ اور **ای نفس** اگر تو دنیا سے اعراض کر کے آخرت کیجانب متوجہ ہو گا تو یاد رکھ کہ یگانۂ روزگار
اور یکتائے زمانہ بنجائیگا۔ تیرا ثانی ہفت اقلیم میں بھی نہ مل سکیگا پس **ای نفس** اب تو ہی بتا کہ کیا چیز حاصل کرنیکے قابل ہے؟
ای نفس خوب یاد رکھ کہ تجھسے زیادہ تیرا خیر خواہ کوئی نہیں تو کسیکے کہنے اور سننے پر نہ جا بلکہ دنیا اور دین دونوں کے انجام

[illegible]

اور نتیجہ میں خود غور کرکے جواب دے کہ تیری رغبت کس چیز میں ہے؟-

اسطرح اگر تم اپنے نفس سے مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہوگے تو ایکدن یہ نفس تمھارا مطیع بنجائیگا اور تمکو راہِ مستقیم پر لے چلیگا۔ پس اگر تم عقلمند ہو تو سمجھلو کہ یہ نفس کیساتھ مباحثہ کرنا بدعتیوں اور معتزلہ بلکہ دُنیا بھر کے تمام مذاہب باطلہ کیساتھ مناظرہ کرنیکی بہ نسبت زیادہ ضروری اور مہتم بالشان ہے کیونکہ دوسرونکی غلطیاں اور خطائیں تمھیں کچھ بھی نقصان پہونچانیوالی نہیں ہیں اور اپنی خطا وغلطی کا اپنے ہی اوپر وبال ہے کہ اسکا بھگتان تم ہی کو بھگتنا ہے پس پہلو میں بیٹھے ہوئے عدو اور خون کے پیاسے دشمن کو سب سے پہلے قتل کرنا چاہئے اور جب اس سے نجات ملکر اطمینان حاصل ہو جائے تب دوسرونکی خبر لینا مناسب ہے۔ تعجب ہے کہ اس دشمن کیجانب تو کبھی توجہ نہیں ہوتی بلکہ یہ جو کچھ بھی مانگتا ہے وہی اسکو دیا جاتا ہے اور جو بھی یہ حکم دیتا ہے فوراً اُسکی تعمیل کیجاتی ہے- اسکی درخواستونکے منظور اور خواہشونکے پورا کرنے میں غور وفکر اور عقل کے گھوڑے دوڑائے جاتے اور حیلوں اور تدبیروں سے کام لیا جاتا ہے- بھلا سوچو تو سہی اگر کوئی شخص اپنے دامن کے نیچے ایک زہریلا کالا سانپ چھپائے بیٹھا ہو جو پھنکارین مار رہا اور اسکے ڈسنے اور ہلاک کرنیکی ٹوہ میں لگا ہوا ہو مگر یہ شخص اسکی تو پروا نکرے اور دوسرے شخص کے منہ سے مکھیاں اُڑانے اور پنکھا جھلنے میں مشغول رہے تو اس سے زیادہ احمق اور بے وقوف کون ہو سکتا ہے؟ یہی تمھارا حال ہے کہ دوسرونکے ساتھ مباحثہ کرنے اور غیرونکو سیدھے رستہ پر لانیکی فکر میں سرگرم ہو مگر اپنے نفس امارہ کیساتھ مناظرہ کرنے اور اس تباہ کرنیوالے شریر دشمن دین وایمان کو زیر کرنیکی جانب مطلق توجہ نہیں کرتے- خوب سمجھلو کہ جبتک نفس کیساتھ ایک عرصہ دراز تک اسطرح مباحثہ نہ رکھوگے اسوقت تک یہ کبھی سیدھا نہوگا۔ اور جبتک یہ سیدھا نہوگا اسوقت تک نہ تمھیں اللہ کی یاد دہی نصیب ہوگی اور نہ مناجات میں لذت آئیگی نہ سلوک کیطرف توجہ ہوگی اور نہ صراطِ مستقیم پر چلنے کی فکر ہوگی لہذا اس مناظرہ کو اپنے اوپر واجب وفرض سمجھو اور اکثر اوقات نفس کے ساتھ یہ مباحثہ شروع کر دیا کرو۔ اور جب نفس تمھاری مخالفت کرے تو اسکو ڈانٹو جھڑکو اور ایسی سزا دو جو کارگر اور با اثر ہو کیونکہ نفس کی خاصیت گتے کی سی ہے کہ جبتک مار نہ کھائیگا اسوقت تک ادب نہ پائیگا- پھر اگر تمکو نفس کے ساتھ مناظرہ کرنے اور محاسبہ لینے یا نفس کو ڈانٹنے اور سزا دینے کا طریقہ معلوم کرنیکی خواہش ہو تو احیاء العلوم کی **کتاب المحاسبۃ والمراقبۃ** دیکھو کہ اس مختصر کتاب میں ان ابواب کے بیان کرنیکی گنجائش نہیں ہے۔ اب دُعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے محبوب سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھے اور تمھیں اپنی بیشمار عطاؤں سے ڈھانپ لے اور کرم وفضل فرمائے جن باتونکا اسنے ہمکو علم عطا فرمایا ہے اسپر عمل کی توفیق بخشے اور جو کچھ ہمنے پڑھا یا سنا ہے اسکو حال بنا دے کہ اصل کیفیت ہم اپنے نفس پر گذرتی ہوئی دیکھ لیں آمین یا رب العلمین **تمت**

الحمد للہ کہ ترجمہ تمام میں ختم ہوا- مترجم کی درخواست ہے کہ برادرانِ اسلام میں جو صاحب بھی اس سے مستفیض ہوں اور کسی درجہ میں نفع اُٹھائیں وہ مترجم کیلئے دُعا فرمائیں کہ اللہ سبحانہٗ کی رضا اور محبت نصیب ہو اور ذلت وعزت کے آخری فیصلہ کے دن اُسکے نام کی عزت باقی اور قائم رہے کہ عاشق الٰہی کو دُنیا میں اتباعِ سُنّت نبویہ اور خدمت شریعت محمدیہ کی توفیق ہو اور آخرت میں جوار رحمت الٰہیہ و نظارہ جمال قدسیہ کا کیف نصیب ہو- آمین آمین بحرمۃ سید المرسلین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

بندۂ ضعیف- محمد عاشق الٰہی عمادی زبیری (مولوی فاضل) میرٹھ شہر

نفس کی خاصیت کُتّے کی سی ہے کہ بغیر مار کھائے سیدھا نہیں ہوتا

دُنیا میں بے نظیر کتاب

یعنی جمع الفوائد جسمین بخاری مسلم ترمذی ابو داؤد نسائی ابن ماجہ موطا امام مالک مسند امام احمد مسند ابی یعلی مسند ابی بکر دارمی اور معجم کبیر و اوسط و صغیر کی تمام حدیثون کو بحذف اسناد و مکررات امام محمد بن محمد بن سلیمان مغربی رودانی نے ۱۰۸۶ھ مین جمع کیا تھا اور ۲۶۰ برس بعد سب سے اول ہندوستان مین طبع ہوئی ہے مین اسکا قلمی نسخہ دمشق سے لایا جبکہ وہ پردہ اخفا مین جانا چاہتا تھا اور تین سال کی محنت شاقہ کے بعد مصری ٹائپ مین چھاپکر شائع کیا۔ علماء نے حدیث کی چودہ کتابون کے اس سمندر کو جنمین چار کتابین وہ ہین جنکا قلمی نسخہ بھی اب نہین ملتا جس نگاہ قدر و منزلت سے دیکھا ہے وہ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی اس تحریر سے ظاہر ہے جو تقریظ مین شامل ہے کہ "مین نے اپنی تمام کتابین علما و مدارس پر تقسیم کر دین مگر جمع الفوائد کا کسیکو دینا مجھے گوارا نہین ہے۔ یہ کتاب ہر وقت میرے سامنے رہتی ہے کہ فرصت کے وقت اسکا مطالعہ کرتا ہون اور ناظرین کو خریداری کا مشورہ دیتا ہون"۔

ہر عالم و طالبعلم کو اسکا رکھنا ازبس ضروری ہے اور جو عالم نہین وہ برکت کیلئے اسکو گھر مین رکھین کہ ہزارہا تعویذون کا ایک تعویذ ہے اور سمندر پار سے آئے ہوئے جواہرات کی ملکی یادگار ہے۔ نیز مد زکوٰۃ مین کسی حاجتمند عالم کو دین یا کسی مدرسہ مین وقف کرین تو صدقہ جاریہ ہے جسکا ثواب قیامت تک ملیگا۔ ہدیہ صرف عـہ مجلد چرمی نقرئی عـہ

غنیۃ الناسک مسائل حج و زیارت کا جامع رسالہ جسکو مولانا محمد حسن صاحب مہاجر مکی نے سات برس مین مرتب فرمایا اور اسکی نقل مکہ مکرمہ سے آکر ہمارے مصری ٹائپ مین طبع ہوئی عازمان حج کو اسکا ساتھ رکھنا ازبس ضروری ہے کہ خود نہ پڑھ سکین تو کسی عالم سے پڑھوا کر سنتے رہین تاکہ حج مین جو کچھ روپیہ اور تعب اُٹھایا جائے وہ ارکان و مستحبات ادا ہونیکے باعث ہو اور محنت ٹھکانے لگے۔ قیمت (عہ)

فیوض یزدانی حضرت پیران پیر کے باسٹھ وعظ جنکو آپکے خلیفہ عفیف الدین بن مبارک نے قلمبند کیا تھا مع سلیس اُردو ترجمہ کے نہایت مفید اور مبارک کتاب ہے جس سے کوئی مسلمان گھر خالی نہ رہنا چاہئے۔ قیمت (عہ)

انوار سبحانی چالیس وعظ جیلانی کی نہایت پیاری شرح کہ ختم کئے بغیر چین نہین پڑتا۔ قیمت (عہ)

الجواہر الزواہر مولانا عبدالحی خطیب جامع رنگون کی البصائر کے نفیس وعظ کا ترجمہ کہ صحیح روایات سے مفید طریقہ پر وعظ کہنا سکھلایا اور وعظ سنایا ہے۔ قیمت (عہ)

ماہتاب عرب نبوت کی ضرورت اور انبیاء علیہم السلام کے کارنامے دکھانیکے بعد واقعات کی شہادت سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الانبیاء ہونا ظاہر کیا اور مدت تعلیم نصاب تعلیم تعداد متعلمین اور نتیجہ تعلیم چارون مراتب بوضاحت دکھائے ہین کہ مخالف بھی عناد سے خالی ہو کر دیکھے تو اقرار کئے بغیر نہین رہسکتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا محسن شفیق معلم کامل مکمل آفتاب ماہتاب کی نظرون (؟)

المشتہر محمد عاشق الٰہی (مولوی فاضل) مالک مطبعہ خیریہ میرٹھ شہر